Million Dollars $py

اسرائیلی سیکرٹ سروس ''موساد'' کے خفیہ آپریشن

مشتاق جدون صوابی

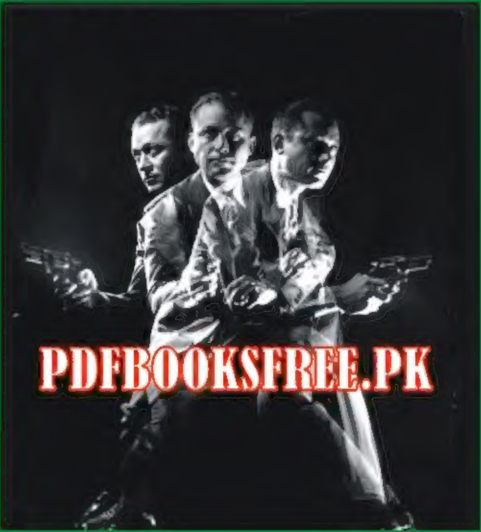
PDFBOOKSFREE.PK

دی ملین ڈالر سپائی، اسرائیلی سیکرٹ سروس "**موساد**" کے خفیہ آپریشن

The Million Dollar SPY

ملین ڈالر سپائی

مشتاق جدون صوابی وال

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز
غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔ اُردو بازار لاہور

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب .... دی ملین ڈالر سپائی
اسرائیلی سیکرٹ سروس "موساد" کے خفیہ آپریشن
مصنف .... مشتاق جدون صوابی وال
ناشر .... مسعود مفتی
سیونتھ سکائی پبلیکیشنز
مطبع .... زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ .... انیس احمد
سن اشاعت .... نومبر 2008ء
قیمت .... =/250 روپے

......ملنے کے پتے......

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔ اُردو بازار لاہور
فون: 7223584 موبائل: 0300-4125230

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

انتساب!

ابا جی

(وارنٹ آفیسر علی بہادر)

جب آپ اپنی بیماری سے صحت یاب ہو کر پہلی بار میرے پاس پشاور آئے تھے اور آپ بڑے مسکرا مسکرا کر میرے ساتھ کافی دیر باتیں کرتے رہے اُس وقت میرے دل میں آیا تھا اے اللہ یہ وقت ہمیشہ کیلئے رُک جائے تا کہ آپ بولتے جائیں اور میں سنتا جاؤں لیکن ابا جی وقت کسی کے لیے کہاں رُکتا ہے۔ اور پھر ایک دن اچانک آپ میری نظروں سے ہمیشہ کیلئے اوجھل ہو گئے۔ ابا جی آپ کی حسین یادیں میری تنہائیوں میں مجھے رُلاتی ہیں!

ہمی سو گئے داستاں کہتے کہتے

100 نامور خواتین

روبی پبلی کیشنز، لاہور کی خوبصورت پیش کش...... اماں حوا سے بے نظیر بھٹو تک، دُنیا کی 100 نامور خواتین کے حالات زندگی۔ مصنف سلیم شہاب کی شبانہ روز محنت کا نتیجہ...... کتاب میں شامل ان خواتین کو درج ذیل سیکشن میں تقسیم کیا گیا ہے......

خانوادہ رسول ﷺ　　قرون اولیٰ　　عظیم مائیں　　عظیم بیویاں　　فن و ادب

فلاح عامہ و خاصہ　　قیادت و سیادت　　کھیل　　رنگ و آہنگ　　بدنصیب خواتین

ملنے کا پتہ: روبی پبلی کیشنز، 13۔ الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور 042-37243301

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
(1)	جاسوسی اصطلاحات	07
(2)	پیش لفظ	09
(3)	مصنف کے بارے میں	12
(4)	جاسوسی	13
(5)	موساد	18
(6)	ملٹری انٹیلی جنس (AMAN)	33
(7)	مگ-21 کا اغواء	35
(8)	آپریشن موسس	45
(9)	دی ملین ڈالر سپائی	50
(10)	آپریشن بے بیلون	72
(11)	اسلامک جہاد: بیروت میں ڈراؤنا خواب	85
(12)	میونخ آپریشن	91
(13)	بلیو پرنٹس آف میراج	106
(14)	چربورغ کی میزائل بوٹس کا اغوا	121
(15)	مسٹر آف ڈیتھ	129
(16)	شمشون سپائی	151

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
(17)	سیریل ہائی جیکنگ	167
(18)	سلیکٹ آپریشن۔ابو جہاد	183
(19)	آپریشن ٹائیگر	191
(20)	ہار برانشورنس	201
(21)	لیڈی ڈیانہ کا پُراسرار قتل	206
(22)	تابوت میں جاسوس	210
(23)	آپریشن یورینیم شپ	216
(24)	روگ آپریشن	222
(25)	موساد اور راء (Raw): ٹارگٹ پاکستان	226

آپ کے اشتہار / پیغام کی جگہ

کیا آپ کتاب گھر ذریعے ہزاروں لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانا چاہتے ہی؟؟؟ کیا آپ اس جگہ پر اپنا اشتہار/ پیغام دیکھنا چاہتے ہیں؟؟؟
آپ اپنی کتاب، ویب سائٹ، فورم (میسج بورڈ) کاروبار یا کسی بھی قسم کے اشتہار/ پیغام کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں۔ رابطہ کے لیے
kitaabghar.com پر موجود Contact Us فارم استعمال کیجیے یا پھر kitaab_ghar@yahoo.com پر ای میل کیجیے۔

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

جاسوسی اصطلاحات

1. **Academy (Midrasha):** officially called the Prime Minister's summer residence, It is the mossad training school north of Tel aviv.
2. **Agent:** A widely misused term. It is a recruit not a domestic employee of an Intelligence Agency.
3. **Aman:** Military Intelligence
4. **Base country:** Where ever the Mossad has bases.
5. **Day Light:** Highest state of alert of a Mossad station.
6. **Diamond:** A unit in the Mossad that handles Communications to agents in Target countries.
7. **Fiber Intelligence:** Observations that are not Physical such as economic indicators-rumors, morale, general feelings.
8. **Horse:** A high ranking person who helps you. Institute:The formal name of the Mossad.
9. **Katsa:** Case officer of Mossad who recruits enemy agents world wide.
10. **Jumpers:** Katsas stationed in Israel who Jump into variouse countries on a short-term basis.

11. **Sayan:** Volunteer Jewish helpers out side Israel.

12. **Target country:** Any Arab Country.

13. **Cover:** Identity assumed by intelligence officer when abroad.

14. **Dry cleaning:** Variouse techniques to avoid surveillance.

15. **Grinder:** Debriefing room.

16. **Honey-trap:** sexual entrapment for Intelligence purposes.

17. **Legend:** bogus biography for Katsa.

18. **Bug:** electronic device for hearing and recording.

کتاب گھر کا پیغام

ادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجئے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ:

۱۔ http://kitaabghar.com کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچائیے۔

۲۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول/کتاب کی کمپوزنگ (ان پیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے کتاب گھر کو دیجئے۔

۳۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے سپانسرز کو وزٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

پیش لفظ

مشہور برطانوی جاسوسی ناول نگار جان لی کیرے (Johnle carre) اپنی ایک کتاب (Tinker,Tailor,soldier,Spy) میں لکھتا ہے۔"سیکرٹ ایجنسیاں ہمیشہ کسی ایک قوم کے تحت الشعور(Sub-concious) کی عکاسی کرتی ہیں"۔ بالکل اسی طرح اسرائیل کا خفیہ ادارہ موساد بھی ایک ذہنی بیمار اور خوفزدہ یہودی قوم کے ضمیر کی عکاسی کرتا ہے۔ یہودی ایک ایسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جن کی رگوں میں خوف وہراس، نفرت، بے چینی، انتقام اور سفاکی ہزاروں برس سے چلی آ رہی ہے۔اس درندگی کی واضح جھلک موساد یا اسرائیلی آرمی کے اُن آپریشنز میں دیکھی جاسکتی ہے۔جو انہوں نے عرصہ دراز سے نہتے فلسطینیوں کے خلاف جاری رکھے ہوئے ہیں ۔ستمبر 1982ء میں دنیا بھر کے لوگوں نے ٹیلی ویژن، اخبارات اور میگزین میں بے گناہ فلسطینیوں کے خوفناک قتل عام کی تصاویر دیکھیں۔مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی لاشیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔حتیٰ کہ گھوڑوں اور مویشیوں کو بھی ہلاک کیا گیا تھا۔انتقام کا نشانہ بننے والے بعض افراد کے سروں میں گولیوں سے سوراخ کیئے گئے تھے اور بعض کے گلے کٹے ہوئے تھے۔یہ ہولناک منظر بیروت کے دو پناہ گزین کیمپوں صابرہ اور شتیلہ کا تھا۔اسرائیلی فوجوں نے قتل عام سے قبل ان کیمپوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔پھر لبنان کی کرسچین ملیشیا نے اسرائیلی ٹینکوں میں بیٹھ کر صبح پانچ بجے ان دو کیمپوں پر چڑھائی کر دی، جہاں لوگ صبح کی نماز کی تیاری کر رہے تھے اور چھوٹے بچے ابھی گہری نیند سو رہے تھے۔

موساد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے میں نے ملکی اور غیر ملکی کتابوں اور انٹرنیٹ سے سہارا لینا پڑا۔میں نے 1992ء میں اس موضوع پر مطالعہ شروع کیا تھا۔پشاور سے لیکر اسلام آباد، لاہور اور کراچی تک میں نے کوئی بک سٹور یا لائبریری نہیں چھوڑی جہاں موساد کے بارے میں بیرون ملک سے کوئی کتاب درآمد کی گئی ہو۔موساد پر سب سے مستند کتاب جو عالمی مارکیٹ میں 1990ء میں آئی وہ سابق اسرائیلی ایجنٹ وکٹر اسٹروودسکی کی By way of Deception تھی۔اس شخص نے موساد سے تعلق توڑ کر کینیڈا میں پناہ لے لی تھی۔اس کتاب نے دنیا بھر میں زبردست بزنس کیا تھا۔کچھ عرصے بعد اس کا دوسرا حصہ The other side of Deception بھی شائع ہوا۔سٹیورٹ سٹیون کی کتاب The spymasters of Israel بھی ایک اعلیٰ درجے کی کتاب مانی جاتی ہے۔یوں بے شمار برطانوی اور امریکی مصنفین نے اس ٹاپک پر طبع آزمائی کی۔لیکن میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں کسی نے اُردو یا انگریزی میں کبھی اس قسم کی کتاب نہیں لکھی ہے۔بہر حال اگر کسی نے لکھی بھی ہو تو کم از کم مجھے وہ مارکیٹ یا کسی لائبریری میں نظر نہیں آئی۔اردو میں البتہ ناول آپ کو بہت ملیں گے جس میں موساد کا ذکر ہوگا۔ناول اور حقیقت میں جو فرق ہوتا ہے اس سے آپ خوب واقف ہیں۔ناول لکھنے کیلئے آپ کو اپنی ذہنی اختراع پر انحصار کرنا ہوتا ہے۔جبکہ ایک ریسرچ ورک کیلئے لاتعداد حقائق کا سہارا لینا پڑتا ہے۔آپ اس میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھ سکتے۔

یہ کتاب لکھنے کا مقصد میرا صرف یہ تھا کہ ہم مسلمانوں کو پتہ چل سکے کہ ہمارا وہ دشمن جس کی قرآن نے نشان دہی کی ہے کس قدر ترقی کر چکا ہے اور اس کے عزائم کس قدر خطرناک اور مکروہ ہیں۔ کتاب کو غیر ضروری طوالت سے بچانے کی خاطر میں نے موساد کے تاریخی پس منظر میں زیادہ جانے سے گریز کیا ہے۔ اس کے بجائے میں نے کوشش کی ہے کہ اس کے خفیہ آپریشنز کے متعلق لکھوں جو اس ادارے نے اپنے معاون انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ہمراہ اُمت مسلمہ کے خلاف کئے ہیں۔

قارئین کو کتاب میں موساد کے علاوہ اسرائیلی ملٹری انٹیلی جنس (Amman) اور شین بتھ (انٹرنل سکیورٹی سروس) کے متعلق بھی پڑھنے کو ملے گا۔ اس کے علاوہ کتاب میں تصاویر، نقشے اور خاکے ہیں اور موساد کے زیر استعمال جاسوسی اصطلاحات کی تھوڑی بہت تفصیل درج ہے۔ زیر نظر کتاب میری پہلی کاوش ہے۔ دُعا ہے کہ یہ قارئین کو پسند آئے اور مجھے آئندہ لکھنے کیلئے حوصلہ افزائی ملے۔

اس کتاب کی تکمیل میں جن دوستوں نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے امنگ عطا کی ان کا شکریہ ادا کرنے کیلئے ذہن پر دباؤ ڈالتا ہوں مگر موزوں الفاظ گرفت میں نہیں آتے۔ پاکستان کے دور دراز شہروں میں واقع کتب خانوں کے ملازمین نے جن کے مجھے اب نام بھی یاد نہیں، میری بڑی راہنمائی کی۔ ایک لائبریری جس کا بالخصوص ذکر کروں گا وہ ہے پشاور کی پبلک لائبریری اینڈ آرکائیوز۔ اس عظیم الشان لائبریری میں کتابوں کا ایک بیش قیمت ذخیرہ موجود ہے جس میں انیسویں صدی کے برطانوی دور اور موجود زمانہ کی کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ اس لائبریری کے چیف لائبریرین شاہ مراد صاحب کا اگر ذکر نہ کروں تو بڑی بے انصافی ہوگی اُنہوں نے انتہائی خلوص سے اپنے ریفرنس سیکشن میں مختلف کتابوں اور انسائیکلوپیڈیاز کی نشاندہی کر کے میری بڑی مدد کی۔ وہ ایک انتہائی فرض شناس اور لوگوں سے تعاون کرنے والے افسر ہیں۔ کتابوں سے تو ایسا پیار کرتے ہیں جیسے یہ اُن کے اپنے بچے ہوں۔ انہی کے ایک جونیئر جناب شیر افضل کا پُر خلوص تعاون بھی میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا جنہوں نے کتابوں کے اس سمندر میں مجھے وہ کتابیں اور جرائد ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیں جس کی مجھے اشد ضرورت تھی۔ اسی کتب خانے کے ایک سابق رُکن محمد اسماعیل نے جو آج کل پشاور یونیورسٹی میں درس و تدریس سے وابستہ ہیں، کتاب کے ابتدائی مراحل میں میری بڑی مدد کی تھی۔ میں اُن کا بھی تہہ دل سے مشکور ہوں۔

ایک اور صاحب جنہوں نے میری کتاب کا مسودہ پڑھنے کے بعد میری حوصلہ افزائی کیلئے کہا تھا کہ انشاء اللہ یہ کتاب پاکستان بھر زبردست پذیرائی حاصل کرے گی، اور وہ ہیں پشاور کے سب سے بڑے اور مشہور درسی اور جنرل کتب کے سٹور، دارالادب، کے مالک اور دینی سکالر جناب سید ارشاد حسن صاحب بڑے دکھ کے ساتھ یہ الفاظ لکھ رہا ہوں کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

صوبہ سرحد میں تحریک استقلال کے دیرینہ کارکن اور وائس چیئرمین راجہ ظہور احمد کا ذکر بھی نہایت ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اُن کے محفل سے مجھے ذوق مطالعہ نصیب ہوا اور میرے دل میں بالآخر یہ کتاب لکھنے کی تحریک پیدا ہوئی۔

میں اپنی اہلیہ اُم جبران کا بھی بیحد ممنون ہوں، جنہوں نے یہ ریسرچ مکمل کرنے کیلئے مجھے پُرسکون ماحول فراہم کیا اور کتاب کے مسودے کو کم از کم بچوں کی پہنچ سے دور رکھا۔ ایک اور صاحب کا اگر میں ذکر نہ کروں تو بڑی زیادتی ہوگی کیونکہ اُن کے بے پناہ تعاون سے اس کتاب نے حقیقت

کا روپ دھارا اور وہ ہیں اُمّ جبران کے بھانجے جناب مولانا حیدر علی المیتوی انہوں نے ذاتی دلچسپی سے کتاب کے مسودے کو پڑھنے کے بعد اسے کمپوز کرنے کا انتظام کیا۔ اس کے علاوہ مسودے کی تصحیح کا کام جن صاحب نے کیا وہ ہیں مولانا شمس انوار حقانی۔ ان کی کاوشوں سے کتاب نے حقیقت کا روپ دھارا۔ میں ان کا بہت ممنون ہوں۔ اور سب سے آخر میں اگر مولانا عبدالباری صاحب کے بارے میں یہ کہوں کہ اگر ان کی دعائیں شامل حال نہ ہوتی تو یہ کتاب کبھی پریس میں نہ جاتی۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ ہاں ان تمام دوستوں کے خلوص اور محبت کی بدولت اب یہ کتاب مکمل ہے۔

مشتاق جدون صوابی وال
حیات آباد 13 جولائی 2008ء
0345-9110459
0333-9231567

کتاب گھر کا پیغام

آپ تک بہترین اردو کتابیں پہنچانے کے لیے ہمیں آپ ہی کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ہم کتاب گھر کو اردو کی سب سے بڑی لائبریری بنانا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے ہمیں بہت ساری کتابیں کمپوز کروانا پڑیں گی اور اسکے لیے مالی وسائل درکار ہوں گے۔

اگر آپ ہماری براہ راست مدد کرنا چاہیں تو ہم سے kitaab_ghar@yahoo.com پر رابطہ کریں۔ اگر آپ ایسا نہیں کرسکتے تو کتاب گھر پر موجود ADs کے ذریعے ہمارے سپانسرز ویب سائٹس کو وزٹ کیجئے، آپکی یہی مدد کافی ہوگی۔

یاد رہے، کتاب گھر کو صرف آپ بہتر بنا سکتے ہیں۔

مصنف کے بارے میں

مشتاق اے جدون ضلع صوابی کے ایک دُورافتادہ گاؤں میں پیدا ہوئے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر تو سائنس گریجویٹ ہیں مگر مطالعہ جاسوسی ادب (True espionage) اور آٹو بیوگرافی کا کرتے ہیں۔ حقیقی جاسوسی کے سلسلے میں مو سادان کی پہلی جامع کتاب ہے جسے انہوں نے آٹھ سال کے طویل عرصے میں مکمل کیا ہے۔

وہ ایک ملٹی نیشنل فارماسیوٹیکل کمپنی میں کام کرتے ہیں۔ اُنکی دو اور کتابیں تیاری کے مراحل میں ہیں، ان میں سے ایک کا نام برطانوی راج، مہاراجہ اور ہندوستان ہے جو تقسیم سے پہلے ہندوستان کی مختلف شاہی ریاستوں کے مہاراجاؤں اور نوابوں کے دلچسپ عادات اور واقعات پر مبنی ہے، جبکہ دوسری کتاب The pathans & British face to face ہے۔ جس میں سرحد کے غیور پٹھانوں کے انگریزوں کیساتھ خونریز معرکوں کا ذکر ہے۔ مشتاق اے جدون اپنی فیملی کیساتھ پشاور میں مقیم ہیں۔

آپریشن بلیو سٹار

نوجوانوں کے پسندیدہ ترین مصنف عارق اسماعیل ساگر کا کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا دوسرا ناول **آپریشن بلیو سٹار** کہانی ہے ایسے سر پھرے آزادی کے متوالے لوگوں کی جو اپنی حریت اور آزادی کی سانس کے بدلے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار ہیں۔ ہندوستان میں سکھوں کے خالصتان کی تحریک کو کچلنے کے لیے کیا گیا بدنام زمانہ فوجی ایکشن جسے آپریشن بلیو سٹار کا نام دیا گیا تھا، اس آپریشن کے بعد ہندوستان کی سابقہ وزیر اعظم اندرا گاندھی کو اسکے اپنے سکھ باڈی گارڈز نے گولیوں سے اُڑا دیا۔ ہندوؤں اور سکھوں کی باہمی چپقلش اور کشمکش کے پس منظر میں لکھا گیا یہ ناول جلد ہی کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا۔

جاسوسی

Espionage

کسی ملک کے انتہائی اہم رازوں کو خفیہ طور طریقوں سے حاصل کرنا جاسوسی (Espionage) کے زمرے میں آتا ہے۔ مختلف ملک ایک دوسرے کے خلاف جو معلومات اور اعداد و شمار اکٹھی کرتے رہتے ہیں ان میں 80 فیصد تو انہیں کھلے ذرائع ابلاغ یعنی ریڈیو، اخبارات و جرائد سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ سیاسی اور سٹریٹجک معلومات سفیروں اور ملٹری اتاشیوں سے مل جاتی ہیں۔ لیکن انتہائی حساس اور اہم انفارمیشن اس باقی ماندہ 20 فیصد میں پوشیدہ ہوتی ہیں، اور اسی کو حاصل کرنے کیلئے جاسوس یا ایجنٹ بھرتی کئے جاتے ہیں۔ دنیا میں جاسوسی کا فعل ملکی مفادات کے تحفظ کیلئے انتہائی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ آج کل تو ایک خودمختار ریاست کی بقا ہی جاسوسی اداروں کی بدولت ہے۔ یہ ادارے انگریزی کے ایک مقولے "to forewarn is to fore arm" پر یقین رکھتے ہیں۔

بین الاقوامی قانون کے تحت ہر ملک کو حالت جنگ میں حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دشمن ملک کی جاسوسی کرے۔ 1907ء کے ہیگ کنونشن کے آرٹیکل 29 میں جاسوس کی کچھ یوں تعریف کی گئی ہے۔

"a person can be considered a spy only when,he is collecting information clandestinely or under false pretenses.A uniformed Soldier in enemy territory for example,is not a spy,but if be wears civilian clothes to collect information he is a spy."

جاسوسی کا پیشہ ہزاروں سال پرانا ہے۔ سکندر اعظم اپنے دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے جاسوسوں سے مدد لیتا تھا۔ قدیم مصر کے فرعون توتنخامن کی وفات (1324ق م) کے بعد اُس کی بیوہ ملکہ نے ہمسائے ملک کے بادشاہ کو خط لکھا کہ مجھے اپنا ایک بالغ بیٹا بھیج دو میں اُس کیساتھ شادی کر کے اُسے مصر کا بادشاہ بنانا چاہتی ہوں۔ لیکن اُس بادشاہ نے بیٹے کے بجائے ایک جاسوس کو مصر روانہ کیا۔ تاکہ وہ ملکہ کی پیشکش کا حقیقی پس منظر معلوم کرے۔ اسی طرح چنگیز خان نے بھی بارھویں صدی میں اپنے ذہین جاسوسوں کی مدد سے ایشیاء کے بیشتر ممالک کو روندڈالا تھا۔

سیکرٹ سروس یا جاسوسی ادارے ایک ملک کے حساس دستاویزات یا تنصیبات کے متعلق معلومات اکٹھی کرنے کیلئے ایجنٹ بھرتی کرتے ہیں جنہیں وہ اپنی مخصوص زبان میں sources یا assets کہتے ہیں۔ یوں ان خفیہ اہل کاروں کا ایک جال یا نیٹ ورک ٹارگٹ ملک میں پھیلایا جاتا ہے۔ متعلقہ ملک میں ایجنسی کا ایک شخص جسے سٹیشن چیف کہتے ہیں ان ایجنٹوں سے معلومات اکٹھی کر کے اپنے ملک بھجواتا رہتا ہے۔

ایجنٹوں کی بھرتی مختلف طریقوں سے کی جاتی ہے۔ اکثر افراد پیسوں کے لالچ میں آ کر ان کیلئے کام کرتے ہیں۔ کچھ نظریاتی یا مذہبی وابستگی کے جذبے سے سرشار رضا کارانہ طور پر کام کیلئے تیار ہو جاتے ہیں ایسے جاسوسوں کو Walk-in جاسوس کہتے ہیں کیونکہ انہیں کسی قسم کی ترغیب یا لالچ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بعض لوگوں کو تو بلیک میلنگ یا ڈرا دھمکا کر پھنسایا جاتا ہے لیکن یہ طریقہ کار خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بھرتی کرنے والا شخص ایک تو غیر ملکی سرزمین پر کام کر رہا ہوتا ہے۔ وہ جسے پھنسنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے وہ کسی بھی وقت مقامی پولیس سٹیشن پہنچ کر حکام کو ساری صورت حال بتا سکتا ہے۔

بھیس (Cover)

جاسوس عموماً مختلف بھیس بدلتے رہتے ہیں۔ وہ ٹارگٹ ملک میں تاجر، صحافی، یا سفارت کار کی حیثیت میں خفیہ سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ ایک سفارت کار اگر جاسوسی کرتے ہوئے پکڑا جائے تو اسے سفارتی مدافعت (diplomatic immunity) کی وجہ سے گرفتار تو نہیں کیا جا سکتا لیکن اُسے متعلقہ ملک ناپسندیدہ شخص (persona non grata) قرار دیکر ملک سے نکل جانے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن عام افراد کو اس جرم کی کڑی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

Concealment

جدید دور میں جاسوسی آلات اور ہتھیار اور انٹیلی جنس ڈیٹا چھپانے کیلئے نت نئے طریقے استعمال ہوتے ہیں۔ جاسوسی آلات میں زیادہ تر منی ایچر miniature، ریڈیو ٹرانسمیٹر، کیمرے، ویڈیو کیمرے، ٹیپ ریکارڈ، مائیکرو فون وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ خفیہ رپورٹ یا ڈیٹا کو مائیکرو ڈاٹ میں تبدیل کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجا جاتا ہے۔ مائیکرو فوٹو گرافی کے ذریعے ایک پورے صفحے کی عبارت کو ایک باریک نقطے میں بدل دیا جاتا ہے۔ اب یہی نقطہ ایک عام خط کی عبارت میں چپکا کر بھیج دیا جاتا ہے جسے کوئی بھی با آسانی دریافت نہیں کر سکتا۔

مائیکرو فلمیں عام گھریلو استعمال کی چیزوں مثلاً ریزر، لپ سٹک وغیرہ میں چھپائی جا سکتی ہیں۔ جاسوسی خطوط ایسی روشنائی سے لکھے جاتے ہیں جو عام نظر میں کسی کو دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ اسے لیبارٹری میں باقاعدہ کیمیکل کی مدد سے ڈی ویلپ کر کے پڑھا جاتا ہے۔

نگرانی (Surveillance)

ہر ملک میں ایک شعبہ انسداد جاسوسی ہوتا ہے جو غیر ملکی جاسوسوں کی خفیہ سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ کوئی اُن کی مسلسل نگرانی کر رہا ہے اور بالآخر پکڑے جاتے ہیں۔ اگر اس شعبے کو کسی جاسوس کے ٹھکانے کا پتہ چل جاتا ہے تو وہ اس کے بیڈ روم میں خفیہ آلات نصب کر دیتے ہیں جس میں ایسے ننھے منے کیمرے ہوتے ہیں جو گھپ اندھیرے میں بھی تصاویر اتار لیتے ہیں اس میں انفرا ریڈ لائٹ استعمال ہوتی ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی۔

انفرا ریڈ سنیپر سکوپ (Infrared military Snifer Scope) جو امریکہ نے ویت نام کی جنگ میں استعمال کئے تھے اس کی

مدد سے اندھیرے میں با آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔

کوڈز اور سائفرز Codes & Ciphers خفیہ مراسلوں اور اطلاعات کیلئے جاسوس کوڈز و سائفرز ciphers استعمال کرتے ہیں۔ وہ خفیہ پیغامات میں عام الفاظ کی جگہ ہندسے، اشکال یا اُلٹے حروف تہجی استعمال کرتے ہیں جو دیکھنے میں بے معنی تحریر ہوتی ہے اور کسی دوسرے شخص کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں

اس کوڈ کو با آسانی توڑا (Break) نہیں کیا جا سکتا۔ کوڈ یا سائفر کو توڑنے کیلئے متعلقہ ایجنسیوں کے پاس باقاعدہ "Key" ہوتی ہیں۔ کوڈ کو پڑھنے یا توڑنے کے عمل کو جاسوسی اصطلاح میں decryption or de-ciphering کہتے ہیں۔ یہ عمل جدید دور میں کمپیوٹرز سے کیا جاتا ہے۔

Interception or Code-breaking

جیسا کہ سائفرز خفیہ پیغامات کو پیچیدہ اور پُر اسرار بناتا ہے اگر یہ چیز دشمن کے ہاتھ لگتی ہے تو وہ اسے پڑھنے کیلئے پہلے اس کی متعلقہ "Key" دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے کام کیلئے انٹیلی جنس ایجنسیاں ایسے اشخاص کو بھرتی کرتے ہیں جنہیں کوڈ بریکر یا Cryptanalyst کہتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں برطانوی سیکرٹ سروس نے جرمنی کے پکڑے گئے خفیہ پیغامات کو توڑنے کیلئے پانچ ہزار کوڈ بریکر بھرتی کیئے تھے۔ جو روزانہ دو ہزار کوڈلیز کا عقدہ کھولتے تھے۔

1941ء میں امریکی سائفر ایکسپرٹس نے جاپان کے ایک خفیہ پیغام کا کوڈ فاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جس میں یک امریکی بحری اڈے پر حملے کا ذکر تھا مگر ڈاؤے کا نام اور حملے کی صحیح تاریخ اور وقت معلوم نہ کر سکے پھر جاپانیوں نے سات دسمبر کو پرل ہاربر (ہوائی جزیرے) پر اچانک حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا تھا جس میں 2300 امریکی ہلاک ہوئے اور یوں امریکہ کو مجبوراً دوم جنگ عظیم میں شامل ہونا پڑا۔ کوڈ بریکنگ Code breaking کے فن میں ہربرٹ او سبورن (1889-1958) کا نام اول جنگ عظیم میں بے حد مشہور ہوا۔ اس نے جنگ عظیم اول میں امریکیوں کیلئے کام کیا۔ غیر ملکی انٹیلی جنس مواد پڑھنے کیلئے اس نے یو ایس آرمی میں ایک شعبہ Black Chamber کے نام سے قائم کیا۔

Double agents & Defectors

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ یک جاسوس بظاہر اپنے ملک سے فرار (defect) ہو کر دشمن ملک میں سیاسی پناہ لے لیتا ہے۔ اور پھر اُنہی کیلئے اپنے ملک کے خلاف جاسوسی کرنے لگتا ہے درحقیقت وہ ڈبل ایجنٹ ہوتا ہے وہ میزبان ملک کے راز با آسانی چوری کر کے اپنے ملک بھیجتا رہتا ہے۔ لیکن یسا بھی ہوتا ہے کہ یسے افراد پر میزبان ملک اعتبار نہیں کرتے، اُسے جھوٹ موٹ کے راز اور انفارمیشن دیکر رخلایہ جاتا ہے وہ اپنے ملک کی انٹیلی جنس سروس کو یہ جعلی معلومات دیکر کنفیوژ کرتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کو جو دشمن ملک میں پناہ لیتا ہے انگریزی اصطلاح میں defector کہتے ہیں۔ ایک قدیم چینی سپہ سالار سن زو (sun tzu) نے چوتھی صدی عیسوی میں اپنی کتاب فنِ حرب (The Art of war) میں سب

سے پہلے ڈبل ایجنٹ کے متعلق لکھا۔ اُسنے اس قسم کے جاسوس کیلئے doomed spies یعنی تباہ شدہ جاسوس کا لفظ استعمال کیا۔

ہیرولڈ فلبی (Harold Philb) (1912-88) 1930ء کی دہائی میں برطانوی سیکرٹ سروس (mi-6) کا ایجنٹ تھا۔ اس نے تیس سال اس ادارے میں جاسوسی کے مختلف آپریشن اور سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ اپنے کیریئر کے دوران اس کا روسی جاسوسی ادارے کے۔ جی۔ بی۔ (KGB) کیساتھ در پردہ روابط قائم ہوئے اور وہ ڈبل ایجنٹ بن گیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ 1970ء میں فرار ہو کر ماسکو پہنچا جہاں اسے سیاسی پناہ مل گئی۔ روسیوں نے اس برطانوی جاسوس کا والہانہ استقبال کیا۔ اسے پینشن اور رہنے کیلئے عالی شان بنگلہ دیا گیا۔ اس کے علاوہ اسے اعلیٰ ترین روسی اعزاز (order of the red Banner) بھی عطا کیا گیا اس واقعے سے اٹھارہ سال قبل برطانوی بادشاہ جارج پنجم نے اُسے آڈر آف دی برٹش ایمپائر عطا کیا تھا۔ اولیگ گورڈیوسکی لندن میں کے جی بی کا سٹیشن چیف تھا۔ وہ برطانیہ میں روس کیلئے خفیہ سرگرمیوں میں ملوث رہا تھا لیکن 1966ء کے بعد وہ برطانوی سیکرٹ سروس کیلئے بھی اپنے ہی ملک کے خلاف جاسوسی کرنے لگا تھا۔ وہ سوویت سسٹم سے سخت بیزار ہو چکا تھا۔

1985ء میں اُس نے اچانک سیاسی پناہ کیلئے برطانوی حکام سے رجوع کیا کیونکہ وہ کے۔ جی۔ بی کے دیگر کارندوں کی نظر میں آ گیا تھا جو اُس کی نگرانی کر رہے تھے۔ اُس نے بعد میں کے جی بی کے متعلق اپنی یاداشتوں پر مبنی ایک کتاب شائع کی۔ آرکیڈی شیوچنکو اقوامِ متحدہ میں روسی مشن کی طرف سے بطور انڈر سیکرٹری جنرل کام کر رہا تھا۔ اسی دوران میں سی آئی اے کیساتھ اس کا رابطہ ہوا اور کچھ عرصہ بعد 1984ء میں ایک روز اس نے روسی مشن سے نکل کر نیویارک میں سی آئی اے کے ایک آفس میں پناہ لے لی۔

یہ شخص روسی تاریخ میں سب سے اعلیٰ ترین عہدیدار تھا جس نے فرار ہونے کا فیصلہ کیا تھا ورنہ چھوٹے موٹے سرکاری اہل کار تو اکثر مغرب فرار ہوتے رہتے تھے۔ آرکیڈی نے بھی امریکہ سے اپنی کتاب شائع کی (breaking with moscow) جس نے لاکھوں ڈالر کا بزنس کیا۔

خفیہ ہتھیار Secret Weapons

جاسوسی اداروں کا ماضی ہمیشہ خونی رہا ہے۔ زمانہ جنگ میں جاسوس اپنی خفیہ سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں لیکن امن کے وقت بھی یہ لوگ فارغ نہیں بیٹھتے، یہ لوگ اپنے ملک کے مخالفین کی قتل و غارت گری کرتے رہتے ہیں۔ خاص کر سرد جنگ کے خاتمے کے بعد وارسا پیکٹ اور نیٹو کے ملک ایک دوسرے کے اہم سیاسی لیڈروں کو خفیہ ہتھیاروں سے قتل کرنے لگے۔

مثلاً امریکی سی آئی اے نے کیوبا کے صدر فیدرل کاسترو پر دو بار ناکام قاتلانہ حملے کرائے۔ ایک بار انہوں نے کسی طرح اس کے مخصوص سگار میں خطرناک بیکٹیریا تخلیق کرا دیے تھے۔ دوسری مرتبہ جب وہ سمندر میں تیراکی کر رہا تھا تو ربڑ کے ایک ٹیوب میں طاقتور بم نصب کر کے اس کی طرف بہا دیا گیا جو اس کیساتھ ٹکراتے ٹکراتے رہ گیا تھا ورنہ اس کے پرخچے اُڑ جاتے۔ بلغاریہ کا ایک سیاسی منحرف برطانیہ فرار ہو گیا تھا۔ جارجی مارکوف نے ایک بار بی بی سی سے اپنے ملک کی قیادت پر سخت تنقید کی تو بلغاریہ کی سیکرٹ سروس نے اُسے ٹھکانے لگا دیا۔

وہ 1978ء میں لندن میں ایک گلی سے گذر رہا تھا کہ اچانک اس نے اپنی گردن میں سخت چبھن محسوس کی۔ اس نے مڑ کر دیکھا کہ ایک

شخص سر پر چھتری کھولے تیزی سے ایک گلی میں غائب ہوگیا۔ مارکوف فوراً ہسپتال پہنچا۔ وہ تین دن سخت بخار میں مبتلا رہنے کے بعد مرگیا۔ اس کے قاتل نے ایک مخصوص قسم کی چھتری کی نوکیلی سائیڈ سے ایک چھرا فائر کیا تھا جو ایک مہلک زہر سے بھرا ہوا تھا۔

کمیونسٹ روس کی خفیہ سروس کے جی بی کے ایجنٹ بعض اوقات اپنے ہدف کو ختم کرنے کیلئے اپنے نارمل سگرٹ کیس میں ایسا سگرٹ رکھتے تھے جسے سلگا کر وہ کچھ دیر پیتے تھے پھر ایک مخصوص وقفے کے بعد سگرٹ کا رخ اس شخص کی طرف کر دیتے تھے سگرٹ کے جلتے ہوئے دھانے سے ایک انتہائی باریک سوئی جس میں سائنائڈ زہر بھرا ہوتا تھا، نکل کر اپنے ٹارگٹ کے بدن میں پیوست ہو جاتی تھی جس سے وہ عن فن میں وہیں ڈھیر ہو جاتا تھا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ کے جی بی کے لیبارٹری میں تیار شدہ اس زہر کو دنیا کی کوئی لیبارٹری مقتول کے جسم سے پوسٹ مارٹم کے دوران برآمد نہیں کر سکتی تھی۔

افسانہ اور جاسوسی (Spies in fiction)

جاسوسی کے پیشے میں سنسنی خیزی کا وہ تمام تر سامان موجود ہوتا ہے جو ایک افسانے، ناول یا فلم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک امریکی مصنف James Fenmore (1789-1851) نے انیسویں صدی میں اس موضوع پر پہلا ناول (the spy) لکھا، لیکن اس قسم کے ناولوں نے انیسویں صدی کے آخری سالوں میں بڑی شہرت حاصل کی۔ دنیا کے چند بہترین مصنف بذات خود جاسوسی کے پیشے سے منسلک رہ چکے ہیں۔ مثلاً مشہور زمانہ فلمی کردار جیمز بانڈ کے خالق Ian fleming دوم جنگ عظیم کے دوران میں برطانوی نیول انٹیلی جنس کیلئے کام کرتا تھا۔ جان لی کیرے (Jhonle Carre) جو متعدد عالمی شہرت یافتہ جاسوسی ناولوں کا مصنف ہے۔ برطانوی جاسوسی اداروں MI-5 اور MI-6 میں ملازمت کر چکا ہے۔ ہالی ووڈ نے ان دونوں مصنفوں کی تحریروں کو کامیاب ترین فلموں میں ڈھال کر عالمی سطح پر پیش کر کے کروڑوں ڈالر کمائے۔ اس کے علاوہ بھی کئی لوگوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھ کر خوب دولت کمائی مثلاً Len Deighton اور Frederick Forsyth کی کتابیں کئی ملین کی تعداد میں چھپ کر پوری دنیا میں بکتی ہیں بلکہ ان کے کئی زبانوں میں ترجمے بھی چھپتے ہیں۔

خوفناک جنگل

دیر مجرم کی بے پناہ پذیرائی کے بعد پیش خدمت ہے ابن صفی کی جاسوسی دنیا سیریز کا دوسرا ناول خوفناک جنگل۔ ایک پر اسرار و خوفناک جنگل جہاں عجیب و غریب واقعات ہوتے تھے اور لاشیں برآمد ہو رہی تھیں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ بھوتوں کی کارگزاری ہے۔ حمید و فریدی کس طرح اس راز سے پردہ اٹھاتے ہیں، معلوم کرنے کے لیے پڑھیے خوفناک جنگل۔

موساد (Mossad)

دنیا کی تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں میں موساد سب سے زیادہ خفیہ اور پُر اسرار ہے۔ موساد دراصل عبرانی زبان کی ایک عبارت کا مخفف ہے جس کا انگریزی میں کچھ یوں ترجمہ ہوتا ہے۔

"The Institute for Intelligence & Special assignmen" اس کی بنیاد 1951ء میں اسرائیل کے وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان نے رکھی تھی۔ کہتے ہیں کہ سی۔ آئی۔ اے ایک ایجنسی ہے اس کے کارندے اسے "The company" کہتے ہیں، برطانوی اپنی سیکرٹ انٹیلی جنس سروس (SIS) کو "the firm" کہتے ہیں جبکہ اسرائیل اپنے خفیہ ادارے کے بارے میں کچھ یوں کہتے ہیں۔

"Mossad is an Institute, academic & Scientific, combined with the firepower back of Special services" موساد کیوں اس قدر خفیہ اور پُر اسرار ہے۔ اس کا سیدھا سادہ جواب یوں ہے کہ اسرائیل چاروں طرف سے عربوں میں گھری ہوئی یک ایسی ناجائز ریاست ہے جسے ہر لمحہ اپنی بقاء کی فکر لاحق ہے۔ اس کے شہری عرب آبادی سے خوف زدہ ہیں۔ یہاں ہمیشہ حالت جنگ کی سی کیفیت طاری رہتی ہے۔ خوف وہراس یہودی قوم کو ورثے میں ملا ہے۔ یہاں ہر فرد بچہ بیس کہ نفسیاتی عارضے یعنی Paranoia سے دوچار ہے۔ ہزاروں سال سے یہودی دھتکارے گئے ہیں۔ دوم جنگ عظیم کے دوران ہٹلر نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو اپنی ڈیتھ فیکٹری کے نذر کیا جو بچ گئے وہ آج اسرائیل میں آباد ہیں۔ اور اپنی نئی نسلوں کو ان ہولناک دنوں کی داستانیں سناتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر یہودی ہمیشہ ڈراؤنے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ نیند سے ہڑ بڑا کر جاگتے ہیں۔ یہ نفسیاتی بیماری حکمران طبقے میں بھی پھیلی ہوئی ہے جس کی بنا پر اُن کی سوچ اور حرکات ہنکل abnormal رہتی ہے۔ اسرائیل مختلف جاسوسی اداروں کے ایک پیچیدہ جال میں لپٹا ہوا ہے۔ اس کے طرز حکومت کو اگر Spyocracy کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔

بہت عرصہ پہلے جرمنی کے ایک یہودی سائنسدان نے پیشن گوئی کی تھی کہ ایک زمانہ آئے گا جب چھوٹی ریاستوں کی دفاعی صلاحیت کا انحصار صرف علم (Knowledge) پر ہوگا۔ آج اسرائیلیوں کیلئے یہ بت تورات سے آیت سے کم نہیں ہے۔ اسرائیل اپنی جدید ترین ائرفورس، نیوی اور آرٹلری سے زیادہ موساد پر بھروسہ کرتا ہے کیونکہ یہ ادارہ اُسے بروقت انتہائی اہم معلومات فراہم کرتا ہے۔ اسرائیل کے اندر اس ادارے میں کام کرنے والے لوگ کبھی اس کا نام زبان پر نہیں لاتے اگر کوئی اُن سے پوچھے بھی تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم وزارت دفاع میں ملازم ہیں۔

ہر سال بجٹ میں ایک خطیر رقم اس کی خفیہ کاروائیوں کیلئے مختص کی جاتی ہے۔ اس کے ڈائریکٹر کا عہدہ آرمی کے جنرل کے مساوی ہوتا ہے۔ اور وہ براہ راست وزیراعظم کو رپورٹ کرتا ہے۔ ملک کے کسی اخبار، جریدے یا دیگر ذرائع ابلاغ میں اس کا نام ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ موساد کا

اپنا ایک موٹو ہے۔"By way of deception thou shalt do war" اسرائیلی مورخ موساد کی اصل بتداء کو ہزاروں سال پیچھے حضرت موسیٰ کے ایک ٹوہے سے جوڑتے ہیں جس کا ذکر تورات میں کچھ یوں درج ہے۔

"And Moses sent them to spyout the Land of canan and see the land what it is the people that dwelth there in, weather they be strong or weak or many" (Numb xiii 17-18)

یوں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہودیوں میں جاسوسی کی روایت انتہائی قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے۔امریکی جریدے "Time" کے مطابق سی آئی اے، برطانوی سیکرٹ سروس اور فرنچ انٹیلی جنس ایجنسی (DGSE) کے بعد دنیا میں اگر کوئی متوثر اور منظم خفیہ ادارہ ہے تو وہ یقیناً موساد ہے۔

اس میں ملازمت کیلئے اسرائیلی شہری از خود درخواست نہیں دے سکتے بلکہ یہ ادارہ خود ہی ملک کی یونیورسٹیوں، کالجوں ودفاعی محکموں سے موزوں افراد کو چن لیتا ہے۔اس کے باقاعدہ ملازم کو عبرانی میں Katsa کہتے ہیں جس کا مطلب کیس آفیسر ہے۔صرف اسرائیلی یہودی Katsa بن سکتا ہے۔

ایک اندازے کے مطابق یہ افسر تعداد میں محض 35 (پینتیس) ہیں۔یہ لوگ اپنی خفیہ سرگرمیوں کیلئے دنیا کے مختلف ملکوں میں ایجنٹ بھرتی کرتے ہیں۔ہر کٹسا صرف بیس ایجنٹوں کو کنٹرول کرتا ہے، پھر ہر ایجنٹ آگے سب ایجنٹ Sub-agent رکھتا ہے۔اس طرح ہزاروں سب ایجنٹ دن رات موساد کیلئے سرگرم رہتے ہیں۔کٹسا کی ماہانہ تنخواہ ملک کے مروجہ سرکاری سکیل کے مطابق ہوتی ہے۔انہیں خطرناک مہم کے دوران اضافی الاؤنس بھی دیا جاتا ہے۔ایک ایجنٹ کو اوسطاً تین ہزار امریکی ڈالر ماہانہ تنخواہ اور تقریباً اتنا ہی بونس دیا جاتا ہے۔بعض تو اس سے بھی کئی گنا زیادہ کما لیتے ہیں۔اس کا انحصار اُس کی فراہم کردہ انٹیلی جنس رپورٹ کی کوالٹی پر ہوتا ہے۔مثلاً امریکی نیوی انٹیلی جنس کا ایک یہودی اہل کار جوناتھن پولارڈ ماہانہ 2500 ڈالر لیکر کافی عرصہ موساد کیلئے جاسوسی کرتا رہا۔اس نے اسرائیل کو سی آئی اے کی چند حساس فائلیں فراہم کی تھی۔یہ فائلیں پاکستان، تیونس، لیبیا، ترکی اور سعودی عرب کے ائرڈیفنس سسٹم کے بارے میں تھی۔اس کے علاوہ اُس نے امریکہ کے جدید ہتھیاروں کی ٹیکنالوجی کے بارے میں بھی انتہائی قیمتی راز چوری کر کے اسرائیل کے حوالے کیے۔

وہ بالآخر ایک دن امریکی محکمہ سراغ رسانی FBI کے ہتھے چڑھ گیا۔اُس پر ایک عدالت میں جاسوسی کے الزام میں مقدمہ شروع ہو تو موساد نے اِس کے اخراجات کے لئے درپردہ دولاکھ ڈالر فراہم کئے۔لیکن وہ پھر بھی سزا سے بچ نہ سکا۔وہ اب ایک امریکی جیل میں عمر قید کاٹ رہا ہے۔جوناتھن کی فراہم کردہ معلومات کے بل بوتے پر اسرائیلی ائرفورس کے لڑاکا طیاروں نے ستمبر 1985ء میں بحیرہ روم کو عبور کر کے تیونس میں پی ایل او کے ہیڈکوارٹر کو تباہ کر دیا تھا۔اس حملے میں پی ایل او کے ساٹھ اہم عہدیدار ہلاک اور زخمی ہوئے۔صرف ایجنٹوں کی ماہانہ تنخواہ پر موساد پندرہ ملین ڈالر خرچ کرتی ہے۔اس کے علاوہ ایجنٹوں کیلئے محفوظ پناہ گاہوں اور گاڑیوں پر بھی لاکھوں ڈالر لگتے ہیں۔ایک کٹسا اپنے ایجنٹوں کو ٹریننگ

پیٹ کھلانے کیلئے یومیہ یک ہزار ڈالر خرچ کرسکتا ہے۔

یوں موساد اپنے تمام کیس کے اخراجات کیلئے یومیہ 35 ہزار ڈالر فراہم کر رہا ہے۔ بیرون ملک ایجنٹوں کی تعداد یک اندازے کے مطابق 35 ہزار کے لگ بھگ ہے جن میں پندرہ ہزار Sleepers ہیں وہ سگنل ملتے ہی حرکت میں آتے ہیں۔ ایجنٹ دو طرح کے ہوتے ہیں، بلیک ایجنٹ عرب باشندے کو جبکہ وائٹ ایجنٹ کسی بھی غیر عرب کو کہتے ہیں۔ بلیک ایجنٹوں میں کچھ وارننگ ایجنٹ ہوتے ہیں جو عرب ملکوں میں رہتے ہیں۔ اور اسرائیل کو وقتاً فوقتاً متعلقہ ملک کی جنگی تیاریوں کے بارے میں خبر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر شام کے کسی ہسپتال میں کوئی ڈاکٹر، نرس، ڈسپنسر وغیرہ ہسپتال کی فارمیسی میں دواؤں اور مرہم پٹیوں کی سپلائی میں اچانک تیزی نوٹ کرتا ہے، یا نیول بیس (Naval Base) میں کام کرنے والا کوئی شخص جنگی جہازوں کی نقل و حرکت میں غیر معمولی سرگرمی محسوس کرتا ہے تو اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ ملک جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ یہ اہم اطلاع اُسی روز تل ابیب میں موصول ہو جاتی ہے۔

اسرائیل سے باہر عرب، یورپ، امریکہ اور افریقہ میں آباد یہودی اکثر موساد کیلئے رضا کارانہ طور پر کام کرتے ہیں۔ ایسے یہودی رضا کا ر کو موساد کی زبان میں "Sayan" کہتے ہیں۔ یہ لوگ اگر چہ اسرائیلی شہریت کے حامل نہیں ہوتے مگر موساد اُن تک رسائی کیلئے اسرائیل میں آباد اُن کے رشتہ داروں سے مدد لیتا ہے۔ انہیں قائل کیا جاتا ہے کہ وہ یہودی نسل کی بقا کیلئے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ افراد مذہبی فریضہ کے طور پر موساد کی مدد کرتے ہیں۔

یوں دنیا میں ایسے ہزاروں رضا کار سرگرم عمل ہیں۔ صرف لندن میں دو ہزار یہودی رضا کار ہیں جبکہ پانچ ہزار لسٹ پر ہیں انہیں کسی بھی لمحے بلایا جا سکتا ہے۔ وہ موساد کے کسی آپریشن میں مختلف طریقوں سے مدد کرتے ہیں۔ مثلاً ایک یہودی جو کرائے کی کاروں اور گاڑیوں کی ایجنسی چلا رہا ہے وہ موساد کے کسی ایجنٹ کو بوقت ضرورت کار فراہم کر سکتا ہے۔ اور کار دیتے وقت فارم بھرنے کی زحمت نہیں دیتا۔ مکانوں کا کاروبار کرنے والا سیان (Sayan) محفوظ پناہ گاہ فراہم کرتا ہے۔ بینک میں کام کرنے والا آپ کو کسی بھی وقت سرمایہ فراہم کرسکتا ہے۔

یہودی رضا کار ڈاکٹر زخمی ایجنٹ کا علاج کرتا ہے، پولیس کو اس کی خبر تک نہیں ہونے دیتا۔ اس کے علاوہ اگر دوران آپریشن اسرائیلی ایجنٹ کو ضرورت پیش آئی کہ وہ الیکٹرانک سٹور کا مالک نظر آئے۔ اسی بزنس میں کسی رضا کار کو محض فون کردے گا تھوڑی ہی دیر میں وہ پچاس ٹی وی، دو سو وی۔سی۔آر وغیرہ اُس کی بلڈنگ میں پہنچا دے گا۔ اور یوں اُس کے پاس تین سے چار ملین ڈالر مالیت کا سٹاک جمع ہو جائے گا۔ یورپ میں موساد کی سرگرمیاں اکثر زیادہ ہوتی ہیں۔ موساد کے ایجنٹ جو تاجروں کے روپ میں کام کر رہے ہوتے ہیں، وہ امریکہ میں پتا ایڈریس یا فون نمبر ظاہر کرتے ہیں۔ یہ پتے اور فون نمبر دراصل یہودی رضا کاروں کے ہوتے ہیں۔ اگر پولیس چیکنگ کیلئے کبھی ان پتوں پر رجوع کرے تو انہیں پتہ ہوتا ہے کہ اُنہیں کیا کرنا ہے۔ یہودی رضا کاروں کو استعمال کرنے میں اکثر مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ متعلقہ ملک میں کسی بھی وقت گرفتار ہو سکتے ہیں۔ موساد اس کی پرواہ نہیں کرتی۔ کیونکہ اُس کا موقف ہے کہ ان یہودیوں کو اگر کوئی مشکلات پیش آتی ہیں تو وہ اسرائیل منتقل ہو سکتے ہیں۔ ویسے بھی اسرائیلی آئین میں Law of Return کی شق موجود ہے۔ جس کے مطابق دنیا میں آباد تمام یہودی خاندانوں کو کھلم کھلا اجازت ہے

کہ وہ جب چاہیں آبادکاری کیلئے اسرائیل آسکتے ہیں۔

موساد کے کیڈٹس کی ابتدائی تربیت کا دورانیہ ایک سال ہوتا ہے جس میں اُسے جاسوسی کے بنیادی کورس کرائے جاتے ہیں۔ کوڈز (Codes) ہینڈ گن کا استعمال، سیلف ڈیفنس اور کسی کی نگرانی (Surveillance) کرنا۔ غیر ملکی زبانوں کا جاننا لازمی ہوتا ہے، خصوصاً عربی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ کیڈٹس میں انہیں سختی سے بتایا جاتا ہے کہ وہ باہر جا کر موساد کا نام ہرگز نہیں استعمال کریں گے۔ وہ پوچھنے والوں کو صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وہ وزارت دفاع میں کام کرتے ہیں۔ ملٹری ٹریننگ کے دوران انہیں ائرفورس اور نیوی کے جدید ترین ہتیاروں (ٹینک، میزائل، راکٹ وغیرہ) کے متعلق تفصیلی کورس کرایا جاتا ہے۔ اردگرد کے عرب ملکوں کی سیاسی، سماجی، اقتصادی اور مذہبی حالات سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ دوران تربیت یا بعد میں اگر کوئی شخص اچانک فیصلہ کرلے کہ وہ مزید کام کرنا نہیں چاہتا تو موساد اُسے زبردستی نہیں روکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیزاری کے عالم میں یک جاسوس عموماً بے پردہ ہو جاتا ہے یا وہ دشمن کے ہاتھ لگ کر ڈبل ایجنٹ بن جاتا ہے۔

بیرون ملک اسرائیلی سفارت خانوں میں موساد کے سٹیشن ہوتے ہیں جس میں کتسا (Katsa) بطور سٹیشن چیف کام کرتے ہیں۔ ان کا کام یہودی رضا کاروں (Sayan) اور ایجنٹوں کو کنٹرول کرنا ہوتا ہے۔ کتسا عموماً سفارت کار کے روپ میں ہوتے ہیں۔ اس حیثیت میں انہیں سفارتی مدافعت (diplomatic Immunity) حاصل ہوتی ہے لہٰذا جاسوسی کے الزام میں گرفتاری سے مبرا ہوتے ہیں۔ ٹارگٹ ملکوں (عرب ممالک) میں موساد کے سٹیشن نہیں ہوتے۔ لیکن اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اسرائیل اپنی سرحدوں سے باہر پوری دنیا کو اپنا ٹارگٹ سمجھتی ہے، جس میں یورپ اور امریکہ بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ سب کو پتہ ہے اکثر عرب ملک جنگی ہتھیار خود نہیں بناسکتے، ان کے ہاں اکثر ہائی لیول ملٹری کالج اور ادارے بھی نہیں ہیں۔ اگر آپ کسی شامی سفارت کار کو اپنا آلہ کار بنانا چاہتے ہیں تو اس کیلئے آپ کو دمشق جانے کی ضرورت نہیں ہے، ،سے آپ پیرس میں باآسانی خرید سکتے ہیں۔

اگر آپ کو کسی عرب ملک کے میزائل سسٹم کے بارے میں معلومات درکار ہیں تو آپ کو پیرس، لندن یا امریکہ رجوع کرنا چاہیے جہاں یہ تیار ہوتے ہیں سعودی ڈیفنس سسٹم کے متعلق آپ کو سعودیوں سے اتنی معلومات نہیں ملے گی جتنی آپ کو امریکیوں سے دستیاب ہوگی۔ سعودیوں کے پاس کیا ہے؟ ایواکس (Awacs)۔ یہ بوئنگ کمپنی نے بنائے ہیں اور بوئنگ امریکی فرم ہے۔ لہٰذا موساد کو عربوں کے متعلق معلومات اکٹھی کرنے میں دقت پیش نہیں آتی۔ اگر انہیں عرب فوج کے کسی سینئیر افسر کو ریکروٹ کرنا ہو تو یہ بھی کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یہ افسر اکثر انگلینڈ یا امریکہ میں ٹریننگ کیلئے آتے رہتے ہیں۔ اُن کے پائیلٹ فرانس، برطانیہ اور امریکہ میں تربیت حاصل کرتے ہیں۔ ان کی ساری دار مشینری مغرب سے درآمد شدہ ہوتی ہے۔

Organization of the Mossad

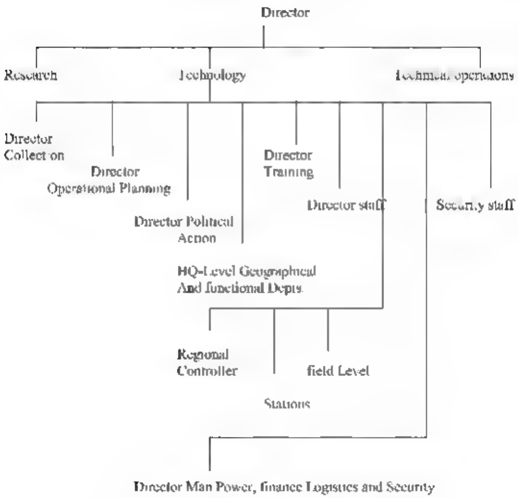

تل ابیب میں موساد کے ہیڈکوارٹر میں ایک شعبہ جعل سازی کا ہے جہاں مختلف ملکوں کے آئی۔ ڈی کارڈ، کریڈٹ کارڈ کرنسی نوٹ، ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔ موساد کی تیار کردہ سب سے اہم دستاویز پاسپورٹ ہے۔ اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں، ٹاپ، سیکنڈ، فیلڈ آپریشن اور تھرو اوے (throw away)۔

تھرو اوے پاسپورٹ اکثر چرائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان پاسپورٹوں میں تصاویر تبدیل کرنے کے بعد انہیں اپنے جاسوسوں کے حوالے کر دیے جاتے ہیں۔ فیلڈ آپریشن پاسپورٹ بیرون ملک میں کام کے دوران استعمال ہوتے ہیں اسے سرحد عبور کرنے کیلئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ سیکنڈ کوالٹی پاسپورٹ کسی فرضی سٹوری کی مناسبت سے بنائے جاتے ہیں ٹاپ کوالٹی والے پاسپورٹ اس قدر محنت سے تیار ہوتے ہیں کہ اسے رکھنے والا کسی بھی سانی بیرون ملک امیگریشن والوں کے سامنے پورے اعتماد کیساتھ پیش کر سکتا ہے۔ پاسپورٹ ایک خاص قسم کے سپیشل کاغذ سے بنائے جاتے ہیں۔ کینیڈین گورنمنٹ، مثال کے طور پر، کبھی وہ کاغذ فروخت نہیں کرے گی جس سے وہ اپنے پاسپورٹ بناتی ہے۔ لیکن ایک جعلی پاسپورٹ غلط کاغذ سے بھی نہیں بنایا جا سکتا۔ اسی لئے موساد کی اکیڈمی میں ایک چھوٹی سی فیکٹری اور کیمیکل لیبارٹری ہے جہاں مختلف قسم کے پاسپورٹوں کے کاغذ تیار ہوتے ہیں۔ کیسٹ اوریجنل پاسپورٹ کے کاغذ کا باقاعدہ کیمیائی تجزیہ کر کے اس کا فارمولا دریافت کرتے ہیں پھر ہو بہو یہی کاغذ بنا کر پاسپورٹ بناتے ہیں۔

ایک بڑے سٹوریج روم میں یہ کاغذ ایک مخصوص درجہ حرارت میں رکھے جاتے ہیں۔ موساد یورپ، کینیڈا اور عرب ملکوں کے پاسپورٹ بڑی مہارت سے پیدا کر کے اپنے اہلکاروں کو استعمال کیلئے مہیا کرتا ہے۔ اسرائیل آنے والے مہاجروں سے اکثر پاسپورٹ اس بہانے لے لئے جاتے ہیں کہ بیرون ملک یہودیوں کو اسرائیل لانے کیلئے اسے استعمال کرنا ہیں۔ موساد کے پاس پاسپورٹ کی مہروں اور دستخطوں کا بھی ایک خاصا ذخیرہ ہے، جس کی مدد سے وہ اپنے تیار کردہ پاسپورٹوں پر مہریں لگاتے ہیں۔ اسی فیکٹری میں دوسرے ملکوں کی جعلی کرنسی بھی تیار ہوتی ہے۔ کرنسی کے ڈھیر متعلقہ ملک میں پھیلا کر، افراط زر پیدا کیا جاتا ہے۔

موساد کے مین کمپیوٹر میں روزانہ خفیہ معلومات اور اعداد و شمار فیڈ ہوتے رہتے ہیں۔ ساٹھ سے لیکر 65 فیصد اطلاعات مروجہ ذرائع ابلاغ۔ ریڈیو، ٹی۔ وی، اخبارات وغیرہ سے حاصل کی جاتی ہیں، 25 فیصد خلائی سیاروں، ٹیلیکس، ٹیلیفون اور ریڈیو کمیونیکیشن سے، پانچ سے لیکر 10 فیصد دوست ممالک کی سیکرٹ ایجنسیوں سے، جبکہ صرف 2 سے 4 فیصد معلومات ہیومن انٹیلی جنس (Human Intelligence) یعنی ایجنٹوں کے ذریعے اکٹھی ہوتی ہیں اور یہی تھوڑی سی مقدار انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ موساد کے اس کمپیوٹر میں پندرہ لاکھ افراد کے نام مکمل کوائف کے ساتھ محفوظ ہیں۔

ایک مرتبہ اسی کمپیوٹر پر پیرس سے ایک ایجنٹ نے، جو وہاں شامی سفارت خانے میں اسسٹنٹ اتاشی تھا، اطلاع دی کہ شامی ائیر فورس کا سربراہ (جو ہیڈ آف انٹیلی جنس بھی تھا) اپنے دفتر کیلئے کچھ فرنیچر خریدنے یورپ آنے والا ہے۔ اسی دن موساد نے کمپیوٹر سے یورپ میں فرنیچر کا کاروبار کرنے والے یہودی رضا کاروں کے نام اور پتے معلوم کئے۔ کچھ دنوں بعد شامی جنرل اپنے سٹاف کے ہمراہ برسلز پہنچا۔ اس نے ایک

فائیو سٹار ہوٹل میں قیام کیا موساد کے مقامی ایجنٹ کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی۔ اُس نے ہوٹل معلوم کر لیا تھا، اور ساتھ دوسرے روز جنرل کی مصروفیات کا بھی پتہ چلا لیا تھا۔

اگلے دن جنرل اپنے اے۔ ڈی۔ سی کے ہمراہ شہر کے مہنگے ترین فرنیچر سٹورز کے دورے پر نکلا۔ اُنہوں نے بہت سارا فرنیچر دیکھا اور سب کی قیمتیں معلوم کیں۔ لیکن وہ کچھ خریدے بغیر ہی واپس اپنے ہوٹل چلے گئے۔ موساد کو پیرس میں شامی سفارت خانے میں کام کرنے والے اپنے آدمی سے پتہ چلا کہ جنرل دوسرے دن پیرس جا رہا ہے مگر اے ڈی سی اُس کے ہمراہ نہیں جا رہا ہے۔ دراصل اُسے فرنیچر کی خریداری کیلئے برسلز ہی میں رہنا پڑا۔

دوسری صبح اے۔ ڈی۔ سی ہوٹل سے فرنیچر سٹور کیلئے روانہ ہوا تو موساد کا ایجنٹ سائے کی طرح اُس کے پیچھے روانہ ہوا۔ وہ ایک فیشن ایبل سٹور پہنچا۔ وہاں اُس نے مختلف چیزیں دیکھیں پھر سیلز مین کیساتھ قیمتوں پر بڑی جوڑ توڑ کی۔ فرنیچر خاصہ مہنگا تھا۔ اے۔ ڈی۔ سی بڑے تذبذب میں تھا۔ اسرائیلی ایجنٹ تاڑ میں تھا اُس نے سوچا یہی بہترین موقع ہے کہ اُس سے براہ راست بات کی جائے۔ وہ فوراً سٹور میں داخل ہوا وہ بظاہر فرنیچر دیکھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک یہودی رضا کار سٹور میں وارد ہوا۔ وہ ایجنٹ کو دیکھتے ہی بلند آواز میں کہنے لگا میں آپ کا بے حد شکر گذار ہوں آپ نے میرے لئے بے حد عمدہ اور سستا فرنیچر خرید کر دیا ہے اور ہزاروں ڈالر کی بچت بھی کرائی ہے۔ ایجنٹ نے کہا کوئی بات نہیں یہ تو میرا فرض تھا۔ تھوڑی دیر بات چیت کے بعد وہ شخص چلا گیا تو شامی اہل کار نے ایجنٹ کی طرف غور سے دیکھا۔

کیا آپ فرنیچر خریدنا چاہتے ہیں؟ اسرائیلی نے سوال داغا۔ جی ہاں۔ ایجنٹ نے فوراً ایک بروشر اُس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ اس میں سے جو فرنیچر آپ کو پسند ہو مجھے بتائیے میں فوراً اس کا انتظام کرتا ہوں۔ کیا آپ اسی سٹور میں کام کرتے ہیں؟ نہیں، میں کمیشن پر کام کرتا ہوں۔ میں اپنے گاہکوں کیلئے مختلف سٹور سے ڈسکاؤنٹ پر مال خریدتا ہوں۔ ڈلیوری بھی میں خود ہی کرواتا ہوں۔ ویسے آپ فرنیچر کہاں لے جائیں گے؟ میں شام لے جانا چاہتا ہوں

آپ بے فکر رہیں جی میں سارا مال سمندری جہاز سے بھیج دوں گا۔ ٹوٹ پھوٹ کا میں ذمہ دار ہوں۔ میں آپ کو اچھے خاصے ڈسکاؤنٹ پر آپ کا مطلوبہ فرنیچر دلوا دوں گا۔ یہ سُن کر شامی افسر کے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس ڈیل میں اپنی جیب کیلئے بھی کچھ بچایا جائے۔ تین گھنٹوں کے اندر اندر اسرائیلی ایجنٹ نے برسلز کے ایک اور مشہور سٹور سے مطلوبہ فرنیچر خریدا۔ اس کی اصل قیمت ایک لاکھ اسی ہزار ڈالر تھی، شپنگ کے اخراجات الگ تھے۔ لیکن شامی افسر کو ایک لاکھ پچاس ہزار ادا کرنے کو کہا گیا۔ اس سودے میں اُسے 75 ہزار ڈالر مفت میں مل گئے۔ اُس نے دمشق کی بندرگاہ پر فرنیچر بھجوانے کیلئے اُسے ضروری ہدایات دیں اور اس سودے کو خفیہ رکھنے کیلئے اُس نے اپنا فرضی نام بتایا۔ ایجنٹ نے وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی بذریعہ بحری جہاز یہ سامان دمشق روانہ کر دے گا۔ شامی افسر اُسی دن واپس وطن روانہ ہو گیا۔

اس کے دو دن بعد اسرائیلی ایجنٹ نے اُس فرنیچر میں سے ایک خوبصورت لمبی میز تل ابیب روانہ کر دی۔ وہاں موساد کے ریڈیو ایکسپرٹ نے چند دن کی محنت سے اُس میز میں خفیہ خانے بنا کر اُس میں پچاس ہزار ڈالر مالیت کا ایک طاقتور ٹرانسمیٹر

(Listening & broad-casting equipment) نصب کر دیا۔ اس سسٹم کو چلانے کیلئے اُس کے ساتھ ایسی بیٹری (Battery) جوڑ دی جو مسلسل چار سال چلنے والی تھی۔

اُنہوں نے یہ آلات اس قدر مہارت سے نصب کئے تھے کہ جب تک میز کو دو ٹکڑے نہ کیا جائے، اس کے دریافت ہونے کا کوئی چانس نہیں تھا۔ وہ میز دوبارہ برسٹز بھیجا گیا، جہاں سے اُسے دوسرے فرنیچر کے ہمراہ ایک کار گوشپ کے ذریعے شام برآمد کر دیا گیا۔ وہ میز سی جنرل کے آفس میں رکھا گیا۔ موساد نے کئی دن تک اُس میز سے نشر ہونے والی اہم باتیں سُنی۔ لیکن بدقسمتی سے دمشق میں مقیم روسی کے۔جی۔بی (KGB) کے ماہرین نے جنرل کے آفس سے ریلے ہونے والی ان نشریات کو اپنے جدید ترین آلات کی مدد سے پکڑ لیا۔ اُنہوں نے شامی سیکرٹ سروس کو اس کی اطلاع دی، جس پر انہوں نے اس آفس کی تلاشی کی تو اس میز میں پوشیدہ ٹرانسمیٹر برآمد ہوا۔

سری لنکا فراڈ

موساد کا ایک شعبہ ایسا بھی ہے جو جاسوسی کے بجائے اسرائیل کیلئے بیرون ملک بزنس کی نئی راہیں کھولتا ہے۔ اس کے اہل کار افریقہ، مشرق وسطی اور مشرق بعید کے ممالک میں سرگرم ہیں۔ یہ لوگ اسرائیلی مصنوعات جس میں جنگی ہتھیار بھی شامل ہیں کیلئے خفیہ طور مارکیٹ بناتے ہیں۔ اسرائیل اپنے جنگی ہتیاروں کی فروخت سے لاکھوں ڈالر کماتا ہے۔ موساد کے ایجنٹ ایسے ملکوں کی تلاش میں ہوتے ہیں جنہیں فوری طور پر ارزاں نرخوں پر اسلحہ کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ متعلقہ ملک کی انتظامیہ سے خفیہ روابط قائم کر کے انہیں اسلحہ فروخت کیا جاتا ہے۔ سری لنکا میں بھی اُنہوں نے اسی طرح کا ایک فراڈ کھیلا۔

سری لنکا جس نے 1948ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کی تھی ایک طویل عرصے سے خانہ جنگی کا شکار ہے۔ یہاں کی آبادی میں 74 فیصد لوگ بدھ مذہب کے پیروکار ہیں جنہیں سنہالی کہتے ہیں اور 20 فیصد تامل بولنے والے ہندو ہیں جو زیادہ تر ملک کے شمالی حصے میں آباد ہیں۔ 1983ء میں تامل ٹائیگرز (تامل باغیوں کا مسلح گروپ) نے حکومت کے خلاف مسلح بغاوت شروع کی۔ تامل اپنے لئے علیحدہ ملک بنانے کیلئے لڑ رہے ہیں جسے وہ تامل ایلام (Eelam) کہتے ہیں۔ موساد نے یہاں زبردست کاروبار شروع کیا۔ موساد نے تامل ٹائیگرز کے کارکنوں کو اسرائیل میں کمانڈو ٹریننگ کیلئے بلایا۔ انہیں سرنگیں بچھانے، بحری جہازوں کو تباہ کرنے کے طریقے سکھائے گئے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ انہی دنوں میں جب تل ابیب کے ایک ملٹری سٹیشن میں تامل ٹائیگرز کو تربیت دی جارہی تھی، سری لنکا کی حکومت نے اپنی فوج کے سنہالی بولنے والے فوجیوں کو گوریلا تربیت کیلئے اسرائیل بھیجا اسرائیل نے سری لنکا کو بحری گشت کیلئے کچھ جدید ترین جنگی کشتیاں فراہم کیں اور دوسری طرف تامل ٹائیگرز کو ان کشتیوں کو نشانہ بنانے کیلئے میزائل فراہم کیئے۔ یوں اس ڈبل کراس میں لاکھوں ڈالر کمالیئے۔ اسرائیل نے سری لنکا کو جو بھاری ہتھیار اور کشتیاں فروخت کی تھی اس کی قیمت ادا کرنے کیلئے سری لنکا کے پاس پیسے نہیں تھے۔ موساد نے اس کا حل ایسے فراڈ سے نکالا کہ دنیا حیران رہ گئی۔ سری لنکا گورنمنٹ اپنے کاشتکاروں کے مسائل سے سخت پریشان تھی، کیونکہ جزیرے کے ایک وسیع و عریض علاقے میں پانی کی قلت کی وجہ سے زمینیں بنجر پڑی تھیں۔

موساد کے ایکسپرٹ نے ایک عظیم آبی منصوبے کی تجویز پیش کی، جسے "Mahaweli Project" کا نام دیا گیا۔ اس کے تحت دریائے مہاویلی کو اپنی قدرتی گذرگاہ سے ہٹا کر غیر آباد اور بنجر زمینوں کی طرف موڑ نا تھا۔ دعویٰ یہ کیا گیا کہ اس منصوبے سے ملک کی ہائیڈرو الیکٹرک پاور دُگنی ہو جائے گی اور ساڑھے سات لاکھ ایکڑ بنجر زمین سیراب ہوگی۔ پراجیکٹ پر بالآخر کام شروع ہوا، ورلڈ بینک کے ساتھ سویڈن کینیڈا، جاپان، جرمنی، امریکہ، ور یورپین یکانامک کمیونٹی نے اس میں وسیع سرمایہ کاری شروع کی۔

یہ ڈھائی ارب ڈالر کا منصوبہ تھا موساد نے یروشلم یونیورسٹی کے ایک ماہر اقتصادیات اور ایک زرعی پروفیسر سے اس منصوبے کے متعلق مقالے لکھوائے۔ ایک اسرائیلی تعمیراتی فرم کو بھی اس میں ایک بڑا ٹھیکہ دلوایا گیا۔ یوں اسرائیل اپنا اسلحہ بیچتا رہا اور سری لنکا ورلڈ بینک کے فراہم کردہ قرضے سے اس کی قیمت چکا تا رہا۔

آپریشن ٹروجن (Operation Trojan)

ٹروجن ایک سپیشل نشریاتی آلہ (Communication device) تھا جو دشمن ملکوں میں خفیہ طور نصب کیا جاتا تھا۔ اس آلے کے ذریعے موساد کا ڈس انفارمیشن یونٹ متعلقہ ملک میں افواہیں پھیلاتا تھا۔ اسے اسرائیلی نیوی کے کمانڈوز پلانٹ کرتے تھے۔ 1986ء میں سترہ فروری کی ایک سرد رات کو اسرائیل کی دو میزائل بردار کشتیاں (the SAAR-4 class) Harpoon اور Gabriel میزائلوں سے لیس تھیں، ان میں ایک ہیلی کاپٹر کے اترنے کا بھی انتظام تھا، بظاہر بحرِ روم میں معمول کے گشت پر آبنائے مسینی کی طرف بڑھ رہی تھیں، یہ علاقہ لیبیا کی سمندری حدود سے ذرا باہر تھا۔ اُدھر طرابلس کے شمال میں دو اور اسرائیلی جنگی جہاز (War-ships) جو لیبیا کے ریڈار سسٹم میں واضح محسوس کیے جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی رفتار سست کرتے ہوئے چار نات فی گھنٹہ کر دی تھی تا کہ بارہ افراد پر مشتمل نیول کمانڈوز کی ایک ٹیم کو ایک سپیڈ بوٹ میں اتارا جائے۔

اس سپیڈ بوٹ کو "Bird" کا خفیہ نام دیا گیا تھا۔ ایک آبدوز (کوڈ نام "Pig") بھی سمندر کی سطح پر نمودار ہوئی اور تھوڑی دیر بعد پانی میں غائب ہوگئی۔ "Bird" پر 7.62 mm کیلیبر کی مشین گن کے علاوہ وافر مقدار میں ٹینک شکن میزائل بھی نصب تھے۔ لیبیائی ساحل سے دو میل دور کھلے سمندر میں طرابلس شہر کی روشنیاں جھلملاتی نظر آ رہی تھیں۔ آٹھ کمانڈوز سپیڈ بوٹ سے پگ نامی ایک آبدوز میں منتقل ہوئے۔ وہ ساحل کی طرف زیرِ سمندر روانہ ہوئے، جبکہ سپیڈ بوٹ سمندر کے ایک مقررہ مقام پر لنگر انداز ہوگئی، اُسے ایمرجنسی میں حالات کا مقابلہ کرنا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ ساحل پر پہنچ گئے۔ دو آدمیوں نے ایک گہرے سبز رنگ کا ایک سلینڈر نما آلہ جو چھ فٹ لمبا اور سات انچ چوڑا تھا، اٹھا کر ریتیلے ساحل پر چلنا شروع کیا۔

ایک گہرے رنگ کی وین سمندر کے قریب ایک سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ یہ سڑک ایک لمبی شاہراہ کے ساتھ جڑی ہوئی تھی جو طرابلس اور بن غازی جاتی تھی۔ سڑک پر شب کے اس پہر بمشکل ہی کوئی ٹریفک نظر آ رہی تھی۔ وین کا ڈرائیور بظاہر پنکچر ٹائر تبدیل کر رہا تھا۔ جب اسرائیلی کمانڈوز اس کے قریب پہنچے تو وہ بغیر کچھ بولے خاموشی کے ساتھ کام چھوڑ کر اٹھا، اس نے وین کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ یہ شخص خود بھی موساد کا کمانڈو

تھا۔ وین میں چار آدمی اُس آ ے (Trojan) سمیت بیٹھ کر طرابلس روانہ ہو گئے جبکہ باقی چار کمانڈوز سمندر کے کنارے پر چلے گئے جہاں قریب ہی پانی میں اُن کی آب دوز کھڑی تھی۔ انہوں نے دفاعی پوزیشن اختیار کی۔ عین اسی لمحے اسرائیلی ائرفورس کے لڑاکا طیاروں کا ایک سکوڈرن جزیرہ کریٹے (Crete) کے جنوب میں فضاء میں نمودار ہوا۔ چند منٹ قبل ان جہازوں کو ایک تیل بردار جہاز نے فضاء ہی میں دوبارہ ایندھن فراہم کیا تھا۔ ان کا کام کمانڈوز پر کسی بھی ممکنہ لیبیائی حملے کو ناکام بنانا تھا۔ وین طرابلس میں الجمہوریہ سٹریٹ میں واقع ایک پانچ منزلہ عمارت کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ یہ عمارت کرنل قذافی کی رہائش گاہ باب العزیزیہ کے بالکل قریب تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں وین میں بیٹھے اسرائیلی عام لباس پہن چکے تھے۔ دو افراد وین کے اندر ہی بیٹھے رہے جبکہ باقی دو وہ آلہ (Trojan) لیکر عمارت کی پانچویں منزل پہنچ گئے۔ آلہ ایک کارپٹ میں لپٹا ہوا تھا۔ انہوں نے مکان کے ایک کمرے میں آ ے کھول کر ایک میز پر رکھ دیا، پھر ایک چھوٹا سا ڈش نما اینٹینا (Antena) کھڑکی کے پاس فکس کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے یونٹ کو چالو کر دیا۔ موساد کے ایک مقامی ایجنٹ نے یہ مکان چھ مہینوں کیلئے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ اُس نے تمام کرایہ ایڈوانس میں ہی ادا کر دیا تھا۔ مکان میں صرف موساد کا وہی شخص داخل ہو سکتا تھا جس نے ٹروجن نصب کیا تھا۔ کیونکہ موساد نے اُس کمرے کے لاک سسٹم اور ٹروجن میں ایسا کنکشن لگایا تھا جو ایک مخصوص کوڈ کے زیر اثر تھا اگر اُن کے علاوہ کوئی شخص اس کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرتا تو ٹروجن ایک زوردار دھماکے سے پھٹ کر عمارت کی پانچویں منزل بھی ساتھ اڑا دیتا۔

آلہ نصب کرنے کے بعد وہ چاروں آدمی دوبارہ اپنی وین میں سوار ہو کر ساحل سمندر پر اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ وین کا ڈرائیور واپس شہر چلا گیا۔ اگلے چند مہینوں تک اُس نے ٹروجن کی نگرانی کرنا تھی۔ کمانڈوز وقت ضائع کئے بغیر کشتیوں میں سوار ہو کر کھلے سمندر کی طرف روانہ ہوئے جہاں ایک مقررہ مقام پر میزائل بوٹس اُن کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ مارچ کے آخر میں ٹروجن سے نشر ہونے والے خفیہ پیغامات برطانیہ میں قائم امریکی سی۔ آئی۔ اے سٹیشن با آسانی پکڑ رہا تھا۔ موساد ٹروجن کو عین اُس وقت activate کرتا جب فضاء میں دیگر نشریات کی بھرمار ہوتی تھی۔ ٹروجن کی براڈکاسٹ دراصل پری ریکارڈڈ (Pre-recorded) ٹرانسمیشن تھی جو بحیرہ روم میں گشت کرتے ہوئے ایک اسرائیلی نیول شپ سے نشر ہو رہی تھی۔ Digital Transmission صرف ٹروجن ہی وصول کرتا اور ایک دوسری فریکوئنسی پر فضاء میں بکھیر دیتا تھا۔ یہ دہشت گردی کے جعلی پیغامات تھے جو بظاہر لیبیا کی سیکرٹ سروس دنیا کے مختلف ملکوں میں اپنے سفارت خانوں کو بھیج رہی تھی۔ اس دھوکے سے موساد امریکی اور برطانوی سیکرٹ سروس کو باور کرانا چاہتی تھی کہ لیبیا دہشت گردی کیلئے مختلف یورپی ملکوں کو ٹارگٹ بنانے والا ہے۔ یہ پیغامات لیبیائی عربی لب و لہجے میں ہوتے تھے۔

مگر فرنچ اور ہسپانوی خفیہ اداروں نے ان ریڈیائی پیغامات کو بوگس قرار دیتے ہوئے کہا کہ لیبیا جو گذشتہ کئی سالوں سے انتہائی محتاط پالیسی اپنائے ہوئے تھا اچانک کیسے اس قسم کی حرکت کر سکتا ہے جس سے اُس کی سالمیت بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ انہوں نے ایک دلیل یہ بھی پیش کی کہ اگر لیبیا کی سیکرٹ سروس اپنے سفارت خانوں کو واقعی دہشت گردی کے احکامات دے رہی تھی اور سی۔ آئی۔ اے ان ریڈیائی نشریات کو پکڑ رہی تھی تو پھر مغربی برلن میں پانچ اپریل 1986 کو La Belle discotheque میں ہونے والے بم بلاسٹ کی خبر انہیں کیوں نہیں

ٹی۔اس دھماکے میں ایک امریکی ہلاک اور کئی زخمی ہوئے تھے۔اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ یورپ میں ہونے والے متعدد دہشت گردی کے واقعات میں موساد کا ہاتھ تھا۔موساد امریکیوں کو اُکسا رہی تھی کہ اب تو اُن کے پاس واضح ثبوت ہے کہ لیبیا دہشت گردی میں ملوث ہے،البٰذا ان پر حملہ کیا جائے۔آپریشن ٹروجن موساد کی کامیاب ترین کاروائی تھی۔اسی کے بل بوتے پر انہوں نے رونالڈ ریگن سے لیبیا پر ہوائی حملہ کروایا۔فرانس کی حکومت موساد کے دھوکے میں نہیں آئی،انہوں نے امریکی بمبار طیاروں کو اپنی فضائی حدود سے گذر کر لیبیا پر حملہ کرنے کی اجازت تک نہیں دی۔

چودہ اپریل 1986ء ایک سو ساٹھ امریکی جنگی طیاروں نے لیبیا پر ساٹھ ٹن کے قریب بم گرائے۔حملہ آوروں نے طرابلس،انٹرنیشنل ائر پورٹ،قذافی کی رہائش گاہ،باب العزیزیہ،سیدی بلال نیول بیس،بن غازی شہر اور بن غازی کے باہر ایک ائرفیلڈ کو نشانہ بنایا۔سٹرائک فورس دو حصوں پر مشتمل تھی،ایک برطانیہ سے پرواز کر کے آئی تھی جبکہ دوسری بحیرہ روم میں امریکی بیڑے سے۔اس حملے میں F-III, EF-III & A-6 لڑاکا طیاروں نے حصہ لیا۔اس سے لیبیا میں چالیس کے قریب افراد ہلاک اور زخمی ہوئے جس میں قذافی کی منہ بولی شیر خوار بیٹی بھی تھی۔جبکہ دو امریکی پائلٹ بھی ہلاک ہوئے۔

Blue pipeline

یہ اصطلاح موساد نے سرائیلی ہتھیاروں کی ایک خفیہ سودے کیلئے استعمال کی جو ایران کے ساتھ طے ہوا تھا۔اسے آپریشن ھینبل (operation Hannibal) بھی کہا گیا۔یہ موساد اور جرمن انٹیلیجنس ایجنسی (BND) کا مشترکہ آپریشن تھا۔ایران چونکہ عراق کیساتھ طویل جنگ میں معروف تھا۔ایرانی ائرفورس کے Phantom ، F-4 لڑاکا طیاروں کیلئے فاضل پرزوں کی سخت ضرورت تھی اور سرائیل کے پاس فروخت کیلئے یہ پرزے وافر مقدار میں پڑے ہوئے تھے۔اسرائیل ویسے بھی چاہتا تھا کہ یہ جنگ ہمیشہ جاری رہے اور وہ اپنے ہتھیار اور ٹیکنالوجی کی فروخت سے پیسہ کماتا رہے۔

اسلامی ایران کیلئے ایک مسئلہ تھا کہ وہ براہ راست اسرائیل کیساتھ لین دین سے قاصر تھا۔البٰذا موساد نے جرمن سیکرٹ سروس BND کو اس سلسلے میں ملوث کیا۔اس خفیہ سپلائی میں جیٹ طیاروں کے اہم پرزے(فل سائز جیٹ انجن،الیکٹرانک آلات اور دیگر) شامل تھے۔یہ سامان ایک اسرائیلی بندرگاہ Ashdod سے ایک بحری جہاز میں،مخصوص Containers میں پیک،روانہ کئے جاتے۔یہ جہاز جب طالوی بندرگاہ پہنچتے تو اٹلی کی سیکرٹ سروس (sismi) ضروری کاغذات کی منظوری اور کلیئرنس میں مدد کرتی،اور کرینوں اور containers پر سٹکر لگادیتے کہ اس میں اطالوی زرعی آلات ہیں جو جرمنی برآمد کئے جارہے ہیں۔اُن ٹرکوں پر بھی جن پر یہ سامان لادا جاتا سٹکر لگادیے جاتے کہ اطالوی پراڈکس ہیں۔مذکورہ سامان ان ٹرکوں میں اٹلی سے جرمنی کے شہر ہیمبرگ پہنچایا جاتا جہاں ایک گودام میں انہیں دوسرے ٹرکوں میں لاد دیا جاتا،جس کے ڈرائیور اسرائیلی ہوتے تھے۔یہ لوگ دراصل جرمنی میں سٹوڈنٹ ویزے پر مقیم ہوتے ہیں۔اسرائیلی ایجنسی اُن سے بوقت ضرورت کام لیتی رہتی تھی۔ہیمبرگ سے یہ سامان کچھ دور ایک غیر آباد ہوائی اڈے پہنچتا جہاں ایک ایرانی ایروناٹیکل انجینئر اس کا بغور معائنہ کرتا۔وہ آدھی قیمت وہیں کیش میں ادا کر دیتا تھا باقی رقم سامان ایران پہنچنے پر چکادی جاتی تھی۔

جرمنی سے وہ ٹرک ڈنمارک چلے جاتے جہاں وہ ڈینش (Danish) بحری جہازوں میں سامان، ایران روانہ کر دیتے تھے۔ یہاں بھی موساد کا ڈینش سیکرٹ سروس کیساتھ اس سلسلے میں قریبی رابطہ تھا۔ اس کامیاب آپریشن کے بعد ایرانیوں نے بی۔ این۔ ڈی BND سے درخواست کی کہ ایرانی ہوبازوں کی تربیت کا بھی مناسب انتظام کیا جائے۔ بی۔ این۔ ڈی نے موساد کو ایرانیوں کی اس خواہش سے آگاہ کیا۔ پہلے پہل تو موساد نے فیصلہ کیا کہ ایرانی پائیلٹوں کی ٹریننگ کا انتظام جنوبی امریکہ کے ملک چلی یا کولمبیا میں کیا جائے۔ لیکن اس تجویز کو اس وجہ سے رد کر دیا گیا کہ ان ملکوں میں سی۔ آئی۔ اے کا بڑا اثر و نفوذ تھا۔ جرمنی میں بیمبرگ کے مقام پر ایک متروک ائرفیلڈ میں ان ہوابازوں کی تربیت کا انتظام کیا گیا۔ اس سلسلے میں اسرائیل سے بیس کے قریب پائیلٹ اور ٹیکنیشن بیمبرگ آئے۔ کافی عرصہ سی۔ آئی۔ اے کو اس واقعے کی ہوا تک نہیں لگی۔ اور مزے کی بات یہ تھی کہ ایرانیوں کو بھی احساس نہیں ہوا کہ انہیں اسرائیلی ماہرین نے تربیت فراہم کی تھی۔

شین بتھ (Shinbeth)

یہ اسرائیلی انٹیلی جنس کا دوسرا اہم اور سفاک بازو ہے اسے شاباک (shabak) یا جنرل سیکورٹی سروس بھی کہتے ہیں۔ یہ ادارہ امریکی ایف۔ بی۔ آئی یا برطانوی ادارہ برائے انسداد جاسوسی و دہشت گردی mi-5 کے مساوی ہے۔ بنیادی طور پر تو اس کا کام اندرون ملک سکیورٹی انتظامات اور انسداد جاسوسی و دہشتگردی ہے، لیکن اسرائیلی صدر، وزیراعظم، وزیر دفاع اور وزیر خارجہ کی ذاتی حفاظت، بیرون ملک اسرائیلی سفارت خانوں قونصل خانوں اور ٹریڈ مشن دفاتر کی حفاظت بھی اس کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ شین بتھ اسرائیل کی قومی ائر لائن ELAL اور شپنگ کمپنی zim کو بھی تحفظ فراہم کرتی ہے۔

شین بتھ اسرائیل میں مقیم تمام غیر ملکی باشندوں اور بعض اوقات اپنے ہم وطنوں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ وہ مشتبہ افراد کے ٹیلیفون ٹیپ کرتی ہے، اُن کی ڈاک کھولتی ہے اور اُن کی غیر موجودگی میں اُن کی رہائش گاہوں کی تلاشی لیتی ہے۔ اس کے علاوہ مقبوضہ عرب علاقوں میں فلسطینی نوجوانوں پر کڑی نگاہ رکھتی ہے۔ اس کی سرگرمیوں کا دائرہ کبھی کبھار دوست ممالک کے سفارتخانوں کی طرف بھی بڑھ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ یروشلم میں امریکی کونصیلیٹ میں ملازم ایک شخص کو انہوں نے ایک لڑکی کے ذریعے جاسوسی پر ورغلایا مگر جلد ہی یہ راز فاش ہو گیا اور وہ شخص سی آئی اے کے ہاتھ لگ گیا۔

مشن امن

مشن امن صائمہ الٰہی کے بچوں کے لیے لکھے گئے ڈراموں کا مجموعہ ہے، جو زیادہ تر بچوں کے مقبول ماہانہ ڈائجسٹ **نٹ کھٹ** میں چھپے ہیں۔ ڈراموں کا یہ مجموعہ کتاب گھر کے بچوں کے ادب **(بزم اطفال)** سیکشن میں پڑھا جا سکتا ہے۔

Organization of the Shinbeth

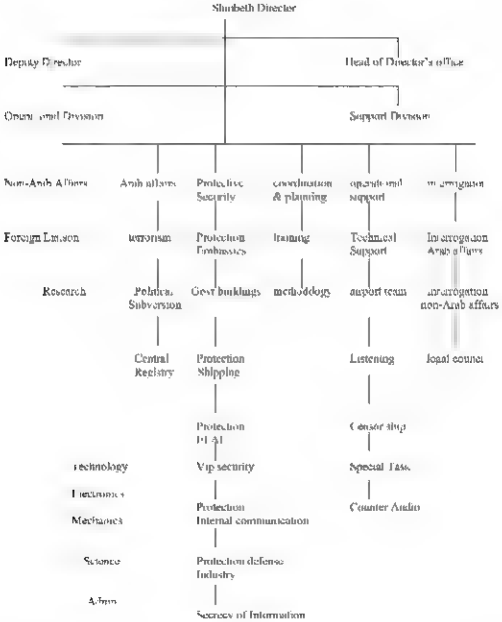

شین بتھ غیر ملکی سفارت کاروں، صحافیوں اور تاجروں کے بارے میں خفیہ معلومات اکٹھی کرنے کیلئے اپنے خاص مخبروں کو استعمال کرتی ہے۔ جن میں اکثر ٹیکسی ڈرائیور، بار مین، ویٹرز اور ہوٹل سٹاف شامل ہوتے ہیں۔ مشکوک فلسطینی نوجوانوں کو گرفتار کر کے زیر زمین خفیہ جیلوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ جہاں پوچھ گچھ کے دوران شین بتھ ان پر اس قدر تشدد کرتی ہے کہ بعض اوقات اس دوران میں ان کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ قیدی کو بو بے کی ٹوپی سر پر پہنا کر اس میں بجلی کی رو چھوڑی جاتی ہے جس سے وہ ایک کربناک اذیت میں مبتلا ہو کر چیخنے لگتا ہے۔ اس قسم کے تشدد کی مثال مہذب دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ اسرائیلی سپریم کورٹ کا اس بارے میں جو مئوقف ہے وہ بھی عدل و انصاف کا بھونڈا مذاق ہے۔'

"Because of crucial interest of state security the activity of the security services in th war against terrorism occurs in "twilight zone" which is out side the realm of the la and therefore these services must be freed from the bonds of the law and must permitted deviations therefrom"

شین بتھ کا کام پولیس سے مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ پولیس ایک شخص پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کے متعلق ٹھوس شواہد اکٹھی کرتی ہے اور پھر اس کو قانون کے حوالے کرتی ہے۔ جبکہ شین بتھ کو صرف جاسوسی اطلاعات کی ضرورت ہوتی ہے باقی کام وہ اس شخص سے پوچھ گچھ کے دوران خود پورا کر لیتی ہے۔ شین بتھ اسرائیل کی قومی ائر لائن ELAL کی حفاظت انتہائی سخت انداز میں کرتی ہے۔ اس ائر لائن پر سفر کرنے والے تمام مسافروں کی ڈیپارچر لاؤنج میں مکمل چیکنگ کی جاتی ہے۔ جو کم از کم دو گھنٹے جاری رہتی ہے۔ ان پر سوالات کی جرح کی جاتی ہے جو کچھ اس قسم کی ہوتی ہے یہ سامان آپ کا ہے؟ کیا آپ نے اسے خود پیک کیا ہے؟ کیا پیک شدہ سامان آپ نے کسی بھی وقت اکیلا چھوڑا ہے؟ آپ کسی کا دیا ہوا کوئی پیکٹ، خط یا گفٹ تو ساتھ نہیں لے جا رہے؟...... اگر سوالات کے جواب بالکل تسلی بخش ہوں تو سکیورٹی آفیسر ایک مرتبہ پھر مسافر کے چہرے اور پاسپورٹ پر نگاہ دوڑا کر بالآخر ایک دستخط شدہ رنگین سٹکر اس کے سامان پر چپکا کر اسے کلیئر قرار دیتا ہے۔ یہ مخصوص سٹکر ہر روز تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ملک کے تمام ہوائی اڈوں کے ٹرمینل ایریا میں شین بتھ کے کمانڈوز سیاہ چشمے پہنے اور عام لباس میں ملبوس منڈلاتے رہتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں 9 mm Beretta پستول پر ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ انکے کانوں میں communictaion device بھی لگے ہوتے ہیں۔ اور وہ ہر آنے اور جانے والے مسافر کو بغور دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ رن وے پر کھڑے طیاروں کے اردگرد بھی مسلح کمانڈوز مشین گن کی ٹریگرز پر انگلی رکھے چوکس کھڑے ہوتے ہیں۔ طیاروں کی لینڈنگ یا ٹیک آف ان کی کلیئرنس کے بعد ہی ممکن ہوتی ہے۔ دنیا کے محفوظ ترین ائر پورٹ مثلاً نیویارک کے جان ایف کینیڈی انٹرنیشنل پر بھی یہ لوگ اپنی قومی ائر لائن کی حفاظت کیلئے بذات خود موجود رہتے ہیں۔ سکیورٹی کے سلسلے میں انسانی ذہانت اور قابلیت پر انحصار کی روایت ELAL نے سب سے پہلے شروع کی، بعد میں کئی دوسری ائر لائنوں نے بھی اسے اپنایا۔ حالانکہ اس جدید دور میں کروڑوں ڈالر مالیت کے نت نئے سکیورٹی آلات اور مشینیں موجود ہیں مگر یہ آلات ایک خاص حد کے بعد مئوثر نہیں رہتے ہیں، مثلاً ایک metal detector بتا سکتا ہے کہ اس مسافر کے پاس پستول یا ریوالور ہے، ایکس۔رے مشین ایک سفری بیگ یا

سوٹ کیس میں چھپے گرینیڈ یا گن کو دیکھ سکتی ہے۔ ایک اور جدید آلہ ہے جو Plastic explosive کی مخصوص بو سونگھ لیتی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود یہ سائنسی آلات انسانی رویوں اور نفسیات کو نہیں بھانپ سکتے۔ جبکہ ایک تربیت یافتہ فرد ایک شخص کے چہرے کو محض دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ وہ خطرے سے خالی نہیں ہے۔ وہ یک لمحے کے انٹرویو سے ہی ایک مسافر کو مشکوک قرار دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

جہاز کی سروس کرنے والا عملہ بھی اتنا ہی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے جتنا ایک مسافر جو اپنے بیگ میں گرینیڈ لئے طیارے میں بیٹھا ہو۔ لہٰذا صفائی کرنے اور خوراک بہم پہنچانے والے تمام افراد ELAL کے کسی بھی طیارے کے قریب جانے سے پہلے مشین تھرو کے تحت جامہ تلاشی کے مرحلے سے گذرتے ہیں۔ اسرائیل کے تمام کمرشل طیاروں کے اندر سیکیورٹی سسٹم اور بھی سخت ہو جاتا ہے۔ ELAL ان حفاظتی اقدامات کا عموماً کسی سے ذکر نہیں کرتا مگر کچھ غیر ملکی ذرائع سے پتہ چلا ہے۔ کہ اس ائرلائن کا دفاعی نظام انتہائی جدید اور پیچیدہ ہے۔ طیارے کی باڈی ایک مظبوط اور اعلیٰ کوالٹی کے فولاد سے بنی ہوتی ہے۔ جو دوران پرواز بم دھماکہ یا زمین سے فائر کئے گئے راکٹ وغیرہ کو برداشت کر سکتی ہے۔ (یاد رکھا جاتا ہے کہ 1972ء میں اسرئیلی ائرلائن جو روم سے تل ابیب کیلئے محو پرواز تھی، پر پی ایل او کے کمانڈوز نے یک میزائل داغا تھا۔ مگر طیارہ صاف بچ نکلا تھا۔ اس کی وجہ یہی فولادی ساخت تھی) اس طیارے میں (Electronic infrared deflector) سسٹم بھی نصب ہوتا ہے جو اپنی طرف داغے گئے سام (sam) میزائلوں کا رُخ موڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جہاز کے تمام سیکشنوں میں مسافروں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کیلئے خفیہ کلوز سرکٹ کیمرے نصب ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مختلف نشستوں پر سیکیورٹی گارڈ یا سکائی مارشل عام مسافروں کے بھیس میں ہر لمحہ چوکس بیٹھے ہوتے ہیں۔ ٹائم میگزین کے مطابق بظاہر عام مسافر نظر آنے والے ان افراد کے پاس اُن کے سفری تھیلوں میں uzi سب مشین گنیں ہوتی ہیں۔

اسرائیلی ائرلائن کے اس حد سے زیادہ سیکیورٹی سیٹ اپ کا مغربی ملکوں میں کافی مذاق بھی اڑایا جاتا ہے۔ وہ ELAL کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "Every Landing Always Late" لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ 1968ء میں الجیریا جانے والا اسرئیلی طیارہ جسے فلسطینی فدائین نے ہائی جیک کر لیا تھا اس کے بعد آج تک اُن کا کوئی طیارہ کامیابی کیساتھ اغوا نہیں ہو سکا ہے۔

■

چٹانوں میں فائر

اردو جاسوسی ادب کے بانی، ابن صفی کی عمران سیریز سلسلے کا دوسرا ناول۔ اس ناول میں عمران ابھی سیکرٹ سروس کا ممبر نہیں بنا اور فری لانسر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے اور اسے ایک ڈرگ لارڈ کو بے نقاب کرتا ہے جو گزشتہ کئی سو سال سے زندہ ہے۔ ابن صفی کے جادوئی قلم کا کرشمہ۔ طنز و مزاح، حیرت اور تجسس سے بھرپور یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے ناول سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ملٹری انٹیلی جنس

AMMAN

اسرائیلی جاسوسی نظام میں موساد کے بعد ایک دوسرا انتہائی فعال ادارہ ملٹری انٹیلیجنس کا ہے جسکا نام امن Amman ہے۔ ان دونوں اداروں کا شروع سے ہی سے آپس میں پیشہ ورانہ رقابت کا سلسلہ جاری ہے۔ اکثر کسی آپریشن کی ناکامی کی صورت میں دونوں ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً 1973 میں جب مصر نے شام کیساتھ ملکر اچانک اسرائیل پر حملہ کیا، جس میں سرائیلی فوج ورعسکری تنصیبات کو زبردست نقصان پہنچا تھا اور اگر امریکہ مداخلت نہ کرتا تو اسرائیل ذلت آمیز شکست کیلئے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔ اس جنگ کے بعد موساد نے بڑی شدت سے ملٹری انٹیلیجنس پر نکتہ چینی کی کہ وہ اس حملے کی پیشگی اطلاعات کا صحیح تجزیہ کرنے میں ناکام رہی ہے۔

لیکن ماضی میں اس ادارے نے چند ایسے کامیاب آپریشن کیے ہیں جو اس کی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے کافی ہیں مثلاً 1967 کی چھ روزہ جنگ کے دوران میں اس کے ایجنٹوں نے مصری ہوائی اڈوں کے متعلق اس قدر بیش قیمت انفارمیشن بروقت فراہم کی تھیں کہ جب پانچ جون کو صبح پونے آٹھ بجے اسرائیلی طیارے مصری فضائی حدود میں داخل ہوئے تو محض چند گھنٹوں میں ہی انہوں نے صحرا سینائی میں واقع تو مصری ہوائی اڈوں کو ناکارہ بنا دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ 50 10 پر اسرائیلی ائر فورس نے اپنے جنرل سٹاف کو اطلاع دے دی تھی کہ انہوں نے مصر کے مگ -21 سکواڈرن کا مکمل صفایا کر دیا ہے۔

اس ادارے نے اردگرد کے تمام عرب ممالک کے تقریباً تمام اعلیٰ فوجی افسروں اور جرنیلوں کے متعلق تفصیلی فائلیں بنا رکھی ہیں۔ یہ معلومات اس نے مختلف ذرائع سے حاصل کیں ہیں جس میں زیادہ تر جنگی قیدیوں سے پوچھ گچھ کے دوران اکٹھی کی گئی ہیں وہ اخبارات اور ملٹری گزٹس سے بھی یہ اہم معلومات اخذ کرتا رہتا ہے۔ مشرق وسطی میں امن نے ایک زبردست عسکری ریسرچ انسٹیٹیوٹ کا روپ دھار ہے۔ موساد اور امن کے درمیان انٹیلیجنس کا تبادلہ دن رات جاری رہتا ہے۔ یوں موساد کچھ اپنی اور کچھ امن کی فراہم کردہ معلومات جمع کر کے کبھی کبھار اس کا کچھ حصہ امریکہ اور دیگر دوست ممالک کو بھی ضرورت پڑنے پر پاس کر دیتا ہے۔

کسی خاص آپریشن کے آغاز سے قبل امن کو موساد سے باقاعدہ اجازت لینا پڑتی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موساد سرائیل میں سب سے سنیئر سروس ہے۔ لیکن آپریشن کا انتخاب اور پلاننگ یہ ادارہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔

امن واضح طور پر اپنے ملٹری تشخص کا اظہار کرتا ہے۔ اس کا باقاعدہ علیحدہ سبز وسفید پرچم ہے۔ اس کے سربراہ فوجی جنرل ہوتے ہیں۔ اس کے اہل کاروں میں لگ بھگ چھ سو (600) کے قریب فوجی افسر اور دیگر عہدوں پر فائز افراد شامل ہیں۔ یہ لوگ ملک کے ڈیفنس فورسز کے مختلف شعبوں میں بھیس بدل کر کام کرتے ہیں۔ امن کے دو بڑے شعبے ہیں، کلیکشن (collection) اور ریسرچ ڈیپارٹمنٹ، کلیکشن کا شعبہ

جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے عربوں کے متعلق عسکری معلومات جمع کر کے ریسرچ کے شعبہ کو فراہم کرتا ہے، جس میں ہر عرب ملک کیلئے الگ الگ ڈیسک ہیں۔ اطلاعات کی مکمل چھان بین کرنے کے بعد اسے اسرائیلی ڈیفنس فورسسز (I.D.F) کے حوالے کر دیا جاتا ہے، جو اسی کے بل بوتے پر اپنی حکمت عملی ترتیب دیتے ہیں۔

اس کا ایک شعبہ سنسر شپ کا ہے، جہاں ملکی اور غیر ملکی دفاع سے متعلق میڈیا پالیسی کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ حالت جنگ اور امن میں یکساں طور جاری رہتا ہے۔ ایک شعبہ پروڈکشن (Production) کا ہے جو ہر سال جنگی خطرات کا تخمینہ (Annual Risk of war estimate) تیار کرتا ہے۔ اس کا کام ارد گرد کے عرب ملکوں کی فوجی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنی ہوتی ہے۔ ملٹری انٹیلی جنس کے اسی شعبے نے 1973ء میں مصری افواج کے عزائم کا غلط اندازہ لگا کر اپنی فوج کو کافی نقصان پہنچایا تھا۔ خارجی معاملات سے نپٹنے کیلئے امن کا ایک الگ شعبہ ہے جو غیر ملکی فوجی تنظیموں سے رابطے قائم کرتا ہے۔ اسرائیلی سفارت خانوں میں ملٹری اتاشیوں کا تقرر اسی شعبے کی سفارش پر کیا جاتا ہے۔ یہ اتاشی متعلقہ ملک میں جدید ہتھیاروں کی پیداوار یا خریداری کے متعلق خفیہ اطلاعات اس شعبے کو بھیجتے رہتے ہیں۔

ملٹری انٹیلی جنس کو مسلح مدد فراہم کرنے کیلئے انتہائی پیشہ ور کمانڈو کا ایک یونٹ ہے جس کا Sayaret Mat kalt ہے۔ اس دستے میں دوسو کے لگ بھگ افراد شامل ہوتے ہیں، جو ہر لحہ ایکشن کیلئے تیار رہتے ہیں۔ انہیں سخت جسمانی اور ہتھیاروں کی تربیت دی جاتی ہے۔ وہ پیراشوٹ جمپ اور زیر آب تیراکی کے ماہر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات انہیں تربیتی مشن کے دوران دشمن ملکوں میں داخل کرایا جاتا ہے تاکہ وہ حقیقی خطرات میں رہتے ہوئے تجربہ حاصل کریں۔

رازداری (Secrecy) اور سرعت (Speed) اس یونٹ کا موٹو ہے۔ کسی ملازم کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کا اصل نام زبان پر لائے۔ اسے دی یونٹ ہی کہا جاتا ہے۔ سنسر شپ اس کی کارروائیوں کا ذکر میڈیا تک پہنچنے نہیں دیتا۔ 1968ء میں اس کے کمانڈوز نے ایک ہیلی کاپٹر حملے میں مصر میں دریائے نیل پر واقع ایک پل اور ایک پاور سٹیشن کو تباہ کیا تھا۔ اسی سال ایک اور حملے میں انہوں نے بیروت انٹرنیشنل ائرپورٹ پر کھڑے مڈل ایسٹ ائرلائن کے تیرہ مسافر بردار طیاروں کو بموں سے اڑا دیا تھا۔ غزہ اور غرب اردن کے علاقوں میں فلسطینی احتجاجی جلوسوں پر یہ یونٹ بڑی بے دردی سے فائرنگ کرتی رہتی ہے۔ اسرائیل کے کسی اغوا شدہ طیارے کو چھڑانے کیلئے بھی اسی یونٹ کے جوانوں کو بھیجا جاتا ہے۔ 1976ء میں جب فلسطینی فدائین نے ائر فرانس کا جمبو جیٹ ہائی جیک کر کے یوگنڈا کے اینٹبے ائرپورٹ پر اُتارا تو اس یونٹ کے کمانڈوز نے ایک زبردست آپریشن کے بعد سب فردوں سمیت طیارے کو چھڑا لیا تھا۔ اس کے علاوہ 1988ء میں فلسطینی راہنما ابو جہاد کو تیونس میں یونٹ کے بحری غوطہ خور کمانڈوز نے ہلاک کیا۔ امن کا ایک شعبہ ریڈیو سگنلز سے متعلق ہے جو غیر ملکی ریڈیائی نشریات کو پکڑتا ہے۔

اسرائیل کی سرحدی چوکیوں پر اس مقصد کیلئے حساس آلات نصب ہیں۔ اس کی شام سے ملتی والی سرحد پر کوہ ہرمن پر اسی قسم کے آلات لگے ہوئے ہیں جو دمشق کی سرگوشیاں سنتے رہتے ہیں۔

مگ۔۲۱ کا اغواء

اگست ۱۹۶۶ء میں دنیا بھر کے اخبارات میں ایک عراقی پائلٹ کی سنسنی خیز خبر شائع ہوئی جو اپنے مگ۔۲۱ اڑا کا طیارے کو اڑا کر اسرائیل لے آیا تھا۔ یہ روسی ساخت طیارہ ان دنوں میں دنیا کا جدید ترین حملہ آور طیارہ سمجھا جا رہا تھا۔ کچھ عرصہ تو یہ کہانی اخبارات میں بڑے زور و شور سے شائع ہوتی رہی لیکن آہستہ آہستہ لوگ اسے بالکل بھول ہی گئے۔

لیکن امریکہ، فرانس اور برطانیہ کے فوجی حکام اسے نہیں بھلا سکے تھے۔ وہ اس پُر اسرار طیارے کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے اسرائیل پر بڑا دباؤ ڈال رہے تھے۔ روس بھی اس واقع کو نہیں بھلا سکتا تھا۔ وہ اس اغواء پر سخت برہم تھا۔ یہ حادثہ دراصل اس کے سیکورٹی سسٹم پر کاری ضرب تھی کیونکہ اس کے اعلیٰ فوجی حکام نے یہ طیارے بیرونی ملک فروخت کرنے سے پہلے کریملن کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ان میں سے ہر طیارے کی حفاظت خود کے جے بی (KGB) کے ایجنٹ کریں گے۔

اس کے علاوہ روس کیلئے یہ بڑی فوجی ناکامی بھی تھی۔ روسی ائرفورس کے کئی نڈروں کو خوف تھا کہ اس سے انکی فضائی برتری محض چند دنوں میں ہی غیر مؤثر ہو جائیگی کیونکہ ہر مغربی ملک مگ (mig) کے راز سے واقف ہو جائیگا۔

ماسکو اور یروشلم میں سفارتی سطح پر روس نے اس طیارے کی فوری واپسی کیلئے سخت احتجاج کیا جبکہ اسرائیلی ہائی کمان خوشی سے ناچ رہی تھی کیونکہ انہیں تو یہ پرندہ اچانک مفت میں مل گیا تھا اور اب اسے یوں ہی واپس کرنا ناممکن تھا۔ لیکن روسی غصے میں ذرا کمی لانے کی خاطر انہوں نے بظاہر امریکہ اور مغربی ملکوں کو طیارہ دیکھانے سے انکار کر دیا۔ ادھر بغداد میں یہ سکینڈل اور بھی شدت اختیار کر گیا جب دنیا کو معلوم ہوا کہ منیر روفا پائلٹ جو جہاز اغوا کر کے اسرائیل لے گیا تھا کسی بھی لحاظ سے ناتجربہ کار پائلٹ نہیں تھا۔ جیسا کہ بغداد ریڈیو نے اس کے متعلق نشر کیا تھا بلکہ وہ عراقی ائرفورس کا ذہین ترین ہواباز تھا۔ اور اس عہدے تک پہنچنے سے پہلے وہ سخت گیر روسی اور عراقی سکریننگ ٹیسٹ سے ہو گزرا تھا۔

منیر نے سب سے پہلے امریکی ائرفورس میں تربیت حاصل کی تھی۔ اسکے بعد ایڈوانس جیٹ فلائنگ ٹریننگ کے لئے سے سویت یونین بھیجا گیا تھا تب جا کر سے مگ۔۲۱ اڑانے کی اجازت دی گئی۔

عراقی ائرفورس نے اسے بہترین کارکردگی کی بناء پر سکوارڈن لیڈر کے عہدے پر ترقی دی۔ ایک طرف تو مغربی ملک اس طیارے کو حاصل کرنے کی تگ ودو میں معروف تھے لیکن بغداد میں روسی مشیر اور عراقی فوجی حکام منیر کے فرار کے پیچھے کارفرما عوامل کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔

اسرائیلی ذرائع میڈیا کو جو اطلاعات بتا رہے تھے اسکے مطابق منیر روفا معمول کی تربیتی پرواز کے دوران راستہ بھول گیا تھا۔ اسکے پاس فیول بھی ختم ہو رہا تھا۔ لہٰذا وہ ہنگامی لینڈنگ میں ایک اسرائیلی ائربیس پر اتر گیا لیکن عراقی اور روسی ماہرین نے اس وضاحت کو مضحکہ خیز قرار دیتے ہوئے

کہ کہ طیارے کا اغوا ایک سوچے سمجھے پلاننگ کے تحت ہوا ہے۔ اور موساد کا اسکے پیچھے ہاتھ ہے اور وہ بالکل صحیح کہہ رہے تھے۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں متعارف ہونے والے اس پراسرار طیارے کو حاصل کرنے کی خواہش مغربی ممالک کی طرح اسرائیل کو بھی بڑی شدید تھی۔ ویسے بھی اسرائیل کی شروع سے پالیسی رہی ہے کہ دشمن کے ہاتھ میں جو بھی جدید ٹیکنالوجی ہو اسے ہر قیمت پر حاصل کیا جائے اس پالیسی کو (ECN) Electronic counter measure strategy کہتے ہیں۔ لیکن یہاں مسئلہ یہ تھا کہ آخر کیسے اس قدر سیکورٹی میں گھرے ہوئے طیارہ پر ہاتھ ڈالا جائے۔ مگ۔۲۱ اس زمانے میں دنیا کا بہترین لڑاکا طیارہ تصور کیا جارہا تھا۔ ۱۹۶۱ میں روسیوں نے انتہائی سیکورٹی کی شرائط پر اسے عرب دنیا میں متعارف کرنا شروع کیا۔ میرامیت نے جب موساد کا چارج سنبھالا تو مگ۔۲۱ مصر، عراق اور شام کی ائرفورس میں استعمال ہو رہا تھا۔ ایک امریکی مصنف کے مطابق

Its speed, armaments, its performance capabilities, its instrumentation, its defen equipment, all vital information if the Israilairforce was to be given a chance to counter it, were all unknown qualities.

اسے حاصل کرنے کیلئے مختلف تصوارت پر غور کیا گیا۔ ایک تجویز یہ دی گئی کہ کسی عراقی پائیلٹ کو بھاری رشوت دیکر طیارہ اسرائیل لا یا جائے یا دوران پرواز اسے زبردستی اسرائیل میں اتارا جائے۔

موساد کے مین کمپیوٹر میں عرب دنیا کے جتنے بھی ائرفورسز ہیں انکے ایک ایک ہواباز کا مکمل بائیو ڈیٹا موجود رہتا ہے، وریہ ڈیٹا انہیں امریکہ، فرانس اور برطانیہ سے بآسانی دستیاب ہوتا ہے وجہ اسکی یہ ہے ان عرب ملکوں میں ہوابازی کے لئے جدید سہولیات کا سخت فقدان ہے لہٰذا ان کے پائلٹ ایڈوانس ٹریننگ کیلئے ان ملکوں کا رخ کرتے ہیں۔ موساد ہر پائلٹ کی ایک فائل ترتیب دیتا ہے بحران میں غیر مسلم ہوابازوں کی علیحدہ فہرست بنتی ہے جو اکثر عیسائی یہودی یا عرب ملک کے اقلیتی فرقے کے افراد ہوتے ہیں یہ افراد عموماً بآسانی غیر ملکی ایجنٹ جنس ایجنسیوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں اسی وجہ سے متعلقہ ملک کے خفیہ ادارے ان پر کڑی نگرانی رکھتے ہیں۔

طیارے کے حصول کیلئے اسرائیل نے اس قدر شدت سے ایک جاسوسی پروجیکٹ پر کام شروع کیا کہ سرکاری اور غیر سرکاری پارٹیوں میں اکثر فوجی جرنیل اپنے خفیہ اہلکاروں سے یک ہی سوال پوچھتے تھے بھائی جہاز کہاں ہے؟ لیکن بڑی تگ ودو کے باوجود اسرائیلی انٹیلی جنس طیارے کے قریب بھی نہ پھٹک سکی۔ اس طیارے کی حفاظت کیلئے روسی تو اس قدر پاگل تھے کہ خود کے جی بی کے ایجنٹ ہر وقت اس کے اردگرد منڈلاتے رہتے تھے اس کی تکنیکی دیکھ بھال (maintenance) روسی خود کرتے تھے۔ جہاز کے متعلق کتابچے بھی انہوں نے اپنے قبضے میں رکھے تھے طیارے میں صرف اتنا ایندھن بھرا جاتا جو اندرونی ملک پرواز کیلئے بمشکل کافی ہوتا تھا۔

۱۹۶۴ء کی کرسمس سے ذرا پہلے اچانک پیرس کے اسرائیلی سفارتخانے میں ایک شخص آیا اس نے استقبالیہ کلرک سے کہا کہ وہ ملٹری اتاشی سے ملنا چاہتا ہے اس نے کہا کہ اسکے پاس ملاقات کیلئے پیشگی اجازت نامہ نہیں ہے مگر وہ ایک انتہائی اہم بات کرنا آیا ہے ملٹری اتاشی اس وقت اپنی

سیٹ پر موجود نہیں تھا لہذا ایک سیکنڈ سیکرٹری کو اجنبی شخص کا انٹرویو لینے کو کہا گیا۔ وہ اسے چھوٹے سے کانفرنس روم میں لے گیا وہ آدمی فوراً مطلب کی بات پر آتے ہوئے بولا میں نے پھر کبھی تمہارے ایمبیسی واپس نہیں آنا ہے اور نہ ہی تم لوگ پھر کبھی مجھ سے رابطہ کر سکو گے میں صرف اپنے ایک دوست کا جو عراق میں ہے ایک پیغام دینے آیا ہوں اگر آپ لوگوں کو سگ۔ ۲۱ کی واقعی ضرورت ہے تو بغداد میں جوزف نامی ایک شخص کو فون پر کہہ دیں وہ اسکا بندوبست کر دے گا۔ سکے ساتھ ہی اس اجنبی نے کاغذ کے ایک پرزے پر اس کا ٹیلیفون نمبر لکھ کر اسرائیلی سفارت کار کے حوالے کر دیا۔

یہ سن کر وہ سیکنڈ سیکرٹری پہلے بے حد حیران ہوا پھر اس نے مسکراتے ہوئے مزید معلومات کیلئے پوچھا۔ تو وہ اجنبی فوراً اپنی سیٹ سے اٹھ کر کہنے لگا۔ کہ اسکے علاوہ اسکے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے اور اسکے ساتھ ہی اس نے سفارت کار سے ہاتھ ملایا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس چلا گیا۔ اسرائیلی سفارت حیران و پریشان تھی کیونکہ اس شخص نے نہ تو اپنا نام بتایا نہ کوئی اتہ پتہ چھوڑا۔

نوجوان ڈپلومیٹ نے ایک مختصر رپورٹ لکھ کر نیچے فرسٹ فلور پر واقع موساد کے آفس میں بھیج دی وہاں کسی نے اسکا سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا۔ کیونکہ اکثر لوگ یا تو مذاق میں یا سیکرٹ ایجنٹوں کو ورغلا کر پھنسانے کیلئے ایسا کرتے ہیں لیکن تل ابیب میں موساد کے چیف میرامیت نے اسے ایک اور زاویہ سے دیکھا اس نے حکم دیا کہ مذکورہ نمبر پر بغداد میں ضرور ایک بار رابطہ کیا جائے۔ میرامیت نے ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر اسکی رپورٹ مانگی۔

بغداد میں سرگرم عمل اسرائیلی ایجنٹوں سے یہ کام لینا انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا وہ مذکورہ شخص کو ٹیلیفون کر کے اسرائیل کے جاسوسی نیٹ ورک کو خطرے میں ڈال سکتے تھے۔ موساد ابھی تک اس شخص کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی کہ کہیں وہ عراقی انٹیلی جنس کا مہرہ نہ ہو۔ بہر حال بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ ہوا کہ موساد کی سرحدوں سے باہر کسی ایسی اسرائیلی شخص کو بغداد بھیجا جائے جو تجربہ کار اور ذہین ہو اور اس بات کا موقع پر تجزیہ کر کے رپورٹ بھیجے اور اس ایجنٹ کو اسرائیلی انٹیلی جنس کے متعلق قطعاً علم نہ ہو تاکہ گرفتاری کی صورت میں اس سے کسی قسم کی معلومات نہیں لی جا سکے اسکے علاوہ بغداد میں موساد کے نیٹ ورک سے اسے بے خبر رکھا جائے تاکہ وہ کسی مشکل کے دوران ان سے رابطہ نہ کر سکے یہ مکمل طور پر ون مین (one man) آپریشن تھا۔

موساد کے چیف نے زخود ملٹری انٹیلی جنس کے ایک نوجوان فیلڈ انٹیلی جنس آفیسر یوسف منصور کا انتخاب کیا۔ اس نے بطور پیر ٹروپر تربیت حاصل کی تھی اور روانی کے ساتھ عربی اور انگریزی بول سکتا تھا۔ منصور کو میرامیت کے آفس میں بلایا گیا جہاں اسے موساد کے چیف نے اسے دوٹوک الفاظ میں کہا اس مشن میں موت کا 99% امکان ہے۔ لیکن اسرائیل کو تم سے زیادہ سگ۔ ۲۱ کی ضرورت ہے لہذا تم ابھی بھی سوچ لو ورنہ ایک بار عراق میں سرائیت کرنے کے بعد تمہیں دوبارہ سوچنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ لیکن لیفٹیننٹ منصور نے مشن پر جانے کیلئے رضامندی ظاہر کر دی۔ ٹھیک ایک ماہ بعد منصور ایک جعلی برٹش پاسپورٹ پر جس میں اس کا پیشہ X-ray equipment اسسٹنٹ درج تھا وہ لندن سے ایک پرواز کے ذریعے بغداد پہنچا۔ اس نے ایک عالی شان قدیم ہوٹل میں کمرہ لیا۔

ایک ہفتے تک وہ الیکٹر ک "رات کے کیمپ لیکر مختلف ہسپتالوں اور وزارت صحت کے دفاتر کا چکر لگاتا رہا۔ اسکے ساتھ ہی وہ اپنے آپکو اس ٹیلیفون کال کیلئے ذہنی طور تیار کر رہا تھا جسکے لئے اس نے اتنا لمبا سفر کیا تھا۔

آخر ایک دن ہمت کر کے اس نے وہ نمبر ملا ہی لیا۔ خوف سے اسکی ٹانگیں کانپنے لگی۔ تھوڑی دیر میں کسی نے ٹیلیفون پر ہیلو کہا تو منصور نے کہا میں جوزف سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس شخص نے پوچھا 'تم کون ہو؟' تو منصور نے جواب دیا 'میں جوزف کا دوست ہوں اور برطانیہ سے آیا ہوں' اتنے میں جوزف نے خود ٹیلیفون پر پوچھا 'جی فرمایئے میں ہی جوزف ہوں' منصور سخت خوف کی وجہ سے بھول ہی گیا کہ اسے کیا کہنا چاہئے لیکن دوسری طرف جوزف سمجھ گیا کہ یہ کون ہوسکتا ہے آخر اس نے کہا 'اچھا تم تو وہی ہو جو کچھ دن پہلے میرے ایک دوست کے ساتھ پیرس میں ملے تھے۔ اس پر منصور کی جان میں جان آئی۔ پھر اس نے کہا ہاں بالکل وہی ہوں کیا ہم کسی وقت بغداد کے کسی کیفے میں مل سکتے ہیں؟

اگلے دن منصور ایک معروف ترین کیفے میں جوزف کے انتظار میں بیٹھا تھا ڈر سے اسکا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا اور دل ہی دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ چند لمحوں بعد عراقی سکیورٹی والے اچانک اندر گھس کر اسے گھسیٹ کر لیجائینگے۔ ابھی وہ جاگتی آنکھوں سے ڈراؤنے خواب دیکھ رہا تھا کہ ایک شخص کیفے میں داخل ہوا اور سیدھا چلتا ہوا اسکی میز کے ساتھ لگی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میرا نام جوزف ہے اور تم بھی یقیناً وہی ہو جسکے ساتھ فون پر بات ہوئی تھی۔ اسکا رنگ سانولا اور بال برف کی طرح سفید تھے انہوں نے کان ترکی کافی کا آرڈر دیا۔

پھر جوزف نے بات شروع کی، 'اچھا ہوا تم آ گئے۔ اس جملے سے منصور کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ خطرناک مشن پر نہیں بلکہ کافی پینے آیا ہے۔ پھر منصور نے جھجکتے ہوئے اصل بات شروع کی 'ہم اس چیز کی خریداری میں دلچسپی رکھتے ہیں جس کا تمہارے دوست نے ذکر کیا تھا' تمہارا اشارہ غالباً مگ۔21 کی طرف ہے؟' بوڑھے آدمی نے پوچھا۔ منصور نے گلا صاف کرتے ہوئے بڑی مشکل سے کہا ''ہاں''

اس پر آپ لوگوں کا بہت پیسہ خرچ ہوگا اور وقت بھی لگے گا' جوزف نے کہا لیکن اسکا بندوبست ہوسکتا ہے۔

منصور نے ایک اور سوال داغتے ہوئے کہا میرے دوستوں کو سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ یہ مشکل کام آخر تم کیسے کرو گے؟ اس پر جوزف نے مسکراتے ہوئے کہا کل بتاؤں گا۔ انہوں نے اگلی ملاقات ایک پارک میں کرنے کا پروگرام سیٹ کیا۔

دوسری صبح بغداد کے ایک پارک کے کونے میں لگے بینچ پر دونوں بیٹھ کر پھر اسی موضوع پر بات چیت کرنے لگے۔ جوزف نے اپنے خاندانی پس منظر کے متعلق ایک لمبی داستان سناتے ہوئے کہا۔ میرا تعلق ایک غریب یہودی گھرانے سے تھا۔ محض دس سال کی عمر میں میں نے ایک مالدار میرونائٹ کرسچین فیملی کے ہاں ملازمت شروع کی۔ میں سکول بالکل نہیں جاسکا۔ لہٰذا اب میں لکھنے پڑھنے سے قاصر ہوں۔ میں نے اس خاندان کی خدمت کی اور یوں وہاں اپنے لئے ایک مقام پیدا کیا اس خاندان کا موجودہ سربراہ میرے ہاتھوں میں پلا بڑھا ہے بلکہ اسکی شادی بھی میری مرضی سے ہوئی ہے۔ اسکے جوان بچے ہیں جو مجھے خاندان کا بزرگ سمجھتے ہیں اور بڑی عزت کرتے ہیں وہ مجھ سے ہر مسئلے میں مشورہ لیتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ہے کہ عراقی حکومت نے اس فرقے کے عیسائیوں کو تنگ کرنا شروع کیا ہے۔ ان کے بزنس پر طرح طرح کے بھاری ٹیکس لگا رہے ہیں۔ اکثر بڑے بڑے تاجروں کو جیلوں میں بلا کسی جرم کے ڈال دیا گیا ہے میرے مالکوں پر بھی یہی مصیبت آن پڑی ہے۔ وہ اب کسی طرح اس ملک سے نکلنا چاہتے ہیں۔

البتہ اس کا بڑا بیٹا منیر روفا اسکے خلاف ہے وہ ائیرفورس میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے اور وہ دنیا کا بہترین لڑاکا طیارہ مگ۔21 کا

پائلٹ ہے یہ ڑکا بھی میری بے حد قدر کرتا ہے مجھے یقین ہے اگر میں اسے کہوں تو وہ ضرور اپنا جہاز اڑا کر اسرائیل پہنچا دے گا۔ لیکن وہ اپنے پورے خاندان سمیت سرائیل جانا چاہے گا۔ اور وہاں رہنے کیلئے اسے معقول فنڈز کی ضرورت ہوگی میں بس تم لوگوں سے یہی ضمانت چاہتا ہوں۔

منصور نے کہانی سننے کے بعد پوچھا کہ اس خاندان کو اسرائیل منتقل کیلئے کتنی رقم کی ضرورت ہوگی۔ تو جوزف نے جواب دیا کہ پانچ لاکھ پاؤنڈ سٹرلنگ۔ وہ خود اپنے لئے کچھ بھی نہیں مانگ رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ عراق سے فرار کا بھی نہیں سوچ رہا تھا۔

جوزف نے مزید کہا کہ وہ یہ سب کچھ اسرائیل اور صیہونیت کی بقا، اور اسکے بعد مذکورہ عیسائی خاندان کے احسانات چکانے کیلئے کرنا چاہتا ہے۔ یک ہفتے بعد منصور واپس تل ابیب پہنچ چکا تھا۔ اس نے موساد کے چیف کو رپورٹ دیتے ہوئے کہا کہ جوزف کی آفر بالکل صحیح ہے۔

لیکن موساد کے ہیڈ کوارٹر میں ایک حلقہ اس اپریشن کو انتہائی مہنگا اور خطرناک سمجھ رہا تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ یوسف منصور ایک ناتجربہ کار شخص ہے جو ایک چالاک بوڑھے عراقی کی باتوں میں آ کر موساد کے پورے نیٹ ورک کو بغداد میں تباہی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ اور دوسرے طرف پانچ لاکھ پاؤنڈ بھی یونہی ضائع ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس مخالفت کے باوجود میر امیت نے کہا کہ کم از کم مگ۔ ۲۱ کیلئے وہ یہ رقم گنوانے پر تیار ہے وہ اسرائیل کیلئے یہ جوا کھیلنا چاہتا ہے اس سے پہلے اسرل ہیرل نے ایڈولف ایشمین کے بیونس آئرس سے اغواء پر موساد کا بجٹ تقریباً پورا ہی خرچ کر ڈالا تھا۔ امیت نے اس آپریشن کیلئے فوراً وزیر اعظم سے منظوری لے لی۔

اس کے بعد اس نے ایک زبردست کام یہ کیا کہ عراق میں سرگرم عمل موساد کے پورے جال کو پیٹ یہ۔ کیونکہ کسی بھی ممکنہ حادثے کی صورت میں وہ اپنے خفیہ جاسوسوں کی جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اسرائیل کے یہ سیکرٹ ایجنٹ کئی برسوں سے وہاں کام کر رہے تھے۔ پھر اس نے اس آپریشن کیلئے پانچ گروپ تشکیل دیئے۔ گروپ نمبر ا میں منصور اور اسکے ساتھ ایک ریڈیو آپریٹر تھا۔ منصور کا کام بغداد میں ایکسرے کے آلات فروخت کرنے کیلئے ایک ایجنسی کھولنی تھی جہاں سے اسے جوزف اور اسکی فیملی کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھنا تھا۔

گروپ نمبر ۲ میں چار افراد تھے جنکا کام منصور کی حفاظت تھا یا ایمرجنسی میں انہیں عراق سے نکالنا تھا۔

گروپ نمبر ۳ میں تین آدمی تھے انکے ذمے اس فیملی پر نظر رکھنا تھا کہ وہ بغداد سے کسی اور شہر تو منتقل نہیں ہو رہی یا انکے ہاں عراقی انٹیلی جنس کا آنا جانا تو نہیں ہے۔

گروپ نمبر ۴۔ ملٹری انٹیلی جنس کا تھا۔ جسمیں چھ آدمی شامل تھے۔ انہیں عراقی کردستان بھیجا گیا جہاں انہوں نے کرد باغیوں کی مدد سے فیملی کو اس راستے سے بیرون ملک نکالنا تھا۔

گروپ نمبر ۵۔ یہ ٹیم ایران کے شہر اہواز میں رکھی گئی تاکہ کردستان سے پہنچنے پر فیملی کو سفر کے اگلے مرحلے میں تحفظ فراہم کرے۔

اس کے علاوہ ایک سفارتی وفد ترکی بھیجا گیا تاکہ ان سے اسرائیلی طیاروں کی لینڈنگ اور ریفیولنگ کی اجازت لے سکے۔

اسرائیل کے ترکی کیساتھ شروع سے سفارتی تعلقات تھے لیکن انکے ساتھ جنگی طیاروں کے اترنے کا معاہدہ ابھی نہیں ہو تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ مگ۔ ۲۱ کو ترکی کی فضائی حدود میں داخل کر کے بحیرہ روم پر سے اڑاتے ہوئے اسرائیل لا سکتے تھے پرواز زیادہ تر دشمن ممالک کی فضائی

حدود میں تھی۔ روسی مگ۔ ۲۱ کی ٹینکیوں میں اتنا ایندھن ڈالنے کی اجازت دیتے جو لمبی پرواز کیلئے ناکافی ہوتا تھا۔

اس دوران ادھر بغداد میں جوزف نے اسرائیلیوں کیلئے ایک مسئلہ پیدا کر دیا۔ موساد سمجھ رہی تھی کہ منیر روفا کی فیملی اس کی بیوی اور دو بچوں پر مشتمل ہے اور وہی اس کے ساتھ اسرائیل منتقل ہو گی مگر جوزف نے کہا نہیں اس خاندان میں اس کے ماں باپ، دادا، بھائی بھتیجے اور بھتیجیاں شامل ہیں اور یہ سب کے سب عراق سے نکلنا چاہتے ہیں اتنے بڑے خاندان کو اچانک روانہ کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا مگر میر امیت نے یہ مطالبہ بھی مان لیا۔

موساد کی تیاری ہر لحاظ سے مکمل ہو چکی تھی اب جوزف پر منحصر تھا کہ وہ خاندان کے سربراہ کو اور منیر روفا کو کیسے قائل کرتا ہے۔ اس بات چیت میں بھی مگ جنگ چار ماہ لگ گئے اس نے خاندان کے سربراہ کو تو مکمل راضی کر لیا پھر منیر کی باری آئی تو وہ یہ بات سن کر تھوڑی دیر کیلئے پریشان ہوا وہ حب الوطنی اور ڈیوٹی کے ملے جلے جذبات میں پھنس کر رہ گیا مگر تھوڑی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ صرف اسی طریقے سے وہ اپنا اور پورے خاندان کا مستقبل بچا سکتا ہے اسی دوران میر امیت نے اچانک سی آئی اے اور پینٹاگان کے ساتھ بھی رابطہ کیا کیونکہ امریکیوں کو ان سے زیادہ اس طیارے کی ضرورت تھی۔ وہ ان سے مدد لینا چاہتا تھا۔ وہ فوراً واشنگٹن پہنچا جہاں اس نے سی آئی اے کے ڈائریکٹر سے ملاقات کی اور اسے بتایا کہ مگ ۔۲۱ موساد کی لائن پر ہے صرف سی آئی اے کی تھوڑی سی مدد کی ضرورت ہے امریکی اس انکشاف پر اچھل پڑے۔

بغداد میں امریکی سفارت خانے کے ایک سینئر ڈپلومیٹ نے جوزف کے توسط سے منیر روفا سے ملاقات کی اور اسے بتایا کہ پوری مغربی دنیا کو کمیونزم کے خلاف جنگ میں اس طیارے کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ سفارت کار اگلے دن بغداد سے امریکہ چلا گیا۔

اب منیر روفا اس بات پر مکمل راضی ہو چکا تھا اسے باور کرا دیا گیا تھا کہ وہ محض اسرائیل کیلئے کام نہیں کر رہا ہے بلکہ اشتراکیت کے خلاف برسرپیکار عالمی طاقتوں کی مدد کر رہا ہے۔

آپریشن کے عین اسی مرحلے پر منیر کو اسرائیل آنے کی دعوت دی گئی اور یہ دعوت اسے ایک خوبصورت امریکی خاتون نے دی جو کافی عرصے سے بغداد میں مقیم تھی اور موساد کیلئے کام کر رہی تھی۔ یہ عورت عراق کے ملٹری اور پولیٹیکل سرکل میں اکثر دیکھی جاتی تھی اس کے علاوہ ائر فورس کے کئی ہوابازوں کے ساتھ اسکے قریبی مراسم تھے موساد کے اشارے پر اس نے سکواڈرن لیڈر منیر کے ساتھ بھی تعلق بنا دیا تھا۔

منیر نے کچھ دنوں کیلئے چھٹی لے لی تھی آخر وہ اس عورت کیساتھ پیرس پہنچا جہاں اسے ایک جعلی پاسپورٹ پر اسرائیلی ائر لائن کی ایک پرواز سے اسرائیل روانہ کیا گیا اسے نگیو (Nagev) فوجی اڈے پر وی آئی پی کی حیثیت سے ریسیو کیا گیا۔

اسکے ساتھ ایک بند کمرے میں ملاقات کرنے والوں میں موساد کا چیف میر امیت ائر فورس کا کمانڈر جنرل اور دیگر ایکسپرٹ شامل تھے انہوں نے وقت ضائع کئے بغیر اسے کہا۔ اگر تم مطلوبہ جہاز یہاں پہنچا دو گے تو ہم تمہیں طے شدہ رقم دینگے۔ تمہارے پورے خاندان کی اسرائیل میں آبادکاری اور تحفظ کی ضمانت دینگے۔ اسکے علاوہ تم سب کو یہاں کی شہریت بھی ملے گی۔ اس پر منیر نے کہا میں بالکل تیار ہوں مگر میرے بیوی اور بچوں کو سب سے پہلے وہاں سے نکالنا ہو گا۔ آپ کو پتہ ہے کہ عراق میں لوگوں کو پھانسی پر لٹکایا جاتا ہے اور وہ میرے بیوی بچوں کو پھانسی اور بچوں کو قتل کر دینگے۔ یہ سنتے ہوئے موساد کے افسر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائے "ہمیں پتہ ہے کہ بغداد میں لوگوں کو پھانسی پر چڑھایا جاتا ہے بلکہ

ہمیں ذاتی تجربہ ہے۔

انہوں نے اُسے مکمل یقین دہانی کرائی کہ اُسکے خاندان کو اُسکے فرار سے قبل ہی نکال جائے گا۔ اس کے بعد ائرفورس کے جنرل کے ساتھ اُس کی ایک علیحدہ میٹنگ ہوئی۔ جنرل نے اسے فرار کیلئے ایک نقشے پر ہوائی راستے سمجھائے۔ عراقی اور اُردنی ریڈار سٹیشنوں سے بچنے کیلئے ایک زگ زیگ روٹ کا انتخاب کیا گیا۔

تمہیں معلوم ہے کہ یہ کتنا خطرناک کام ہوگا۔ یہ نو سو کلو میٹر طویل فلائٹ ہوگی۔ اگر تمہارے اپنے ہم کاروں کو پتہ چلا تو وہ تمہارا پیچھا کر کے تمہیں سرحد عبور کرنے سے پہلے ہی گرا دیں گے۔ اگر وہ ناکام ہوئے تو اُردن کی طیارہ شکن توپیں تمہیں نشانہ بنائے گی۔ تمہارے لئے ایک نصیحت یہ ہے کہ اپنے ہوش وحواس قابو میں رکھتے ہوئے اسی فضائی روٹ پر اپنے جہاز کو رکھنا وہ اس راستے کو بالکل نہیں جانتے۔

اگر تم گھبرا گئے تو سمجھ لو کہ مر گئے ایک بار اپنے معمول کے فضائی روٹ سے ہٹنے کے بعد تمہارے پس واپسی کا کوئی چانس نہیں ہوگا۔ منیر نے تحمل سے ساری باتیں سننے کے بعد کہا۔ فکر نہ کریں میں بالکل اسی طرح کروں گا۔ جس طرح آپ چاہتے ہیں۔

منیر ایک بات سے بے حد متاثر ہوا کہ اسرائیلیوں کو عراقی ائرفورس کے عملے کے تمام افراد کے نام یاد تھے۔ جن میں روسی بھی شامل تھے انہیں عراقی ائرفورس کے معمول کے تربیتی پروازوں کے شیڈول کا بھی پورا علم تھا کہ کونسی پرواز لمبی اور مختصر ہوگی۔ لمبی اڑان کے دن روسی جہاز میں اضافی ایندھن کی اجازت دے دیتے تھے۔ منیر کو بھی یہی اسی دن نکلنا تھا۔ پرواز کے مختلف مرحلوں میں اسے پہلے سے طے شدہ سگنل دینے تھے تاکہ وہ منتظر اسرائیلی طیاروں کے ساتھ ربط پر رہے۔ انٹرپیس میں قیام کے دوران موساد کے کچھ آدمیوں نے اسے انتہائی محتاط رہنے کی تلقین کی انہوں نے ایک مصری ہوا باز کا قصہ بھی سنایا جو بے احتیاطی کی وجہ سے مارا گیا تھا۔ محمود حلیمی ۱۹۶۴ء میں اپنے روسی ساختہ تربیتی طیارے کے ساتھ اسرائیل پہنچ گیا تھا۔ اس وقت مصر یمن میں جنگ لڑ رہا تھا۔ حلیمی نے یمنی دیہات پر بمباری سے انکار کرتے ہی فرار کی راہ اختیار کی۔

اسکی آمد سے اسرائیلی بہت خوش ہوئے انہیں اس طیارے سے اتنی دلچسپی نہیں تھی بلکہ وہ حلیمی سے پروپیگنڈا مہم میں کام لینا چاہتے تھے۔ اسرائیلی ٹرفورس نے سکا بڑا خیر مقدم کیا اس نے تل ابیب ریڈیو پر اپنے فرار کی وجوہات بیان کی۔ کپٹن حلیمی پر گھومنے پھرنے کا بھوت سوار تھا اس نے بیونس آئرز کا کہیں سے نام سنا تھا وہ اسرائیلیوں سے اصرار کرتا رہا کہ وہاں اسے جاب دلائی جائے۔ لیکن وہ جھجک رہے تھے کہ سرائیل سے باہر مصری اسے کچا چبا ڈالیں گے۔ لیکن حلیمی بضد تھا وہ مصریوں کا مذاق اڑاتا اور کہتا مصری سیکرٹ سروس کو تم لوگ مجھ سے زیادہ نہیں جانتے آپ میری فکر نہ کریں مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ آخر تنگ آ کر اسے بیونس آئرز کی سول ایوی ایشن فرم میں ملازمت دلوادی گئی اور وہ شفٹ بھی ہو گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے سب سے پہلے ایک حماقت کی وہ بھول گیا تھا کہ مصر میں مکمل پوسٹل سنسر شپ لاگو ہے۔ اس نے اپنی ماں کو ایک پوسٹ کارڈ بھیجا اس سے مصری انٹیلی جنس کو پتہ چل گیا کہ وہ اب اسرائیل سے بیونس آئرز منتقل ہو گیا ہے۔ اس نے دوسری غلطی اس وقت کی جب ایک مقامی نائٹ کلب میں اس کی ملاقات ایک مصری نژاد عورت سے ہوئی اور پھر اسے متاثر کرنے کیلئے بڑے فخریہ انداز میں اُسے کہنے لگا "میرے پاس اتنا پیسہ ہے اگر میں اسے جلانا شروع کروں تو بھی ختم نہیں ہوگا" اور اس کے ساتھ ہی اس نے اس خاتون کو وہ کچھ بتا ڈالا جو اسے بعد میں بے حد مہنگا پڑا۔ اس رات کو وہ

اس مصری عورت کیساتھ اسکے فلیٹ میں گیا۔ وہ پھر کبھی اپنے ہوٹل واپس نہیں آ سکا۔ آدھی رات کے قریب جب وہ مکمل طور پر گہری نیند کی آغوش میں تھا وہ لڑکی چپکے سے اپنے بستر سے نکل کر ٹیلیفون کی طرف بڑھی۔

چند ہی لمحوں بعد دس آدمی وہاں پہنچے جنہوں نے حلیمی کو بستر سے گھسیٹا اور ایک گاڑی میں ڈال کر مصری سفارت پہنچا دیا۔ ایک ہفتے بعد موساد کے ایک مقامی ایجنٹ نے جب یہ خبر اسرائیل بھیجی تو مصری اُسے فوراً قاہرہ سمگل کر چکے تھے۔ وہاں ایک مختصری عدالتی کارروائی کے بعد اسے فائرنگ سکواڈ کے حوالے کر دیا۔ موساد کے آدمی نے منیر کو یہ قصہ ایک وارننگ کے ساتھ سنایا کہ اگر مستقبل میں وہ اسرائیل میں رہنا چاہتا ہے تو کبھی اسکی سرحدوں سے نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ چند روز بعد وہ اس امریکی لڑکی کے ہمراہ دوبارہ یورپ سے ہوتا ہوا بغداد پہنچا۔

پلان کے مطابق منیر کا ایک بیٹا سخت بیمار ہو گیا بغداد ملٹری ہسپتال کے ایک ڈاکٹر (جو موساد کا وظیفہ خوار تھا) نے اسے سرٹیفکیٹ دیا کہ اسکا علاج لندن میں ضروری ہے۔

مسز منیر روفا اور اسکے بچوں کی لندن روانگی کے انتظامات تیزی سے مکمل ہوئے وہ بالآخر تہران سے ہوتے ہوئے یک پرواز میں لندن پہنچ گئے وہاں اگلے دن ہی ایک اسرائیلی بوئنگ اُنہیں لیکر تل ابیب روانہ ہوا۔ وہاں پہنچتے ہی انہیں ایک نامعلوم مقام پہنچا دیا گیا۔

اب منیر کا اصل چیلنج شروع ہو چکا تھا۔ فرار کا مقررہ دن تیزی سے قریب آ رہا تھا اور اسکے ساتھ ہی خوف کی ٹھنڈی لہر منیر کے بدن میں دوڑنے لگی اسے ایک فکر یہ بھی تھی کہیں ایسا نہ ہو کہ اسکے جانے کے بعد اسے کوئی خبر دے کہ اسکے ماں باپ اور رشتہ دار عراق سے نکلنے میں ناکام ہو گئے ہیں لیکن اس خاندان کے انخلاء کیلئے موساد کا پروگرام بالکل سیدھا سادہ تھا۔ ویسے بھی موسم گرما کے شروع ہوتے ہی یہاں کی مدد فیملیاں چھٹیاں گزارنے کردستان کے یخ بستہ پہاڑی مقامات منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

اسرائیل ان دنوں کرد باغیوں کی خفیہ فوجی مدد کر رہا تھا اس وجہ سے موساد کا ان سے قریبی رابطہ تھا۔ ایک کرد رہنما شیخ برزانی کے ساتھ بات ہو چکی تھی۔ اس نے مذکورہ خاندان کو پہاڑوں میں کسی محفوظ مقام پر پہنچانا تھا جہاں سے ایک اسرائیلی ہیلی کاپٹر نے انہیں اٹھا کر ایرانی شہر ہواز پہنچانا تھا اس انخلاء کیلئے مقررہ وقت چوبیس گھنٹے تھا۔ کم از کم اتنے وقت میں کسی نے اس خاندان کی اپنی رہائش گاہ سے روانگی کا کوئی نوٹس نہیں لینا تھا۔

منیر کی دلجوئی کیلئے موساد نے کچھ یوں بندوبست کیا کہ کردستان سے ہیلی کاپٹر کی اور بغداد سے مگ۔۲۱ کی پرواز بیک وقت مقرر کی گئی۔ آپریشن کے آخری مرحلے کیلئے ۱۵۔ اگست ۱۹۶۶ء کی تاریخ مقرر ہوئی۔

اس دن اسکے ڈیوٹی روسٹر میں لانگ رینج فلائٹ لکھی تھی۔ اسے صبح اجالا پھیلنے سے قبل شمالی عراق کے ایک بیس سے فضاء میں بلند ہونا تھا مقررہ دن وہ ائرفورس کی ایک ویگن میں متعلقہ ائرفیلڈ پہنچا اسکے اعصاب مکمل طور پر اسکے کنٹرول میں تھے۔ روسی ٹیکنیشن لمبی تربیتی پرواز کیلئے اسکے طیارے میں اضافی ایندھن کے ٹینک جوڑ رہے تھے۔ وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ اسکے چہرے کے تاثرات نارمل نظر آئے۔

طیارہ پرواز کیلئے بالکل تیار ہو چکا تھا۔ منیر روفا اپنا ہیلمٹ ہاتھ میں لئے آہستہ آہستہ جہاز کے کاک پٹ کی طرف روانہ ہوا کچھ دیر بعد جب وہ اپنی سیٹ پر بیٹھا تو طیارہ کی کینوپی خود بخود بند ہو گئی اور منیر نے اپنے منہ پر ماسک لگا کر انجن چالو کر دیے۔

سامنے رن وے پر یک روسی نے اپنے انگوٹھے کے اشارے سے اسے کلیرنس کا اشارہ دیا۔ پھر کنٹرول ٹاور نے اسے ریڈیو پر ٹیک آف کا سگنل دیا۔ اس نے اپنے روسی ایڈوائزروں کو آخری مرتبہ کام کرتے ہوئے دیکھا۔ جنہیں وہ دوسرے عراقیوں کی طرح وہ بھی انکو بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ لوگ علیحدہ میس میں کھانا کھاتے تھے۔ الگ کلبوں میں اکٹھے ہوتے تھے۔ اور عراقی پائلٹوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کچھ دیر بعد اسکا جہاز رن وے پر پوری قوت کیساتھ گرجتا ہوا فضاء میں بلند ہوا۔ وہ معمول کے مطابق بغداد کی طرف مڑا تو ائربیس اسکی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ انتہائی بلندی پر جانے کے بعد اس نے اچانک طیارے کے after - bumers آن کر دئے اور اسکے ساتھ ہی اُس نے اپنا رُخ جنوب مغرب میں اردن اور پھر اسرائیل کی طرف موڑ دیا۔ اس نے اسرائیلیوں کے بتائے ہوئے ٹیڑھے میڑھے فضائی روٹ پر فرار شروع کر دیا۔ عین اسی لمحے اسکی دل کی دھڑکن طیارے کی رفتار سے بھی تیز ہوگئی۔ یہ اسکی زندگی کا سب سے خوفناک لمحہ تھا۔ اگلے چند لمحوں میں اسکا طیارہ مار گرایا بھی جا سکتا تھا۔ زندہ بچ جانے کی صورت میں اس نے پھر کبھی اپنے آبائی وطن کی شکل نہیں دیکھنا تھی۔

وہ یک نئی زندگی کیلئے اسرائیل کی طرف بڑھ رہا تھا جو حقیقت میں اس سے پہلے اس کیلئے دشمن کی سرزمین تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ عراقی حکومت اسے غدار قرار دے گی اور اسرائیل میں بھی اسے قتل کرنے کی کوشش کرے گی۔ ابھی وہ ان خیالات میں گم تھا کہ اچانک طیارے کا وائرلیس سسٹم آن ہوگیا۔ نیچے بہت دور عراقی ٹریس سے کسی نے انتہائی غصے میں اسے واپس مڑنے کا حکم دیا اس پر منیر نے طیارے کی رفتار اور بھی بڑھا دی۔ ایک بار پھر وائرلیس پر وہ کرخت آواز ابھری "اگر تم واپس نہیں ہوئے تو سوچ لو ہم تمہیں مار گرانے والے ہیں"۔ منیر نے ہاتھ بڑھا کر وائرلیس سیٹ آف کر دیا کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ اب عراقی جٹ اسکے تعاقب میں روانہ ہو چکے ہونگے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اس کے اپنے رفقاء کار ُ سے مار گرانے آ رہے ہونگے۔ ہوسکتا ہے انہوں نے اردن کی فضائیہ کو بھی الرٹ کر دیا ہو کیونکہ چند لمحوں بعد وہ انکی فضائی حدود میں داخل ہونے والا تھا۔ منیر اس تصور سے ہی کانپ اٹھا کیونکہ اسے شاہ حسین کے ہوابازوں کی شہرت سے اچھی طرح واقفیت تھی۔ ابھی وہ اسرائیلی سرحد سے تھوڑا دور تھا کہ اس کا خیال اس امریکی لڑکی کی طرف چلا گیا جسے موساد نے اسے رام کرنے پر معمور کیا تھا۔ اسرائیل سے واپسی پر پیرس میں اس نے اُسے کہا تم نے صرف سیاسی مقاصد کیلئے میرے جذبات کیساتھ یہ کھیل کھیلا۔ اس بات پر امریکی لڑکی نے اسے خالی نظروں سے دیکھا پھر دوسری طرف منہ موڑتے ہوئے مخاطب ہوئی "تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن مت بھولو کہ جاسوس بھی انسان ہوتے ہیں اور اُن کے بھی کچھ جذبات ہوتے ہیں"۔ یہ بھی تو حقیقت تھی کہ وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس کے ساتھ واپس بغداد جا رہی تھی۔ منیر اُسے بغداد میں پکڑوا بھی سکتا تھا لیکن اس نے منیر پر اعتماد کیا کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کریگا۔

منیر کے فرار کے وقت اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جونہی اسرائیل میں لینڈ کریگا تو وہ اسی وقت عراقی سرحدوں سے دور نکل چکی ہوگی۔ لیکن منیر سوچ رہا تھا کہ اگر ایسا ممکن نہ ہوا۔ اور وہ بغداد میں پکڑی گئی تو اسکا زندہ بچنا ممکن نہیں ہوگا۔ آخر منیر نے اپنے ذہن سے ان خیالات کو باہر نکالتے ہوئے اپنی پرواز پر توجہ مرکوز کر دی وہ ابھی بھی اردن کی فضائی حدود میں سفر کر رہا تھا اور یقینی خطرے کی حالت میں تھا۔ صرف چند منٹوں کی مسافت کے بعد وہ بحر مردار (Dead Sea) کے اوپر پہنچنے والا تھا۔

سینکڑوں میل دور اسرائیلی رڈار نے اسکے تب طیارے کو طے شدہ بلندی پر پرواز کرتے محسوس کر لیا تھا اور سکے ساتھ کچھ ہی دیر بعد اسرائیلی ائرفورس کے میراج طیاروں کا ایک سکوارڈن اسے تحفظ فراہم کرنے فضاء میں بلند ہو رہا تھا۔ منیر نے جونہی انہیں دیکھا تو اس کے دل کی دھڑکن خوف اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے تیز تر ہو گئی۔ اپنی شناخت کرانے کیلئے اس نے اپنے طیارے کو پہلے سے طے شدہ انداز میں دو تین غوطے دیئے۔ پھر اچانک سرائیلی میراج اسکے اوپر نیچے اور دونوں اطراف اڑنے لگے۔

وہ بلآخر اسرائیلی فضاء میں داخل ہوا تو نیچے کنٹرول ٹاور سے اسے بلندی بتدریج کم کرنے کو کہا گیا۔ اور سکے ساتھ ہی اسکے وائرلس سیٹ پر ایک دلکش نسوانی آواز ابھری۔ جس نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں کہا "اھلاً وسھلاً مرحبا الی الاسرائیل"۔

اگلے ہی سمے روسیوں کے اس مغرور طیارے نے اسرائیل کے ہیکیو ائربیس پر ٹچ ڈاؤن کیا۔ لینڈنگ کے بعد طیارے کو چاروں اطراف سے ملٹری کمانڈوز نے گھیرے میں لے لیا۔ فوجی ٹرک اور جیپیں اسکے اردگرد ایک دائرے کی شکل میں کھڑی ہو گئیں۔

منیر کو ایک نامعلوم مقام پر پہنچا یا گیا۔ جہاں اسکا پورا خاندان پہلے ہی سے موجود تھا۔ وہ کچھ عرصہ ذہنی دباؤ اور افسردگی کا شکار رہا۔ شاید یہ وطن سے غداری کے اثرات تھے۔

موساد کے ایک اہلکار نے جو اسکا سیکورٹی گارڈ بھی تھا نے ایک دن اسے کہا تمہیں پتہ ہے تمہارے مگ کو کیا نام دیا گیا ہے؟ منیر نے کہا نہیں۔ "007" گارڈ نے جواب دیا۔ پھر اس نے شرارتی مسکراہٹ میں کہا "ویسے انہیں اس کا نام "مس 007" رکھنا چاہئے تھا۔ اس پر منیر کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ کیونکہ وہ شخص واضح طور پر اس امریکی سیکرٹ ایجنٹ لڑکی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ آج کل منیر اسرائیل میں گمنامی کی زندگی گزار رہا ہے۔ سوئے موساد کے کسی کو اس کی شناخت اور رہائش کا کسی کو پتہ نہیں ہے۔ عراقی حکومت اسے غدار قرار دے چکی ہیں۔ لیکن منیر نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ میں نے کردوں پر ڈھائے گئے مظالم کے خلاف بطور احتجاج اپنا طیارہ اسرائیل میں اتارا تھا۔

منیر اس امریکی لڑکی کے ساتھ کبھی کبھی ملتا ہے وہ بحفاظت بغداد سے نکل آئی تھی لیکن اسرائیل پہنچنے کے بعد ان کے راستے الگ ہو گئے منیر کی اپنی فیملی تھی اور لڑکی اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

کافی عرصہ عراقی اور روسی خفیہ ادارے اس خاتون کی اصل شناخت معلوم کرنے کی تگ و دو میں لگے رہے۔ بلکہ آج بھی اسے ڈھونڈ رہے ہیں لیکن یہ موساد کا سب سے محفوظ ترین راز ہے۔

۲ مئی ۱۹۶۸ء کو اسرائیل کے قیام کی بیسویں سالگرہ کے موقع پر پانچ لاکھ تماشائیوں نے سرخ رنگ کے اس طیارے کو شہر پر نیچی پرواز کرتے ہوئے دیکھا۔ اسے اب ائرفورس کے ایک سکوارڈن میں باقاعدہ طور پر شامل کر لیا گیا ہے۔

آپریشن موسس

Operation Moses

اس صدی کے اوائل میں ایتھوپیا کے شمال مغربی صوبے گوندر میں لاکھوں سیاہ فام یہودی آباد تھے لیکن 1980 تک اُن کی آبادی گھٹتے گھٹتے 25000 تک رہ گئی۔ ان لوگوں کو مقامی زبان میں فلاشا (Falashas) کہا جاتا تھا جس کے معنی اجنبی یا جلا وطن ہے۔ ان کا یہ یہودیوں کا دعوی تھا کہ ان کے آباؤ اجداد ہزاروں سال پہلے حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں ملکہ سبا کے ہمراہ اسرائیل سے نکل کر یہاں پہنچے تھے۔ ان کے بزرگ دو ہزار سال سے اپنی نسلوں کو کہتے آ رہے تھے، ہم یروشلم کے باسی ہیں اور ایک دن اس شہر کی طرف دوبارہ لوٹیں گے۔ ان کا تورات کی ایک پیشن گوئی پر ایمان تھا جس میں لکھا تھا۔

And it shall come to pass in that day, that the Lord shall recover the remnant of people and there shall be a highway for the remnant like it was to Israel in the d that he came up out of the land of egypt (asaih 11 11,16)

1972ء میں ان کالے یہودیوں کو اسرائیل نے سرکاری طور پر یہودی تسلیم کیا۔ اسرائیلی آئین کے لاء آف ریٹرن (law of return) کے مطابق تمام دنیا کے یہودیوں کو کھلی دعوت ہے کہ وہ کسی بھی وقت آبادکاری کیلئے اسرائیل منتقل ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا 1977ء میں جب بیگن وزیراعظم منتخب ہوا تو اُس نے اعلان کیا کہ وہ ان یہودیوں کو ایتھوپیا سے نکال کر اسرائیل میں بسائے گا۔ لیکن ایتھوپیا کی مارکسسٹ حکومت نے ملک سے ہجرت کرنے والوں کو سخت سزائیں دینے کے احکامات نافذ کیے تھے۔

1984ء کے شروع میں فلاشا کے دیہات میں ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ وہ ایک پیغام تھا جو دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ فام یہودیوں کی پہاڑی جھونپڑیوں میں ہر طرف پھیل گیا تھا۔ پیغام یہ تھا کہ آخری وقت آن پہنچا ہے یروشلم واپس لوٹنے کا کچھ لوگوں کے مطابق اُنہوں نے یہ پیغام چند اجنبی افراد کی زبانی سنا جو تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے ہر ایک گاؤں میں سایوں کی طرح داخل ہوتے اور لوگوں کے کانوں میں سرگوشی کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ یوں فلاشا کے تمام دیہات میں بات پھیل گئی کہ تورات کی پیش گوئی پوری ہونے کا لمحہ آ گیا ہے۔ ویسے گذشتہ کئی سالوں سے تقریباً ہر ایک گاؤں سے چند افراد رات کی تاریکی میں شمال مغرب کی طرف پہاڑوں کو عبور کر کے سوڈان پہنچنے میں کامیاب ہوتے رہے تھے۔ پھر سوڈان میں وہ پناہ گزین کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہو جاتے۔ اب پیغام رساں کہہ رہے تھے کہ وہ بلآخر یروشلم پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، اُٹھو اپنے بھائیوں کی طرح یروشلم جانے کی تیاری کرو۔ یوں لگا جیسے کسی نے اُن پر جادو پھونک دیا ہو، ہزاروں فلاشا یک دم ہجرت کیلئے اُٹھ کھڑے

ہوئے ۔ اُن کا کوئی لیڈر یا میر کارواں نہیں تھا لیکن پھر بھی تقریباً بارہ ہزار افراد مختلف دیہات سے چل پڑے ۔ انہیں سوڈان تک تمام سفر دشوار گزار پہاڑی راستوں کو پیدل عبور کر کے مکمل کرنا تھا یہ سوڈانی سرحد تک دو سو میل کا کٹھن مرحلہ تھا۔ دوسری طرف ایک اور مسئلہ یہ تھا کہ سوڈان کا اسرائیل کے ساتھ کوئی سفارتی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ اُسے دشمن ملک سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود یہ لوگ ایتھوپیا کی خشک سالی اور قحط سے فرار ہو کر وہاں پناہ لے چکے تھے۔ جہاں انہیں پناہ گزین کیمپوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ 1979ء جب بیگن نے انور السادات کیساتھ کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے پر دستخط کئے تو مصر اور اسرائیل کے درمیان باقاعدہ سفارتی تعلق قائم ہوا۔ کچھ عرصہ بعد بیگن نے صدر انور السادات کے ذریعے سوڈان کے صدر جعفر النمیری کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ ریفیوجی کیمپوں میں محصور فلاشا یہودیوں کو اسرائیل جانے کی اجازت دے۔ یوں تقریباً چار ہزار افراد اسرائیل منتقل ہوئے۔ لیکن یہ منصوبہ بالآخر صدر انور السادات کی 1981ء میں ہلاکت کے بعد اچانک ختم ہو گیا۔ صدر جعفر النمیری نے عرب لیگ کی سخت سرزنش کے بعد اس خفیہ پروجیکٹ کو فی الفور بند کر دیا۔

لیکن 1984ء میں حالات مزید خراب ہو گئے ایتھوپیا میں قحط سالی کی وجہ سے لاکھوں لوگ خوراک کی تلاش میں ہمسایہ ملکوں کی طرف ہجرت پر مجبور ہو گئے ۔ سوڈان میں ان یہودیوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی ۔ اسی سال ستمبر میں اسرائیل کے نائب وزیر اعظم یتزاک شمیر نے واشنگٹن میں امریکی وزیر خارجہ جارج شلٹز سے ملاقات کی اور اُسے کہا کہ وہ سعودی حکومت سے کہہ کر جعفر النمیری کو ایک مرتبہ پھر قائل کرے تا کہ ان یہودیوں کو اسرائیل پہنچایا جا سکے۔ سوڈان خود بھی خشک سالی اور خانہ جنگی جیسے مسائل سے دوچار تھا، لہٰذا سوڈانی صدر نے فوراً حامی بھر لی لیکن وہ چاہتے تھے کہ یہ انخلا انتہائی خفیہ رہے کیونکہ وہ عربوں کی برہمی سے خوفزدہ تھے۔

یوں 1984ء سے جنوری 1985ء تک یہ آپریشن انتہائی رازداری سے جاری رہا۔ ایک امریکی سی 130 طیارے میں خرطوم سے ان یہودیوں کی پہلی کھیپ اسرائیل پہنچ گئی۔ موساد کے ایجنٹوں نے کیمپوں سے سینکڑوں پناہ گزینوں کو بسوں، ٹرکوں اور کشتیوں میں بیٹھا کر تل ابیب بھیجا۔ لیکن اس خفیہ کارروائی کی خبر کسی طرح بین الاقوامی میڈیا تک پہنچ گئی۔ عرب دنیا میں اس کا شدید ردعمل اُبھرا۔ لیبیا نے عرب لیگ کا خصوصی اجلاس طلب کیا، عرب ملکوں کے تمام اخبارات نے سوڈان کے صدر پر لعن طعن کی کہ وہ اُمتِ مسلمہ کے سخت دشمن ملک کیساتھ تعاون کر رہا ہے۔ بالآخر سوڈان کو اس طرح یہ منصوبہ ایک بار پھر ترک کرنا پڑا۔

اُدھر اسرائیلی حکومت کو فکر لاحق تھی کہ یہ کالے یہودی کہیں بھوک اور پیاس سے مر نہ جائیں۔ اس کے علاوہ ایتھوپیا سے ان کے مزید قافلے بھی سوڈان پہنچ رہے تھے، جہاں کیمپوں میں اُن کی حالت زار اور بھی تشویشناک ہو چکی تھی۔ اس دوران اسرائیلی وزیر اعظم شمعون پیریز نے علی الاعلان ایک بیان جاری کیا کہ ہم اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ہمارے بہن بھائی ایتھوپیا سے بحفاظت تل ابیب نہ پہنچ جائیں۔ اس کے بعد وزیر اعظم نے موساد کے سربراہ کو طلب کر کے اُسے اس سلسلے میں کوئی بڑا آپریشن کرنے کا حکم دیا۔ موساد کے ہیڈ کو کھلی اجازت تھی کہ وہ اس کارروائی میں ملٹری یا سول (civil) ذرائع کا بے دریغ استعمال کر سکتا ہے۔ سوڈان کے دارالحکومت خرطوم میں بحیرہ احمر کے ساحل پر غوطہ خوری (Diving) کا ایک کلب تھا۔ اسکا مالک ایک مقامی باشندہ تھا۔ لیکن کلب کا بزنس کوئی خاص نہیں تھا۔ موساد نے اس کلب کو خریدنے کا پلان

تیار کیا۔ وہ اسے ایک مکمل تفریح گاہ میں بدلنا چاہتے تھے۔ کچھ دنوں بعد عربی بولنے والا موساد کا ایک کیس آفیسر (Katsa) یہودہ جل ایک بیلجین ٹورسٹ کمپنی کے نمائندے کے بھیس میں خرطوم پہنچا۔ وہ کمپنی کی طرف سے بحیرہ احمر میں غوطہ خوری اور صحرائی ٹورازم کے فروغ کے سلسلے میں سوڈانی حکومت کے مختلف عہدیداروں سے ملا۔ ویسے عام طور پر موساد عرب ملکوں میں براہ راست اپنا کوئی ایجنٹ بھیجنے کا خطرہ نہیں مول لیتا مگر یہاں انہیں رسک لینا پڑا۔ یہودہ جل نے خرطوم میں کلب کی برانچ کھولنے کیلئے حکومت سوڈان سے پرمٹ لینے کیلئے کافی بھاگ دوڑ کی۔ مختلف لوازمات پورے کرنے کیلئے بعض جگہوں پر اُسے انتظامیہ کو رشوت بھی دینی پڑی۔ اُس نے ایک فیشن ایبل ٹاؤن میں اپنا آفس کھولا۔ اسی دوران ایک اور اسرائیلی ایجنٹ سی کمپنی کے نمائندے کے روپ میں خرطوم آیا۔ اُس نے ساحل پر موجود کلب کے مالک سے ملاقات کی جو اپنے کمزور بزنس سے کافی بیزار نظر آرہا تھا۔ موساد نے ایک خطیر رقم کے عوض وہ کلب اُس شخص سے خرید کر اُسے چلتا کردیا۔

موساد اس آپریشن کو دوسرا آپریشن میجک کارپٹ (magic carpet) کا نام دینا چاہتا تھا۔ یہ آپریشن انہوں نے 1950ء کے اوائل میں یمن کے یہودیوں کے انخلاء کیلئے چلایا تھا۔ اپنی کمپنی رجسٹر کرنے کے بعد یہودہ جل نے یورپ سے باقاعدہ ٹورسٹ گروپوں کو اپنے کلب کی طرف راغب کیا۔ موساد نے ان ملکوں میں اپنے اس کلب کی بے حد مؤثر پبلسٹی کی تھی۔ کلب کے قریب ہی نسبتاً کم گہرے سمندر میں ایک بحری جہاز آدھا ڈوبا نظر آرہا تھا جو سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔

کلب میں کام کرنے والے عملے کیلئے انہوں نے مقامی دیہاتوں سے لوگ بھرتی کئے۔ غوطہ خوری کے انسٹرکٹرز بھی سیاحوں کو تربیت دینے کیلئے دستیاب ہو چکے تھے۔ یہ افراد دراصل اسرائیلی نیوی کے تربیت یافتہ کمانڈوز تھے جو فرفر انگریزی اور فرنچ بولتے تھے۔ تقریباً 35 اسرائیلی ماہرین جن کے پاس جعلی یورپی پاسپورٹ تھے، نے کلب کی تزئین و آرائش میں دن رات تیزی سے کام کیا۔ کلب کیلئے انہوں متعدد پک اپ، ٹرک اور بینڈ کروزر خریدے۔ اس تفریح گاہ کی تعمیر میں محض ایک ماہ کا عرصہ لگا۔ اس کلب میں ڈائیونگ (Diving) کے علاوہ رہائش کیلئے بیڈ روم اور کھانے پینے کیلئے ریستوران وغیرہ کی سہولت بھی موجود تھی۔ اس کے علاوہ ایک کمرہ ایسا بھی تھا جہاں موساد نے جدید آٹومیٹک ہتھیار اور مواصلاتی آلات چھپائے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایمرجنسی میں طیاروں کی لینڈنگ کیلئے روشنی کے لیمپ، سائیڈ لائٹس، بیکنز (Beacons) اور ونڈ ڈائریکشن فائنڈرز اور لیزر ڈسٹنس فائنڈرز کا بھی انتظام کر لیا تھا۔

دو اسرائیلی میزائل بردار کشتیوں نے، جو کھلے سمندر میں آکر لنگر انداز ہوئی تھیں انہیں وافر مقدار میں خوراک کا سامان بہم پہنچایا۔ موساد کے ایجنٹوں نے سوڈانی انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں کو مختلف مراعات کے حصول کیلئے بھاری رقم رشوت میں دی۔ صدر نمیری کے سیکورٹی چیف جنرل عمر محمد لطیف نے بھی اس سلسلے میں بھاری رشوت اپنی جیب میں ڈالی جسے بعد میں حکومت نے موساد کیساتھ تعاون کرنے کے جرم میں عمر قید اور 24 ملین سوڈانی پاؤنڈ جرمانہ عائد کیا۔ موساد نے سوڈان کے ریڈار سسٹم کے متعلق بھی معلومات حاصل کیں۔ مصر اور سوڈان کی سرحدی پہاڑیوں کے قریب یہ سسٹم نیچی پرواز کے طیاروں کو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اس بات پر اتفاق ہوا کہ ایک اسرائیلی ملٹری بیس سے ایک ہرکولیس طیارہ ٹیک آف کرنے کے بعد خلیج اقباء اور بحیرہ احمر کو عبور کرنے کے بعد اس مخصوص سرحدی پہاڑیوں پر نیچی پرواز کرتا ہوا صحرا میں ایک پہلے سے طے شدہ مقام پر اترے گا۔

اس لینڈنگ سائٹ (Landing Site) کی نشان دہی کیلئے چار اسرائیلی ہوا باز تورگا ئیڈوں کے بھیس میں سوڈان آئے۔ انہوں نے صحرا میں ایک پٹی اس مقصد کیلئے منتخب کی۔ وہیں مناسب فاصلوں پر روشنی کے لیمپ نصب کئے اور مواصلاتی رابطے کیلئے آلات خفیہ جگہوں پر لگائے۔

آپریشن کے منتظمین کیلئے اب ریفیوجی کیمپوں سے یہودیوں کو نکالنے کا چیلنج درپیش تھا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے اسرائیل سے چند فلاشا یہودیوں کو بلایا تھا تاکہ وہ کیمپوں میں جا کر اپنی برادری کے لوگوں کو گروہوں میں جوزکراُن کے انخلاء کیلئے رہ ہموار کریں۔ مارچ 1984ء میں سیاحوں کا پہلا جتھہ اس نئی تفریح گاہ میں تعطیلات گزارنے خرطوم پہنچا۔ سفارتی اور سرکاری حلقوں میں بھی اس کلب کے چرچے ہونے لگے۔ ایک موقع پر تو موساد کی ہائی کمان نے ایک اور منصوبہ پر بھی سوچا کہ کیوں نہ پی ایل او کی سینئر لیڈر شپ کو اس کلب میں اپنا اجلاس منعقد کرنے پر اکسایا جائے اور پھر رات کی تاریکی میں کمانڈوز انہیں ایک میزائل بوٹ میں اغوا کر کے اسرائیل پہنچا دے۔ لیکن تل ابیب نے اس تجویز کو رد کر دیا۔

دھیرے دھیرے آپریشن موسس (Operation Moses) اپنے آخری مرحلے میں پہنچا۔ لینڈنگ سٹرپ تیار ہو چکی تھی۔ پناہ گزینوں کو بچانے کیلئے صحرا میں ایک مقام پر ٹرک اور لینڈ کروزر تیار کھڑے تھے۔ آدھی رات کو آخر کار یہودیوں کا پہلا گروپ جو سو افراد پر مشتمل تھا اِن گاڑیوں میں مقررہ ہوائی پٹی پہنچا۔ اوپر انتہائی بلندی پر ایک اسرائیلی جاسوسی جہاز محو پرواز تھا جس کا کلب کے کمیونیکیشن سنٹر سے مسلسل رابطہ تھا۔ اور اسے وقتاً فوقتاً خرطوم کی سڑکوں پر پولیس کی ناکہ بندی سے مطلع کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک دیوہیکل ہرکولیس کارگو جہاز نے وہاں لینڈنگ کی۔ جہاز کی راہنمائی کیلئے پٹی کے دونوں طرف تیز روشنی کے لیمپ قطاروں میں رکھے گئے تھے۔ فلاشا یہودیوں میں اکثریت ایسی تھی جنہوں نے کبھی اتنا بڑا طیارہ قریب سے نہیں دیکھا تھا۔ طیارہ اترنے کے بعد جب اِن کے قریب آیا تو اس کی گھن گرج اور تیز ہوا سے گرد وغبار کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ دو سو کے قریب یہودی خوفزدہ ہو کر تاریکی میں ادھر اُدھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ آخر بڑی مشکل سے اُنہیں دوبارہ اکٹھا کر کے جہاز میں بٹھایا گیا۔ یوں یہ کالے یہودی پانچ گھنٹے کی پرواز کے بعد صبح آٹھ بجے یروشلم کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر جب اُترے تو اسرائیلی وزیراعظم شمعون پیریز اُن کے استقبال کیلئے بذات خود آیا۔

پورا ایک مہینہ دو تین اسرائیلی کارگو جہاز اس صحرائی ہوائی پٹی پر اُترتے رہے یوں موساد 7800 یہودیوں کو نکالنے میں کامیاب ہوئی۔ ایک رات یہودیوں کو مذکورہ صحرائی مقام پر پہنچانے کے بعد ایک خالی ٹرک واپس خرطوم آ رہا تھا کہ راستے میں پولیس کی ناکہ بندی میں پھنس گیا۔ ڈرائیور اور اُس کے ساتھی کو پولیس نے باغیوں کے شک میں گرفتار کر لیا۔ انہیں رسیوں میں جکڑ کر ایک قریبی خیمے میں دھکیل دیا گیا۔ پولیس والے تعداد میں صرف دو ہی تھے۔ اُن کے پاس رابطے کیلئے کوئی وائرلیس نہیں تھے۔ جب یہ دو اسرائیلی کافی وقت گذرنے کے بعد بھی کلب واپس نہ پہنچے تو اُن کی تلاش میں چند مسلح کمانڈوز نکل کھڑے ہوئے۔ وہ ایک ٹرک میں سوار ہوئے۔ جلد ہی انہیں اپنا ٹرک سڑک کے کنارے کھڑا نظر آیا۔ اُن میں سے ایک شخص نے ٹرک اُس ٹینٹ میں اپنے دو ساتھیوں کو دیکھ لیا۔ پولیس والے پاس ہی روڈ بلاک کئے کھڑے تھے لیکن انہوں نے ٹینٹ کے قریب منڈلاتے اس اسرائیلی کو نہیں دیکھا۔ دونوں اسرائیلیوں نے اچانک چیخ کر ٹینٹ میں قید اپنے ساتھیوں کو زمین پر لیٹ جانے کا حکم دیا۔ وہ دو سوڈانی پولیس والے چیخ کی آواز سُن کر ٹرک کی طرف جونہی بڑھے تو وہاں سے اسرائیلی کمانڈوز نے اپنی سب مشین گنوں سے فائر کھول دیا۔ دونوں سوڈانی

وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر خیمے کو آگ لگادی۔ وہ اس طرح سوڈانی حکام کو باور کرانے چاہتے تھے کہ یہ حملہ جنوبی سوڈن کے باغیوں کی طرف سے تھا۔ وہ سب ٹرک میں سوار ہو کر وہاں سے فرار ہو گئے مگر راستے میں ایک جگہ پھر پولیس کی ناکہ بندی تھی۔ یہاں بھی اتفاق سے پولیس والے دو ہی تھے انہوں نے ٹرک کو رکنے کا اشارہ کیا مگر ٹرک نے رفتار اور بھی بڑھادی اور پولیس کے رکاوٹی جنگلے کو روندتے ہوئے آگے نکل گیا۔ دونوں پولیس والوں نے اُس پر فائرنگ شروع کر دی جس سے ٹرک میں بیٹھا ایک اسرائیلی ہلاک ہو گیا مگر باقی بالآخر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس واقعے کے بعد تل ابیب سے جنوری 1985 کی ایک رات کو حکم آیا کہ Fold Immidietly یعنی فوراً بوریا بستر سمیٹ کر نکل آؤ۔ خرطوم میں یہودہ جل فوراً اپنا ضروری سامان لیکر دوسرے ہی دن ایک ائر لائن کے ذریعے یورپ سے ہوتا ہوا اسرائیل پہنچ گیا۔ اُدھر بحیرہ احمر کے ساحل پر ڈائیونگ کلب (Diving club) میں رات کے دوسرے پہر جب تمام سیاح دن بھر کی سرمستیوں کے بعد گہری نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔ کلب کے ارکان نے چپکے سے اپنا ضروری سامان پیک کر کے کھلے سمندر میں لنگر انداز ایک بحری جہاز پر لادا اور اپنے دو ٹرکوں و ایک لینڈ کروزر کو اُسی صحرائی پٹی روانہ کر دیا جہاں کچھ دیر بعد وہی اسرائیلی c-130 جہاز اُترا اور انہیں اُٹھا کر دوبارہ فضاء میں بلند ہوا۔ کلب کا انچارج طیارے میں گاڑیوں کی لوڈنگ کے دوران اچانک گر کر اپنی ٹانگ تڑوا بیٹھا۔

ڈائیونگ کلب میں سوئے ہوئے سیاح زیادہ تر یورپ سے بحیرہ احمر میں تیراکی کیلئے آئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ متعدد سوڈانی سرکاری اہل کار اور غیر ملکی سفارت کار بھی خرطوم کی شدید گرمی سے فرار ہو کر یہاں پڑے ہوئے تھے۔ وہ صبح جب جاگے تو سارے سٹاف ماسوائے چند مقامی ملازموں کے جو انہیں ناشتہ پیش کر رہے تھے، کو غائب پایا۔ اُن ملازموں سے جب اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ کلب کے یورپی مالکان صرف ایک خط چھوڑ گئے ہیں جس میں لکھا ہوا ہے کہ ہم اس کاروبار میں دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ لیکن آپ لوگ فکر نہ کریں آپ کے تمام پیسے ہم جلد واپس کر دیں گے۔ کلب کے "مالکان" رات کی تاریکی میں ایک سپیڈ بوٹ میں سوار ہو کر اسرائیل فرار ہو چکے تھے۔ لیکن جاتے جاتے اُنہوں نے اپنے گاہکوں کیساتھ ایک مہربانی کی تھی کہ وافر مقدار میں کھانے پینے کا سامان اور چار بسیں اُنہیں واپس ائر پورٹ ڈراپ کرنے کیلئے چھوڑ گئے تھے۔ آج کل تقریباً چالیس ہزار فلاشا یہودی اسرائیل میں رہتے ہیں جبکہ اب بھی دسیوں ہزاروں ایتھوپیا میں اسرائیل جانے کے منتظر ہیں اور عبادت گاہوں میں اپنی دعائیں گنگناتے رہتے ہیں۔

Do not Separate me, oh Lord , from Thy chosen, from the joy, from the light let see oh Lord the light of Israel .

دی ملین ڈالر سپائی

The Million Dollar spy

اُنیس مئی 1965ء کو رات ساڑھے تین بجے دمشق کے چوک شہداء پر ہزاروں تماشائیوں، ملکی اور غیر ملکی صحافیوں اور ٹیلی ویژن کیمروں کے سامنے اسرائیلی تاریخ کے ایک مایہ ناز جاسوس کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ ایلی کوہن (Eli cohen) سولہ دسمبر 1924ء کو سکندریہ (مصر) کے ایک یہودی گھرانہ میں پیدا ہوا تھا۔ اُس کے ماں باپ شام سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے تھے۔ اُس کا باپ سکندریہ کے بازاروں میں ریشمی ٹائیوں کا کاروبار کرتا تھا۔ اُس کے آٹھ بچے تھے۔ ایلی کوہن اور اُس کے دوسرے بہن بھائیوں کی پرورش سخت مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔ سکول میں وہ ایک ذہین ترین طالب علم تھا۔ ریاضی اور غیر ملکی زبانوں میں وہ بے حد قابل تصور کیا جاتا تھا۔ اُس نے فرنسیسی ورعبرانی پر کافی عبور حاصل کیا تھا۔

1946ء میں اُس نے قاہرہ کی کینگ فاروق یونیورسٹی کے شعبہ الیکٹریکل انجینئرنگ میں داخلہ لیا۔ چودہ مئی 1948ء کو جب ڈیوڈ بن گوریان نے تل ابیب کے میوزیم میں کھڑے ہو کر اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا تو اس کے کچھ ہی دنوں بعد عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کے اثرات مصر کے یہودیوں پر بھی نمودار ہوئے۔ یہاں اُن کی پکڑ دھکڑ کا وسیع سلسلہ شروع ہوا۔ اُن کی جائیدادوں کو بحق سرکار ضبط کیا گیا اور کاروباروں پر اضافی ٹیکس لاگو ہوئے۔ ان حالات میں ایلی کوہن کو یونیورسٹی چھوڑنی پڑی۔ جنگ میں عربوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے نتیجے میں مصری یہودیوں کو ایک بار پھر تشدد کا نشانہ بننا پڑا۔ ہزاروں یہودی خاندان چوری چھپے اسرائیل فرار ہونے لگے۔ اسی دوران میں 1950ء میں ایلی کوہن کا خاندان بھی وہاں منتقل ہو گیا۔ کوہن نے اُن کے سفر کا انتظام کیا مگر خود جانے سے انکار کیا۔ وہ اگلے چھ سال تک اُن سے نہ مل سکا۔

وہ یہودیوں کی ایک مقامی خفیہ تنظیم میں شامل ہو گیا۔ جو مصر سے یہودی خاندانوں کی اسرائیل منتقلی کیلئے کام کرتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد اُس نے اسرائیلی سیکرٹ سروس کیلئے بھی کام شروع کیا۔ وہ قاہرہ سے بذریعہ ریڈیو ٹرانسمیٹر تل ابیب پیغامات بھیجتا۔ ایک دن اُس نے اپنے خفیہ پیغامات کے سلسلے میں ایک ایسی خبر تل ابیب روانہ کی جس سے اسرائیلی ایوان اقتدار میں خوف وہراس کی لہر دوڑ گئی جیسے یک بار پھر ہٹلر نے زندہ ہو کر حکم دیا ہو کہ تمام یہودیوں کو اکٹھا کر کے آشوز کے گیس چیمبرز میں دھکیل کر ختم کر دو۔ خبر یہ تھی کہ صدر جمال عبدالناصر کی حکومت میں سابقہ نازیوں کا اثر و رسوخ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ مصر میں ہٹلر کے ان ساتھیوں کی موجودگی کوئی اتنی نئی خبر تو خیر نہیں تھی، کیونکہ جنگ کے بعد جرمن فوج کے ہزاروں فراد جن میں اعلیٰ فسر بھی تھے مصر میں پناہ لے چکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں شاہ فاروق کی حکومت برطانیہ کے سخت خلاف تھی۔ ان نازیوں نے اپنی شناخت چھپانے کیلئے اکثر عرب نام رکھ لئے تھے اور کچھ تو بظاہر مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

ہٹلر کی سیکرٹ پولیس ، گسٹاپو کے سابقہ افسر مصری انٹیلی جنس سروس کو ٹریننگ دے رہے تھے۔ ناصر کے سرکاری اخبار الجمہوریہ نے یہودیوں سے سخت نفرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ

"World Jewry be exterminated as the Nazishad so nearly succeded in doing earlier

اکتوبر 1956ء میں حالات اور بھی خراب ہو گئے جب نہر سویز کے مسئلے میں اسرائیل نے برطانیہ اور فرانس کے ساتھ مل کر مصر پر حملہ کر دیا۔ اس پر مصری حکومت نے انتقاماً مقامی یہودی آبادی پر مزید سختی کا حکم دے دیا۔ انہیں بلکل جنگ عظیم دوم کی طرز پر علیحدہ شہری علاقوں (Ghettoes) میں منتقل کر دیا گیا۔ سینکڑوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ اُن پر مختلف بہانوں کے تحت بھاری جرمانے عائد کئے گئے۔ یہودی عبادت خانے، سکول اور ہسپتال بند کر دیے گئے۔ عبرانی زبان ممنوع قرار دی گئی حتیٰ کہ یہودی عبادات میں بھی اسے بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہودی ڈاکٹروں اور پیشہ ور افراد کو کام کرنے سے روک دیا گیا۔ شہر کے ریستورانوں اور کیفے پر تختیاں آویزاں ہو گئیں جن پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا No jews or dogs allowed۔ پکڑ دھکڑ کی اس نئی لہر میں ایک دن پولیس ایلی کوھن کو بھی پکڑ کر لے گئی۔ لیکن وہ پوچھ گچھ کے دوران پولیس کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ یہودی تو ہے مگر کسی زیر زمین خفیہ یہودی تنظیم کے ساتھ منسلک نہیں ہے۔ چند روز بعد اُسے رہا کر دیا گیا مگر ساتھ ہی اُسے مصر سے نکل جانے کا حکم ملا۔ 20 دسمبر 1956ء کو کوھن نے اپنے آپ کو ریڈ کراس کے ایک بحری جہاز پر پایا۔ یہ جہاز سکندریہ کی بندرگاہ سے ہزاروں یہودی خاندانوں کو اسرائیل لے جا رہا تھا اُس کے پاسپورٹ پر امیگریشن والوں نے ایک مہر لگا دی تھی not valid for return to egypt جہاز مصر سے اٹلی پہنچا تو مسافروں کو ایک اطالوی جہاز میں منتقل کیا گیا جو انہیں لیکر اسرائیل روانہ ہو۔ وہ بارہ فروری کو حیفہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ ہزاروں یہودیوں کی طرح اُسے بھی جو کاغذات دیے گئے اُنمیں اُسے اسرائیلی شہری قرار دیا گیا تھا۔

ایک دو دن وہ اپنے ماں باپ کو تلاش کرتا رہا کیونکہ چھ سال سے اُن کے ساتھ اُسکا کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔ تھوڑی تگ و دو کے بعد آخر وہ اُن سے جا ملا۔ وہ مسلسل کئی ماہ بے روزگار رہا۔ 1957ء کے آخر میں اسرائیلی وزارت دفاع میں اُسے ایک نوکری مل گئی۔ چونکہ نوکری کا ملنا محض اتفاق نہیں تھا۔ اسرائیلی خفیہ ادارے اُسکے قیام مصر کے دوران اُس کی تمام زیر زمین سرگرمیوں سے واقف تھے۔ اُسے شعبہ انسداد جاسوسی (counter-intelligence) میں رکھا گیا جہاں وہ عربی اخبارات کا مطالعہ کر کے اُن میں سے کام کی خبروں کو عبرانی میں ترجمہ کرتا۔ لیکن جلد ہی وہ کام کی یکسانیت سے اُکتا گیا۔ ایک دن اُس نے اپنے افسر سے کہا کہ وہ ایک بار پھر ایکشن کی زندگی دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن حکام بالا کا جواب نفی میں ملا۔ اگرچہ ایلی کوھن میں ایک فرسٹ کلاس جاسوس کی تمام تر صلاحیتیں موجود تھیں۔ لیکن موساد کی پالیسی تھی کہ وہ رضا کار (Volunteers) ہرگز قبول نہیں کرتی تھی۔ کوھن کو صاف جواب ملا "We dont want any adventurers" کوھن کو اس رویہ سے سخت مایوسی ہوئی۔ آخر دل برداشتہ ہو کر اُس نے یہ نوکری چھوڑ دی۔ وہ کچھ عرصہ بعد ایک فوڈ سٹور میں کام کرنے لگا جہاں اُس نے خوب محنت کی۔ اُسے انسپکٹر بنا دیا گیا۔ وہ ملک کے مختلف شہروں میں واقع سٹورز کی چیکنگ کیلئے دورے پر جاتا۔

1959ء کے شروع میں تل ابیب کے ایک کلب میں اُس کی ایک عراقی لڑکی نادیہ سے ملاقات ہوئی۔ وہ ایک مقامی ہسپتال میں نرس

تھی۔ دراز قد گہری نیلی آنکھوں والی، چند دنوں کی یہ ملاقاتیں بالآخر ایک دن شادی پر منتج ہوگئی۔ انہوں نے بحیرہ احمر کے کنارے ہنی مون منایا۔ اب کوہن ایک نئی اور کامیاب زندگی گذار رہا تھا۔ اُسے کمپنی اچھے خاصے پیسے ادا کرتی تھی۔

1960ء میں وہ ایک دن تل ابیب میں اپنے گھر کے قریب ایک گلی سے گذر رہا تھا کہ اچانک اُس کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جسے وہ وزارت دفاع کی نوکری کے زمانے سے جانتا تھا۔ وہ دونوں گپ شپ میں ٹہلتے ٹہلتے ساحل سمندر کی طرف نکل گئے۔ اُس شخص نے اپنا نام اسحاق زلمان بتایا اور اپنی صحیح شناخت کرائی کہ وہ موساد کا ایک سینئر افسر ہے۔ زلمان نے ایلی کوہن کو کہا کہ جس دن وہ مصر سے اسرائیل آیا تھا موساد اُسی دن سے اُسکی ہر حرکت کو بغور نوٹ کرتا رہا ہے۔ ہمیں سب کچھ پتہ ہے کہ تم مصر میں کیا کرتے رہے ہو۔ لیکن ہم نے تمہاری درخواست ایک خاص مصلحت کے تحت مسترد کی تھی جس سے تم ناراض بھی ہو گئے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اب وقت آ گیا ہے اگر تم ہمارے لئے کام کرنا چاہتے ہو تو تمہاری درخواست پر غور کیا جاسکتا ہے۔

ایلی کوہن نے کہا کہ وہ بالکل تیار ہے، وہ اسرائیل کیلئے کچھ کرنا چاہتا ہے۔ موساد مسلسل کئی مہینوں سے کوہن کے دوستوں اور فیملی کے متعلق معلومات اکٹھی کر رہی تھی۔ وہ اُس کی خوش و خرم گھریلو زندگی سے بھی واقف تھے۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ اُسکے ہاں بہت جلد بچے کی پیدائش متوقع ہے۔ موساد کے ہیڈ کوارٹر میں ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کی ایک ٹیم نے اُس کا طبی اور نفسیاتی معائنے کیلئے ٹیسٹ کیے تاکہ اگر اُس کی شخصیت میں معمولی سا بھی فرق ہو تو اُسے مسترد کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ موساد کسی ایسے شخص کو فیلڈ میں بھیج کر خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی جس کی دوہری شخصیت ہو یا وہ با آسانی کسی لالچ میں آ کر سب کچھ اُگل دیتا ہو۔ کوہن نے امتحان کے تمام مراحل میں بہترین نمبر لئے۔

ایک آفیسر نے اُسے ملازمت کی شرائط اور ضوابط سمجھاتے ہوئے کہا۔ ٹریننگ کی تکمیل کے بعد تمہیں اختیار حاصل ہوگا چاہے ہمارے ساتھ کام جاری رکھو یا واپس چلے جاؤ بلکہ ملازمت کے دوران بھی اگر کسی وقت جانا چاہو تو ہماری طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہمارا تمہارا تعلق رومن کیتھولک میرج کی طرح نہیں ہوگا۔ طلاق کی گنجائش ہمیشہ برقرار رہے گی۔ لیکن صرف ایک شرط ہوگی تمہیں کسی ذی روح کو یہ نہیں بتانا ہوگا کہ تم موساد کیلئے کام کرتے تھے۔

ایلی کوہن نے نادیہ کو اپنی نئی جاب کے متعلق صرف اتنا بتایا کہ اُسے سول سروس کے کمرشل برانچ میں ایک اکاؤنٹنٹ کی پوسٹ مل گئی ہے لیکن نادیہ کو پھر بھی شک تھا کہ کوہن اُس سے کچھ چھپا رہا ہے۔ پھر جب اُسنے کہا کہ وہ کچھ مہینوں کیلئے کسی خاص ڈیوٹی پر شہر سے باہر جا رہا ہے تو نادیہ کا شک یقین میں بدل گیا کہ اُسکا شوہر کسی سیکرٹ سروس میں ملازم ہو چکا ہے مگر اُس نے دوبارہ کوئی سوال نہیں کیا وہ بس خاموش ہوگئی۔ نئی ملازمت کے اسرار و رموز سیکھنے کیلئے انسٹیٹیوٹ نے اُسے چھ مہینے کے سخت کورس کیلئے بلایا تربیت کے اس عرصے میں اُسے موساد کے ہیڈ کوارٹر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ اُسے موساد کا تمام نصاب حرف بہ حرف پڑھایا گیا۔ تجربہ کار دہشت گردوں نے اُسے انتہائی عام اور سادہ اجزاء سے دھماکہ خیز مواد اور بم بنانے کے طریقے سکھائے۔ اُسے آرمی کے مختلف کیمپوں میں بیجا کر دھماکہ خیز آلات کی مدد سے پلوں اور مختلف تنصیبات تباہ کرنے کے گر بتائے گئے۔

اُس نے کسی ملک کی فوجی طاقت کے متعلق اعداد وشمار جمع کرنا، مغربی اور روسی ہتھیاروں، جہازوں اور بحری جہازوں کو دیکھتے ہی فوراً پہچاننا سیکھا۔ اس کے علاوہ وہ خفیہ پیغامات بھیجنے کیلئے اُسکو مختلف کوڈ سکھائے گئے۔ تالے توڑ کر کسی عمارت یا مکان میں نقب لگانا بغیر ہتھیار کے کسی سے لڑنا وغیرہ بھی تربیت میں شامل تھا۔ ٹریننگ کے دوران اُس نے اپنی زبردست صلاحیتوں سے اپنے انسٹرکٹروں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ وہ اُس کی بلا کی ذہانت سے بے حد متاثر ہو چکے تھے۔

1960ء میں اُسے اسلام کے بارے میں تفصیلی کورس کیلئے یروشلم یونیورسٹی بھیجا گیا۔ اُس نے قرآن کریم کی بیشتر سورتیں زبانی یاد کیں، پانچ وقت نماز پڑھنے کا طریقہ سیکھا۔ وہ اسرائیل میں موجود مختلف مساجد میں جمعہ کی نمازوں میں شریک ہوتا۔ ایک دن ایلی کوہن کا انسٹرکٹر اُسے اچانک شام کی سرحد پر لے گیا۔ وہاں اُسے گولان کی پہاڑیوں پر شامی فوجی چوکیاں دور سے دیکھائی گئی۔ گولان کی ان اونچائیوں سے سرائیل کا بیشتر سرحدی علاقہ شامی توپ خانے کی زد میں تھا۔ انسٹرکٹر نے کہا کہ شام کے ساتھ اس سرحد پر ہماری کئی جھڑپیں ہو چکی ہیں اور مستقبل میں بھی ہونگی۔ ہماری کامیابی کا انحصار اب تمہاری انٹیلیجنس رپورٹ پر ہوگا۔ تم دمشق میں ہمارے لئے کام کرو گے یہ کہتے ہی انسٹرکٹر نے ایلی کوہن کی طرف دیکھا جو شام کی سرحد کی طرف ٹکٹکی باندھے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

شامی سرحد سے واپسی کے بعد کوہن کو شام کی تاریخ اقتصادی ترقی، حکومت، جغرافیہ اور معاشرے کے بارے میں یک کریش کورس کرایا گیا۔ چونکہ شامی عربی کالب ولہجہ مصری عربی سے بلکل الگ تھلگ ہے، لہٰذا اُسے عربی کا شامی لہجہ سکھانے کیلئے ایک پروفیسر مقرر کیا گیا جو ہر روز اُس کے گھر آ کر اُسے پڑھاتا تھا۔ تلفظ کی صحیح ادائگی کیلئے وہ دن رات ریڈیو دمشق سنتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ موساد نے اُس کے ایک کمرے میں پروجیکٹر لگایا جس پر اُسے شام کی فوجی تنصیبات کے متعلق فلمیں دیکھائی جاتی۔ کوہن کو شام کے علاوہ ارجنٹینا کے متعلق بھی اسی طرز کا کورس کرایا گیا۔ اُسے ہسپانوی زبان سکھائی گئی وہ اس اضافی کورس سے خاصا پریشان بھی ہوا۔ آخر اُسنے ایک دن اپنے باس سے پوچھ ہی لیا کہ یہ کیا چکر ہے۔ اُسے بتایا گیا کہ شام جانے سے پہلے وہ کچھ عرصہ ارجنٹائن میں گذارے گا۔ کوہن کو یہ منطق سمجھ ہی نہیں آئی کہ آخر اُسے ارجنٹائن کیوں بھیجا جائے گا۔ لیکن اُسے خاموش رہنا پڑا کیونکہ موساد کے قانون میں ازخود سوالات کرنے کی قطعی گنجائش نہیں تھی۔

وہ مارچ 1961ء کی پہلی تاریخ تھی۔ زیورخ سے سوئس ائر کی فلائٹ اپنے شیڈول کے عین مطابق بیونس آئرز (ارجنٹینا) کے ایزیزہ (Azeiza) انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچی۔ مین ٹرمینل پر جب طیارہ رُکا تو مسافر نیچے اترنے لگے۔ ان میں ایک خوش لباس اور سمارٹ بزنس مین بھی شامل تھا۔ جہاز کے فرسٹ کلاس کیبن میں وہ دوران پرواز زیادہ تر خاموشی کیساتھ مختلف اخبارات میں تجارتی خبریں پڑھتا رہا تھا۔ اُسے ملنے کوئی نہیں آیا تھا۔ امیگریشن اور کسٹم کے لوازمات پورے کرنے کے بعد وہ ائرپورٹ سے باہر آیا جہاں اُسنے یک ٹیکسی کی طرف اشارہ کیا۔

ٹیکسی نے اُسے شہر کے ایک خوبصورت فائیو سٹار ہوٹل میں ڈراپ کیا۔ ہوٹل کے ریسپشن پر اُس نے رجسٹر میں اپنا نام کمال امین اور پیشہ ایکسپورٹر لکھا۔ اُسکا پاسپورٹ اُسے شامی ظاہر کر رہا تھا۔ اُسنے اپنی آمد کے بعد چند ہفتے انتہائی معروف گذارے۔ کاروبار کے سلسلے میں وہ بیونس آئرز کے تقریباً تمام مشہور پارٹیوں سے ملا۔ اس کے بعد وہ ہوٹل سے ایک خوبصورت کرائے کے مکان میں منتقل ہو گیا۔ جیسے کہ ہر مسافر دیار غیر میں اپنے

ہم وطنوں کی محفل تلاش کرتا رہتا ہے، کمال نے بھی وہ کیفے اور ریستوران دریافت کر لئے جہاں عرب باشندے گپ شپ کیلئے اکٹھے ہوتے تھے۔ اُس زمانے میں تقریباً پانچ لاکھ عرب باشندے ارجنٹینا میں رہائش پذیر تھے۔ اُن کی غالب اکثریت دارالخلافہ یعنی بیونس آئرز میں تھی۔ یہ لوگ مقامی لوگوں کیساتھ بہت کم ملتے جلتے تھے۔ اُن کی بس ایک الگ دنیا تھی۔

شہر کے ان ریستورنوں اور کلبوں میں اتوار کے دن بڑی رونق ہوتی تھی، لبنان، شام اُردن اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ملکوں کے سفارت کار اور ٹریڈ مشن کے اہل کار یہاں مختلف گیمز اور قہقہوں میں شام گذارتے تھے۔ کمال بہت جلد ہی ان لوگوں میں گھل مل کر کلب کا ممبر بن گیا۔ عرب ویسے بھی بہت ملنسار اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے کمال کو فوراً دوست کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ اُسنے اپنا اور خاندانی پس منظر بیان کرتے ہوئے اپنے دوستوں کو کہا میرا باپ امین اور ماں سعیدہ سخت غربت کی وجہ سے شام سے بیروت ہجرت کر گئے تھے۔ میں وہاں 1933ء میں پیدا ہوا تھا۔ میرے بعد ایک بہن بھی پیدا ہوئی تھی مگر وہ بچپن ہی میں فوت ہو گئی تھی۔ ہم کچھ سال بیروت میں رہے مگر ہمارے معاشی حالات بدستور خراب رہے۔ آخر ہم تنگ آ کر مصر آ گئے جہاں ہم نے سکندریہ میں ایک بوسیدہ مکان میں رہائش شروع کی۔ میرا سارا بچپن سکندریہ میں گذرا۔ میرے والد کو مرتے دم تک اس بات پر فخر تھا کہ وہ شام کا رہنے والا ہے۔ میں نے اپنے والد کیساتھ وعدہ کیا تھا کہ ایک دن اپنے آبائی وطن ضرور جاؤں گا۔

میں 1947ء میں پہلی بار بیونس آئرز آیا تھا۔ یہاں میرے ایک چچا رہتے تھے جو بیحد مالدار تھے۔ اُن کا کپڑے کا کاروبار تھا مگر کچھ عرصہ بعد وہ کاروبار میں دیوالیہ ہو گئے۔ میرے والدین کو مرے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے اب میں ایکسپورٹ کا کاروبار کر رہا ہوں۔ بہت عرصہ یورپ میں کام کیا ہے اب قسمت آزمانے بیونس آئرز آیا ہوں۔ اُسنے دوستوں کو اپنے خاندان کی تصویروں کا ایک البم بھی دکھایا۔ کلب کے سارے ممبروں نے اُس کی بہت حوصلہ افزائی کی کہ وہ یہاں خوب کامیابی کیساتھ کاروبار کر سکے گا۔ ایلی کوہن کے اس بھیس (cover) پر موساد نے بڑی محنت کی تھی۔ تل ابیب میں انٹیلی جنس ایکسپرٹس کو پتہ تھا کہ عرب اتنی آسانی سے کسی کی داستان پر یقین نہیں کرتے لہذا اُس کی cover story ایک حقیقی شخص جس کا نام کمال امین تھا، سے ماخوذ کی گئی۔ وہ لبنان میں پیدا ہوا تھا اور بعد میں بیونس آئرز منتقل ہو گیا تھا۔

ایلی کوہن ٹریننگ مکمل ہوتے ہی بیونس آئرز کیلئے روانہ ہوا۔ موساد کا ایک نوجوان افسر جو بعد میں اُس کا سرائیل میں ریڈیو لنک آپریٹر مقرر ہوا، اُسے ائرپورٹ چھوڑنے آیا۔ اُس نے کوہن کو سفر کے اخراجات کیلئے پانچ سو ڈالر دیے۔ وہ چند گھنٹوں بعد زیورخ انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچا۔ جہاں ایک اور اسرائیلی نے اُسے ریسیو کیا۔ وہ شخص زیورخ میں موساد کا خفیہ ایجنٹ تھا جو ایک بزنس مین کے روپ میں کام کر رہا تھا۔ اُس نے کوہن کو کہا کہ اب وہ اپنی اصلی شناخت بھول جائے۔ وہ ایک مسلمان بزنس مین، کمال امین ہے اور ایک بحری اور ائر کارگو کمپنی کا مالک ہے جو جنوبی امریکہ اور یورپ کے درمیان کاروبار کرتی رہتی ہے۔

تجارتی اسرار و رموز سیکھنے کیلئے کوہن کو بزنس سائنس کا بھی ایک کورس کرایا گیا تھا تا کہ وہ باآسانی تجارتی اصطلاحات میں گفتگو کر سکے۔ موساد کے آدمی نے ُ سے ایک سوئس بینک اکاؤنٹ کا چیک بک دیا جہاں اُسکے استعمال کیلئے وافر مقدار میں ڈالر جمع کر دیے گئے تھے۔ اس کے بعد اُسے زیورخ کی مختلف گارمنٹ سٹورز سے قیمتی ملبوسات خرید کر دیے گئے تا کہ جسے پہن کر وہ واقعی ایک خوشحال تاجر لگے۔ اُسے زیورخ کا ایک

پوسٹ بکس نمبر بھی دیا گیا۔ اُسنے اپنی تمام خط و کتابت اسی نمبر سے کرنی تھی۔ وہ کوئی خط جس پر ارجنٹینا کا ڈاک ٹکٹ لگا ہو اپنی بیوی کو اسرائیل نہیں بھیج سکتا تھا۔ بیونس آئرز پہنچنے کے فوراً بعد کوہن کو موساد کا ایک اور ایجنٹ ابراہام ملا۔ اُس نے کوہن کو اپنا نیا بزنس یہاں سیٹ کرنے کیلئے کرائے کے مختلف دفاتر، سٹیشنری اور دیگر ساز و سامان مہیا کیا۔ اس نے رقم کے علاوہ شہر میں رہنے والے بااثر عرب سفارت کاروں کی ایک لسٹ بھی فراہم کی۔

بیونس آئرز میں آتے ہی وہ شامی تارکین وطن کی محفلوں میں شیر و شکر ہو گیا۔ وہ اپنے ان نئے دوستوں کو خوب کھلاتا پلاتا تھا۔ کوہن اُن سے کہتا کہ اُس کے دل میں برسوں سے ایک حسرت ہے کہ وہ اپنے آبائی وطن شام جائے۔ وہ ہر ایک کو اپنا فیملی البم دیکھاتا، جو موساد نے بڑی مہارت سے ترتیب دیا تھا۔ کوہن کو پتہ چل گیا تھا کہ کلب آف اسلام ریستوران میں عرب دنیا کی انتہائی بااثر شخصیات گپ شپ کیلئے آتی رہتی ہیں، لہٰذا اُس نے وہاں آنا جانا شروع کیا وہ وہاں اکثر دمشق اور قاہرہ کے اخبارات کا مطالعہ کرتا تھا۔ یہاں یک روز اُس کی ملاقات ایک شامی نژاد شخص، عبداللہ لطیف سے ہوئی۔ وہ ایک مقامی عربی اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ کوہن نے اُسے بھی اپنے دل کی بات بتاتے ہوئے کہا کہ وہ کسی نہ کسی طرح دمشق جانا چاہتا ہے۔ لیکن وہ وہاں کسی کو جانتا نہیں ہے۔ عبداللہ لطیف نے کوہن کو کئی اعلیٰ عرب سفارت کاروں اور تاجروں سے ملوایا۔

ایک دن ایک کاک ٹیل پارٹی میں اُس کی ملاقات میجر امین الحافظ سے ہوئی جو شام کے سفارت خانے میں ملٹری اتاشی تھا۔ حافظ بھی دوسرے عربوں کی طرح کوہن (کمال امین) کے جذبہ حب الوطنی سے بے حد متاثر ہوا۔ مجھے سیاسی گفتگو نہیں کرنی چاہیے ایک سفارتی ڈنر کے موقع پر میجر حافظ نے کہا کہ کتنا اچھا ہوگا، گر تم ہماری بعث سوشلسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کر کے ہمیں تقویت فراہم کرو، ویسے اس سال کے آخر میں میرا یہاں ملازمت کا دورانیہ ختم ہونے والا ہے، کیوں نہ تم میرے ساتھ ہی دمشق چلو اور وہاں ایک ساتھ پارٹی کیلئے کام کریں۔ ہمیں تم جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور محب وطن نوجوانوں کی سخت ضرورت ہے۔ کوہن نے بڑی گرم جوشی کیساتھ اُس کے ساتھ جانے کا وعدہ کیا۔ شامی سفارت خانے کے تقریباً ہر چھوٹے بڑے فنکشن میں کوہن کو بطور خاص مدعو کیا جاتا تھا۔ میجر حافظ اور کوہن ایک ساتھ شراب پیتے اور قہقہے لگاتے نظر آتے تھے۔ بس سب کچھ کے باوجود شامی سیکرٹ سروس (Deuxieme Bureau) کو کوہن کے زبردست قومی نظریات سے تسلی نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے خفیہ طور اُس کے خاندانی پس منظر کی مکمل تحقیقات کی لیکن اُنہوں نے کوہن کا ہر ایک دعویٰ بالکل حقیقت پر مبنی پایا۔ واقعی کمال امین نامی شخص جس کے والدین شام سے ہجرت کر کے لبنان آئے تھے، بیروت میں پیدا ہوا، بچپن سکندریہ میں گذارا اور پھر یورپ اور بیونس آئرز گیا۔

انکوائری کا سلسلہ یہاں ختم نہیں ہوا بلکہ وہ ایک دن اُسکی غیر موجودگی میں اُس کی گھر کی بھی تلاشی کر گئے۔ اُنہوں نے کوہن کے فیملی البم سے بھی چند تصاویر نکال کر اُس کی کاپیاں بنائی۔ جب کوہن کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اُسے بے حد خوشی ہوئی کیونکہ وہ چاہتا ہی یہ تھا کہ وہ اس البم کو ضرور دیکھیں۔ آخر کار شامی سیکرٹ سروس اپنی زبردست تحقیقات مکمل کر کے اس نتیجے پر پہنچی کہ کمال امین واقعی ایک جذباتی نیشنلسٹ نوجوان ہے جو دمشق میں پارٹی کیلئے یک بہترین سرمایہ ثابت ہو سکتا ہے۔ ادھر تل ابیب میں موساد کو جب اس کی اطلاع ملی تو اُنہوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ کوہن نے یہ مشکل مرحلہ بھی بآسانی طے کر لیا ہے۔

مئی 1961ء میں کوہن نے اپنے تمام دوستوں کو اچانک آگاہ کیا کہ وہ بالآخر اپنے باپ دادا کی سرزمین لوٹنے والا ہے۔ اس پر تمام

احباب نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ ہر ایک نے اُسے دمشق میں بااثر سرکاری عہدیداروں، تاجروں اور ذاتی دوستوں کے نام تعارفی خط دیے۔ اُسے خوب تسلیاں دی کہ اُسے دمشق میں کسی قسم کی کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ رخصت سے ایک رات قبل تمام دوستوں نے اُسکے اعزاز میں ایک شاندار الوداعی پارٹی کا اہتمام کیا۔ بیونس آئرز سے دمشق روانگی کا یہ سگنل اُسے چند دنوں پہلے تل ابیب سے موصول ہوا تھا۔ وہ سفر کے پہلے مرحلے میں میونخ سے ہوتا ہوا زیورخ (سوئٹزرلینڈ) پہنچا۔ یہاں موساد کا وہی افسر جس نے پہلی بار اُسے یہاں سے ارجنٹینا رخصت کیا تھا اُسے ملا۔

شہر کے وسط میں ہوٹل کے ایک کمرے میں وہ کمال امین کے بھیس سے نکل کر ایک بار پھر ایلی کوہن بن گیا۔ موساد کے آدمی نے اُسے اسرائیلی پاسپورٹ دیا۔ کوہن نے اُسے بیونس آئرز میں اپنی تمام کامیاب کاروائیوں کے بارے میں تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ تل ابیب جانے سے پہلے اُس نے اپنی بیوی اور بچوں کیلئے ڈھیر ساری شاپنگ کی۔ اسرائیل پہنچتے ہی اُسے ائرپورٹ پر موساد کا ایک افسر ملا جو اُسے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اُسے گھر تک چھوڑ آیا۔ کوہن نے بیوی کو کہا کہ وہ یورپ میں ڈیفنس منسٹری کے کام کرتا رہا تھا۔ بیوی نے بھی یقین کر لیا کیونکہ اُسے برابر ہر مہینے یورپ کے مختلف ملکوں سے اُس کے پوسٹ کارڈ ملتے رہے تھے۔ جنوبی امریکہ جانے سے قبل زیورخ میں کوہن نے یہ سارے پوسٹ کارڈ لکھ کر موساد کے ایجنٹ کے حوالے کر دیے تھے۔ اب اُسے مزید تربیت کیلئے موساد نے اکیڈمی بلا لیا تھا۔

اُس نے مسلسل کئی ہفتے "ریڈیو" پر ماہروں کیساتھ کام کیا۔ جنہوں نے بعد میں اُسکے دمشق سے نشر ہونے والے پیغامات موصول کرنے تھے۔ کوہن کو ایک مخصوص سپیڈ میں پیغامات بھیجنے کا طریقہ سکھایا گیا۔ اُن کے درمیان یہ طے ہوا کہ اگر اس سپیڈ میں ذرا بھی فرق آیا تو تل ابیب میں بیٹھے آپریٹر سمجھ جائیں گے کہ وہ زیرِ حراست ہے۔ بالآخر دسمبر 1961ء میں اُسے دمشق کیلئے روانہ کیا گیا۔ کوہن کے انسٹرکٹر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُس کے چہرے پر بلا کا اطمینان تھا جیسے وہ چھٹیاں منانے جا رہا ہو حالانکہ وہ ایک ایسے ملک میں سرایت کرنے والا تھا جہاں اُس کی زندگی ہر لمحہ سخت خطرات سے دوچار ہونے والی تھی۔ وہ تل ابیب سے ایک اسرائیلی ائرلائن کے ذریعے میونخ پہنچا۔ جہاں اُسے موساد کا وہی پرانا ایجنٹ ملا۔ اُس نے کوہن کے سامان میں قیمتی سوٹ اور گھریلو سامان کے علاوہ بھی کچھ چیزیں پیک کیں۔ وہ ایک انتہائی چھوٹا ریڈیو ٹرانسمیٹر تھا جیسے ایک فوڈ مکسر کے پیندے میں فکس کیا گیا تھا۔ کوہن کے الیکٹرک شیور کی تار نے بطور لانگ رینج اینٹینا کے کام کرنا تھا۔

پوٹاشیم سائنائڈ کی گولیاں، دشمن کو ختم کرنے یا بوقت ضرورت خودکشی کرنے کیلئے اسپرین کی گولیوں کے رنگ اور پیکنگ میں ساتھ رکھی گئی تھی۔ طاقتور دھماکہ خیز مواد بنانے کیلئے کیمیکل، ٹوتھ پیسٹ کی ٹیوبوں اور شیونگ کریم کے ڈبوں میں چھپایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک جدید جاپانی کیمرے کے پرزے بھی سامان میں شامل تھے۔ میونخ سے کوہن اٹلی روانہ ہوا جہاں سے وہ یکم جنوری کو ایک بار پھر کمال امین کا روپ دھار کر بیروت کیلئے ایک سمندری جہاز میں بیٹھا یوں وہ تنہا ایک خطرناک جاسوسی مہم پر روانہ ہوا۔

دورانِ سفر اس کی ملاقات ایک شامی شیخ کیساتھ ہوئی۔ دونوں میں اچھی خاصی دوستی بن گئی جس کا کوہن کو یہ فائدہ ہوا کہ دمشق کی بندرگاہ پہنچنے پر کسٹم والوں نے شیخ کا ساتھی ہونے کی وجہ سے اُس کے سامان کی تلاشی نہیں لی۔ دمشق پہنچنے کے بعد کوہن نے ابورومانہ ڈسٹرکٹ میں ایک چار منزلہ خوبصورت عمارت میں ایک فلیٹ کرایہ پر لیا، جو شامی ملٹری ہیڈکوارٹر کے عین سامنے واقع تھی۔ رہن سہن کا بندوبست کرنے کے بعد اُسے اپنے

ایمپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس بھی شروع کیا۔ کاروبار یہاں بھی نہایت کامیابی کیساتھ چل پڑا۔ وہ اینٹیک فرنیچر جیولری اور آرٹ کے شاہکار یورپ برآمد کرنے لگا۔ دمشق کے سپلائر اُسے بہت پسند کرنے لگے وجہ یہ تھی کہ وہ کسی کا بل ایک لمحے کیلئے بھی نہیں روکتا تھا۔ اس کاروباری طبقے کیساتھ اُس کی اچھی خاصی گپ شپ بن گئی۔ وہ لوگ اُس کے ہاں کافی پینے آتے۔ اُن کو کیا پتہ تھا کہ اُن کے فرنیچر کا خریدار اپنی خفیہ مائیکروفلمیں ان کرسیوں اور میزوں کے اندر خفیہ خانوں میں چھپا کر یورپ بھیج رہا ہے۔

اور اُنہیں اسکا بھی علم نہیں تھا کہ بظاہر امیر ترین ایکسپورٹر نظر آنے والا کمال امین آدھی رات کو اپنے گھر کی تنہائی میں ہر روز ایک اسرائیلی جاسوس کا روپ دھار لیتا تھا۔ وہ اپنے مکان کے دروازے اچھی طرح لاک اور کھڑکیوں پر پردے گرا کر اپنے ننھے منے ٹرانسمیٹر کی طرف بڑھتا جو چھت پر لٹکے خوبصورت فانوس کے چینڈے میں چھپا ہوتا تھا۔ وہ سب سے پہلے اپنا کوئی نیا پیغام (message) ایک کاغذ پر لکھتا پھر اُسے اپنے مخصوص کوڈ (code) میں تبدیل کر کے ٹرانسمیٹر کے ذریعے تیزی کیساتھ تل ابیب نشر کر دیتا تھا۔ اپنے مکان کی چھت پر جہاں پہلے ہی سے ہمسایوں کے ٹی وی اینٹینا کی ایک کثیر تعداد لگی ہوئی تھی، اُس نے اپنا بھی ایک ایریل لگایا ہوا تھا جس کی ایک انتہائی باریک تار اُس کے نشریاتی سے کیساتھ جڑی ہوئی تھی۔ وہ پیغام کبھی دوبارہ نہیں براڈ کاسٹ کرتا تھا۔ اگر ایلی کوہن نے دن کے وقت کسی حساس مقام کی تصویر نکالی ہوتی تو رات کے وقت وہ اپنے کمرے میں انہیں مائیکروفلم میں تبدیل کر دیتا اور کسی فرنیچر یا کرسی میں خفیہ خانہ کھود کر اُس میں چھپا دیتا تھا۔ زیورخ میں اُس کا ایک آدمی ان برآمدات سے اپنی کام کی چیز نکال کر خفیہ ذرائع سے تل ابیب بھیج دیتا تھا۔ تل ابیب میں بیٹھے موساد کی اعلیٰ قیادت کیلئے کوہن کی بھیجی ہوئی تصویر اور پیغامات انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی تھی۔ اپنے قیام کے مختصر عرصے میں ہی اُسنے شام کی مسلح افواج کے اعلیٰ ترین عہدیداروں کیساتھ قریبی روابط پیدا کر لئے تھے۔ اُس کے حلقہ ارباب میں لیفٹیننٹ معاذ ظہیر الدین (چیف آف سٹاف کا بھتیجا)، جارج سیف جو ریڈیو دمشق میں چیف پروپیگنڈ براڈ کاسٹر تھا، اور کرنل سلیم حاتم (شام کی کریک پیراشوٹ رجمنٹ کا لیڈر) شامل تھے۔ اس کے علاوہ سرکاری افسروں اور وزیروں کیساتھ بھی وہ انتہائی فری ہو چکا تھا۔

اُس کا فلیٹ ملٹری ہیڈ کوارٹر کے عین بالمقابل تھا۔ وہ روز اپنی کھڑکی سے اس کا نظارہ کرتا تھا۔ وہ اس ہیڈ کوارٹر میں شب کو جلنے والے بلبوں کی تعداد سے اندازہ لگا لیتا کہ شامی فوج کوئی آپریشن کرنے والی ہے۔ اکثر جب ہیڈ کوارٹر میں سٹاف کاروں اور جیپوں کی ٹریفک معمول سے زیادہ ہو جاتی تھی تو یہ واضح علامت ہوتی تھی کہ وہ اسرائیل کے خلاف کوئی حملہ کرنے والے ہیں۔ اُس کی رہائش گاہ ایسے علاقے میں تھی جہاں چاروں طرف غیر ملکی سفارت خانے اور یو این او کے امن مشن کے دفاتر تھے، جس کی وجہ سے فضاء ہر وقت ریڈیائی لہروں کی ٹریفک سے بھری رہتی تھی۔ کوہن کو اس سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ اُس کے خفیہ ریڈیو پیغامات پکڑے جانے کا کوئی چانس نہیں تھا۔ دو مہینے بعد اُس نے تل ابیب کو ایک انتہائی اہم رپورٹ بھیجی

For three nights in a row lights blazing until dawn at military HQ. No coupd'
expected Likely cause of activity: action against Israeli forces Press, radio, T

part.cularly anti-zionist Last few days. Heavy troop movements in streets :

ایلی کوہن کی یہ اطلاع فوراً شام کی سرحد پر تعینات تمام کمانڈ پوسٹوں کو کر دی گئی۔ انہوں نے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اس اطلاع کی تصدیق بھی کر دی۔ شامی فوج کا بھاری توپ خانہ اور انفنٹری کے کالم دمشق سے روانہ ہو چکے تھے۔ اسی دوران میں اسرائیلی ائر فورس نے اچانک حملہ کر کے ایک شامی ملٹری بیس کو تباہ کر دیا۔ جب شام کی فوجوں نے دیکھا کہ دشمن تو پہلے سے ہی تیار تھا لہٰذا وہ مجبوراً واپس چلی گئیں۔ ایک اسرائیلی روزنامے کے مطابق ایلی کوہن نے یہ ضرب المثل سچ کر دکھائی۔

"A good agent is worth a division of men" اُس نے اپنے قیام دمشق کے دوران تل ابیب کو سیاسی اور عسکری انٹیلی جنس کے بیش قیمت اعداد و شمار اور اطلاعات فراہم کیں۔ دمشق میں کسی متوقع سیاسی تبدیلی کے متعلق اُنکی رپورٹ اس قدر صحیح اور بروقت ہوتی تھی کہ موساد سے موصول کرتے ہی چند ہی گھنٹوں میں اسرائیلی وزیراعظم کے ڈیسک تک پہنچ دیتی تھی۔ بن گوریون انہی اطلاعات کو بنیاد بنا کر اہم پالیسی ساز فیصلے کرتا یعنی جنگ یا امن کا انتخاب۔

دمشق میں مسلسل چھ مہینے کام کرنے کے بعد جولائی 1962ء میں اُسے واپس اسرائیل بلایا گیا۔ چونکہ موساد چاہتی تھی دشمن ملک میں کام کرنے سے اُس کے اعصابی نظام پر جو بے پناہ دباؤ پڑا تھا اُسے کم کیا جائے۔ اُس نے چند دن اپنی فیملی کیساتھ بڑے سکون سے گذارے۔ معمول کے مطابق اس مرتبہ بھی اُس نے نادیہ کو اپنی اصل مصروفیات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا بلکہ اُسے دمشق کا ذکر تک نہیں کیا۔ موساد کی بریفنگ کے چند دنوں بعد وہ دوبارہ جاسوس کے روپ میں اپنے سفر پر روانہ ہوا تو اُس کے افسروں نے سختی سے تاکید کی کہ وہ وہاں کسی غیر ضروری خطرات میں پڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اُسے پورا اختیار دیا گیا کہ وہ تل ابیب سے کسی بھی مطالبے کو مسترد کر سکتا ہے، اگر وہ سمجھے کہ اس قسم کی معلومات حاصل کرنے سے اُسے کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ لیکن ایلی کوہن نے اُن کی وارننگ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ میں اصل میں کون ہوں اُس کے افسروں کو بس یہی فکر لاحق تھی کہ اُن کے اس مایہ ناز جاسوس میں حد سے زیادہ خود اعتمادی تھی۔

وہ ایک بار پھر یورپ سے ہوتا ہوا دمشق پہنچا۔ وہ حسب معمول اپنے دوستوں کیلئے زبردست تحفے و تحائف ساتھ لایا تھا۔ شراب و کباب کی محفلوں میں وہ اکثر اسرائیل اور یہودیوں کے خلاف بولتا اور ہٹلر کی بے پناہ تعریفیں کرتا۔ اُس کی اس جذباتی کیفیت کو دیکھتے ہوئے ایک دن شیخ مجید اُسے ایک جرمن پناہ گزین کے گھر لے گیا Franz Radmacher سابقہ نازی افسر تھا۔ اس نے ہٹلر کے دستِ راست ایڈولف ایشمین کے حکم پر بیلجیئم اور یوگوسلاویہ کے لاکھوں یہودیوں کے قتل عام میں اہم رول ادا کیا تھا۔ جنگ کے خاتمے پر وہ فرار ہو کر شام پہنچ گیا تھا۔ یہاں اب وہ شامی سیکرٹ سروس میں بطور ایڈوائزر ملازم تھا۔

ایلی کوہن نے جونہی یہودیوں کے اس قاتل سے ہاتھ ملایا تو اُس کے دل میں اُسے کسی طرح قتل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی، کیونکہ اُسے ایشمین کی طرح اغوا کرنا ممکن نہیں تھا۔ واپس آتے ہی رات کو اُس نے اپنے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی۔

"Met former Nazi Radmacher now working as adviser for syrian secret service.Ly

shahbander street propose to Liquidate him"

اس چونکہ دریافت سے موساد کی اعلیٰ قیادت میں کھلبلی مچ گئی۔ کیونکہ جنگ کے بعد اتحادی ملکوں نے اور خود اسرائیل کی خفیہ ایجنسیوں نے اس شخص کی کھوج میں دنیا کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ لیکن وہ ایلی کوہن کے ذریعے اُسے قتل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ اپنی موجودہ حیثیت میں جس قدر اہم رول ادا کر رہا تھا وہی اُن کیلئے کافی تھا۔ دوسری صورت میں وہ شامی سیکرٹ سروس کے ہتھے چڑھ سکتا تھا۔

اپنی دوسری تجویز میں کوہن نے کہا کہ براہِ راست قتل کے بجائے وہ اس شخص کو پارسل بم بھیج سکتا ہے۔ مگر اس بار بھی تل ابیب نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ بالآخر اسرائیلی سفارت کاروں نے جرمن حکام کو اطلاع کر دی کہ اُن کا مفرور دمشق میں فلاں پتے پر رہ رہا ہے۔ یوں شام کی حکومت پر سفارتی دباؤ ڈال کر جرمنی نے اُسے واپس حاصل کر لیا۔ اُس پر بعد میں مقدمہ چلایا گیا۔ ایلی کوہن کا فلیٹ فوج اور سول محکموں کے بااثر افراد کیلئے عیاشی کا اڈہ بن چکا تھا۔ ہر دوسرے تیسرے دن یہاں شراب و کباب کی محفلیں جمتیں۔ کوہن اُن کیلئے اعلیٰ ترین شمپین اور حشیش کا بندوبست کرتا۔ وہ لوگ نشے میں اُن کی ایسی باتیں نوٹ کر لیتا جو ملک کی سیکرٹ پالیسی کے متعلق ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ اکثر فوجی افسر بھی کبھار اپنی داشتاؤں کے ساتھ اُسکے ہاں وارد ہو جاتے تھے۔ جارج سیف تو اکثر اپنی سیکرٹری ریتا انکلی کیسں کے ساتھ شام منانے آتا تھا۔ اس کے بدلے میں اُس نے کوہن کیلئے اپنے دفتر کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے۔ سیف کا کام اسرائیل کے خلاف ریڈیو پروپیگنڈہ تھا۔ اُس کی میز پر اکثر حساس دستاویزات بکھری ہوتی تھیں۔ وہ بڑے فخر سے کوہن کو سب کچھ دکھا دیتا۔

جارج سیف کے آفس میں اُس کا آنا جانا اس قدر زیادہ تھا کہ اب تو سیکورٹی گارڈ بھی اُس سے مانوس ہو گئے تھے۔ ایک دو مرتبہ وہ سیف کی غیر موجودگی میں اُس کے دفتر میں جا گھسا۔ اُس نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کئی اہم دستاویزات کی تصاویر اتاریں۔ لیفٹیننٹ معاذ (چیف آف سٹاف کا بھتیجا) کوہن کیساتھ بے حد کھلا گپ شپ لگاتا تھا۔ ایک دن کوہن نے اُسے کہا۔ شام کے پاس اتنا جدید اسلحہ بھی نہیں ہے پھر کیسے اُس نے اسرائیل کیساتھ اپنی سرحد پر موثر مورچہ بندی کی ہے، اور اکثر اسرائیلی قصبات پر زبردست گولہ باری کرتا ہے۔ آخر اپنے دوست کی تسلی کیلئے معاذ نے ایک دن اُسے سرحدی چوکیاں دیکھنے کی دعوت دی۔

جولان کی پہاڑیاں شام اور اسرائیل کے درمیان بین الاقوامی سرحد کا کام کرتی تھی۔ یہاں شام نے انتہائی جدید جنگی ساز و سامان جمع کر رکھا تھا۔ اس علاقے میں بغیر اجازت کوئی سول شخص قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ خلاف ورزی کرنے والے کو موقع پر ہی شوٹ کا حکم تھا۔ معاذ اُسے اپنی جیپ میں یہاں لے آیا۔ بارڈر پولیس نے اُن دونوں کا پرتپاک استقبال کیا۔ انہوں نے ایلی کوہن کو فل پروٹوکول اس وجہ سے دیا کہ وہ جنرل امین الحافظ کا قریبی دوست بھی تھا۔ کمانڈنگ آفیسر نے اُسے ہر وہ جگہ اور تنصیب دکھائی جو وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے وہ گہرے بنکر بھی دیکھے جہاں شام نے لونگ رینج توپیں رکھی ہوئی تھیں۔ اُس نے ایک دوسرے مقام پر 122mm کی روسی ساختہ مارٹر گنیں دیکھیں جو سو کے قریب تھیں۔ وہ دل ہی دل میں تمام تنصیبات کی جگہوں اور سمت کو نوٹ کرتا رہا۔ اُس نے واپس آ کر اپنے ریڈیائی پیغام میں گولان کے متعلق ایک تفصیلی رپورٹ تل ابیب بھیجی

"The Golan heights has been converted into13-mile wide military out post with str

points builts on ridges and mountain peaks. The area is Criss-Crossed with de communication trenches screened from the view of local villages. Anti-tank bunk heavy machin-gun posts are mingled with tanks and cannon dug into the black ea Ammunation dumps are hidden deep under ground. The whole area is protected mine fields and zones of barbed wire" over 200 T54 tanks recently arrived fro Soviet Union

1962ء اور 1963ء کے درمیان وہ لیفٹیننٹ معاذ کیساتھ کئی بار یہاں آیا۔ شامی اُس پر اس قدر اعتماد کرتے تھے۔ کہ وہ واحد سول شخص تھا جسے انتہائی خفیہ آمات اور ہتھیاروں کی تصویریں اُتارنے کی اجازت تھی۔ انہی تصویروں کی مدد سے اسرائیلی فوج کو شامی توپ خانے کی صحیح جگہوں اور سمت کا پتہ چلا۔ ایک دو مرتبہ تو ایک فوجی افسر نے اُسے باقاعدہ نقشے اور خاکوں کی مدد سے اپنی پوری ڈیفنس سسٹم کے بارے میں انکشافات کیئے۔ قنیطرہ شامی فوج کا انتہائی اہم ملٹری بیس تھا۔ یہاں بھی اُس نے کئی دفعہ راتیں گذاریں۔ یہاں سے جدید ریڈار سٹیشن دیکھنے گئے۔ وہاں روسی افسروں نے دمشق سے آئے ہوئے اس اہم شخصیت کیساتھ فوٹو گرافی کی۔ تل ابیب میں اُسکے افسروں کو اس کی تنہائی و رفیلی سے جدائی کا احساس تھا۔ لہٰذا انہوں نے ایک بار پھر اُسے چھٹی پر بلانے کا فیصلہ کیا۔ جون 1963ء میں شام کے سیاسی حالات میں اچانک تبدیلی رونما ہوئی بعث پارٹی نے حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور جنرل امین الحافظ یعنی ایلی کوہن کے دیرینہ دوست کو ملک کا نیا صدر بنا دیا۔ صدر نے اس خوشی میں اپنی رہائش گاہ مہاجرین پیلس میں ایک رنگا رنگ تقریب کا اہتمام کیا تو کوہن کو خصوصی طور پر مدعو کیا۔ وہ جب ملک کے نئے وزیر اطلاعات کے ہمراہ صدارتی محل پہنچا تو صدر مملکت نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی کیساتھ اُس کا استقبال کیا۔ وہ جونہی صدر سے بغل گیر ہوا تو فوٹو گرافروں نے اُنکی لاتعداد تصویریں اتاریں پھر صدر نے اُس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ میری بیوی کو تمہارا بھیجا ہوا فر کوٹ بے حد پسند آیا ہے۔ ایک ہزار ڈالر مالیت کا یہ کوٹ موساد کے ایک ایجنٹ نے پیرس میں خریدا تھا۔

ایلی کوہن نے فوٹو گرافروں سے کہا کہ اُسے ان تصویروں کی ایک کاپی ضرور مہیا کرنا، پھر صدر کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ آپ کیساتھ اتاری گئی یہ تصاویر میرے لئے اعزاز سے کم نہیں ہیں۔ اسرائیل میں چند ہفتے قیام کے بعد جب وہ واپس دمشق پہنچا تو اُس نے اپنے متعلق زبردست قیاس آرائیاں سنی۔ لوگوں میں خبر گرم تھی کہ کمال امین کو جلد کوئی اہم سرکاری عہدہ ملنے والا ہے۔ کچھ روز بعد اُس کا نام وزیر اطلاعات اور پروپیگنڈہ کے منصب کیلئے لیا جانے لگا۔ لیکن صدر نے تجویز پیش کی کہ اُسے وزارت دفاع کیلئے تیار کیا جائے۔ لیکن اُس نے صدر سے کہا کہ فی الحال وہ اتنی بڑی ذمہ داری کیلئے تیار نہیں ہے، وہ پارٹی کیلئے کچھ کرنا چاہتا ہے۔

دراصل کوہن اتنی تیزی کیساتھ آگے بڑھنا نہیں چاہتا تھا۔ وزیر دفاع بن کر وہ انٹیلی جنس اداروں کی کڑی نگرانی میں اپنا کام اتنی سہولت کیساتھ نہیں کر سکتا تھا جتنا وہ اب کر رہا تھا۔ صدر نے اُس کا تعارف اپنی تمام کابینہ کے ارکان کیساتھ کیا۔ اور اسکے جذبہ حب الوطنی کو سراہتے ہوئے کہا

کہ اس شخص نے ملک اور پارٹی کیلئے بیونس آئرز میں اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر دمشق میں رہنے کو ترجیح دی۔ کھانے کی میز پر کوہن نے صدر کو تجویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ پارٹی کی خاطر پروپیگنڈہ کیلئے بیونس آئرز کا دورہ کرنا چاہتا ہے، جہاں وہ مالدار شامی کیمونٹی میں اُس کیلئے زبردست حمایت پیدا کرے گا۔ اس دورے کے سارے اخراجات وہ اپنے اکاؤنٹ سے پورا کرے گا۔ صدر اپنے دوست کے اس پُر خلوص جذبے سے بے حد متاثر ہوا۔ اُس نے کوہن کو اجازت دی کہ وہ فوراً اپنے دورے پر روانہ ہو جائے۔

کوہن نے بیونس آئرز میں نہ صرف زبردست پروپیگنڈہ مہم چلائی بلکہ بعث سوشسٹ پارٹی کیلئے نو ہزار ڈالر کا خطیر چندہ بھی جمع کیا۔ اُس نے اپنی طرف سے بھی ایک ہزار ڈالر ڈال کر واپس آ کر تمام رقم صدر کو پیش کی۔ کوہن اب شام کے برسراقتدار طبقے میں نمایاں شخصیت بن چکا تھا۔ وہ اکثر صدر کیساتھ ملاقاتیں کرتا۔ اُس نے صدر کے کہنے پر اردن کا ایک خفیہ دورہ بھی کیا جہاں اُسے صدر کے ایک سیاسی حریف کو وطن واپس آنے پر راضی کیا۔ ایک روز اُسے ریڈیو دمشق نے اپنی بیرون ملک نشریات کے پروگرام میں مدعو کیا۔ جس میں کوہن نے جنوبی امریکہ میں مقیم شامیوں کو وطن واپس آنے کی اپیل کی تاکہ وہ بعث پارٹی کی مدد کریں۔

موساد نے بھی یہ براڈکاسٹ بڑے غور سے سُنی، کیونکہ ان نشریات میں بھی کوہن نے انہیں کچھ پیغامات بھیجے جسے کسی بھی شامی ریڈیو ایکسپرٹ نے محسوس نہیں کیا۔ چونکہ وہ مستقبل میں شام کا وزیر دفاع بننے والا تھا لہٰذا اُسے فوجی معاملات سے باخبر رکھنا نہایت ضروری تھا۔ اُسے شام کی سرحدوں پر واقع متعدد حساس مقامات کا سرکاری دورہ کرایا گیا۔ وہ 1964ء میں پورا سال ملٹری ہیڈ کوارٹر کے اہم اجلاسوں میں شریک ہوتا رہا۔ یوں کہیئے وہ بڑی کامیابی کیساتھ شام کے ارباب اقتدار کو بیوقوف بناتا رہا۔ اُس نے روسی ساختہ مگ 21 جو حال ہی میں شامی ائرفورس میں شامل کیے گئے تھے، کے انتہائی قریب سے لی گئی تصاویر اسرائیل بھیجیں۔ وہ اسٹیک میزوں اور کرسیوں کے پایوں میں جگہ بنا کر اُن میں فلموں کے رول رکھ دیتا تھا۔ زیورخ میں موساد کی قائم کردہ ایک فرم ان فرنیچروں کی "خریدار" تھی۔

1964ء کے موسم گرما میں تل ابیب نے کوہن کو یک انتہائی اہم پیغام بھیجا۔ اسرائیل میں پانی کے تقسیم کیلئے یک مربوط پائپ لائن سسٹم ہے، اور یہ پانی بحیرہ گلیلی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس سمندر میں دریائے اردن گرتا ہے جبکہ خود دریائے اردن کو جو دو اور معاون دریا تقویت دیتے ہیں اُن کا منبع جولان کی پہاڑیوں میں ہے۔ شام ان دو دریاؤں کا رُخ موڑ کر اپنی بنجر زمینوں کو سیراب کرنے کا پلان تیار کر رہا تھا۔ یوں اسرائیل کے آب رسانی کا پورا نظام خطرے میں پڑ گیا تھا۔ ایک عرب سربراہ کانفرنس میں اس پلان کی متفقہ منظوری دی گئی۔ مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے تو شام پر زور دیا کہ فوراً منصوبے پر کام شروع کیا جائے۔ بالآخر اس عظیم منصوبے کا ٹھیکہ ایک یوگوسلاوین فرم (Energo-profekt) کو دیا گیا۔

فرم نے پوری زور و شور سے کام شروع کیا۔ اُنہوں نے دریاؤں کا رخ موڑنے کیلئے متعدد نہریں کھودنا شروع کیں۔ یہ منصوبہ اسرائیل کیلئے حملے سے کم نہیں تھا۔ موساد کے ہیڈ کوارٹر نے کوہن کو حکم دیا

"We need full details of the project plans, diagrams, the type of equipmint being u

& precisely where it is located, This is absolutely top-priority"

کوہن نے اُنہیں کبھی مایوس نہیں کیا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے اس پروجیکٹ کی حفاظت کیلئے جن فوجی یونٹوں کو متعین کیا گیا تھا اس کا کمانڈر اُسکا قریبی دوست کرنل حاتم تھا۔ حاتم نے اُسے منصوبے کے متعلق تمام کاغذی مواد اور نقشے فراہم کر دیے۔ اُسے فرم کے ماہرین سے بھی ملوایا۔ اُس نے منصوبے کی تکمیل کی تاریخ بھی معلوم کی۔ اس عظیم منصوبے پر کروڑوں ڈالر خرچ ہو رہے تھے۔ سینکڑوں بُل ڈوزر اور بھاری مشینری دن رات حرکت کر رہی تھی۔ تین مہینوں کے اندر اندر اُس نے اپنے ہیڈ کوارٹر کو پوری سکیم کے متعلق تفصیلات فراہم کر دی۔ اسی سال نومبر میں وہ تیسری مرتبہ اسرائیل گیا تو اُس کے ہاں پہلے بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی۔ اُسنے اس خوشی میں اپنے گھر میں ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں خاندان کے سبھی افراد نے شرکت کی۔ وہ موساد کے لوگوں کو بھی مدعو کرنا چاہتا تھا مگر اُسے منع کر دیا گیا کیونکہ اس چھوٹی سی گھریلو تقریب میں چند پُراسرار اجنبی چہرے اُس کے رشتہ داروں کو شک میں ڈال سکتے تھے۔ نادیہ اور بھائیوں نے اُس کے مزاج میں کچھ چڑ چڑا پن محسوس کیا تھا وہ معمولی بات پر ناراض ہونے لگتا تھا کبھی گہری سوچوں میں گم ہو جاتا تھا۔ دشمن ملک میں اُسکی خفیہ سرگرمیاں اُسکے ذہن پر بے پناہ دباؤ ڈال رہی تھی، وہ اب مسلسل خوف و ہراس کیوجہ سے نفسیاتی مریض بنتا جا رہا تھا۔

تمام دن کام کرنے کے بعد رات کے اندھیرے میں وہ اپنے مکان کے ایک کمرے میں خفیہ رپورٹ اور معلومات کا خلاصہ تیار کرتا پھر اِن کا خفیہ زبان (code) میں ترجمہ کر کے تل ابیب ٹرانسمٹ کرتا۔ اکثر وہ صبح تک اپنے ڈارک روم میں مائیکرو فلم کی کاپیاں بناتا رہتا تھا۔ اس سب کچھ کے علاوہ اُس کا ایک وسیع حلقۂ احباب تھا۔ وہ ان دوستوں کے ساتھ کاک ٹیل پارٹیاں اور فنکشن اٹینڈ کرتا۔ بقول کوہن کے اُس کی زندگی ایک مشین کی مانند تھی جو دن کے چوبیس گھنٹے چلتی رہتی تھی۔ کام کی زیادتی اور دشمن ملک میں اکیلے خطرناک مشن کی تکمیل سے اُس کے ذہن پر شدید نفسیاتی دباؤ پڑ رہا تھا، ایسے میں اُس کی شخصیت میں تبدیلی ایک قدرتی امر تھا۔ اپنے خاندان سے اُس نے کبھی اپنی سرگرمیوں کا ذکر نہیں کیا۔ اُن کیلئے وہ یورپ میں مقیم تھا لیکن کبھی کبھار اُس کی زبان سے ایسا جملہ نکل جاتا تھا کہ گھر والے شک میں پڑ جاتے تھے۔ مثلاً ایک دن اُس کی ماں نے کہا کہ وہ اُس کیلئے ایک سپیشل شامی ڈش تیار کرنے والی ہے تو کوہن نے کہا ارے چھوڑ دا سے تو میں روز ہی کھاتا ہوں۔ اس پر ماں نے کہا تم تو یورپ میں رہتے ہو پھر یہ شامی ڈش تمہیں کہاں سے ملتی ہے۔ ایک دوسرے موقع پر وہ اپنے بھائی موریس کے گھر اُس کی بچی کیلئے ایک گڑیا لیکر گیا۔ یہ فرانس کی بنی ہوئی تھی۔ بھائی نے پوچھا کیا تم حال ہی میں پیرس گئے تھے تو کوہن نے بغیر سوچے کہا نہیں تو میں تو کافی عرصے سے پیرس نہیں گیا ہوں۔ اس بات پر موریس شک میں پڑ گیا۔ تو پھر یہ گڑیا کہاں سے آئی ہے تمہارے پاس؟ اس بات پر کوہن اچانک سخت برہم ہو گیا کیا مطلب ہے تمہارا کیا میں جھوٹا ہوں۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ لیکن موریس کو پہلے ہی کوہن کی سرگرمیوں کے متعلق شک تھا۔ بالکل اتفاق سے موریس بھی موساد کا اہل کار تھا۔ وہ ہیڈ کوارٹر میں بطور ریڈیو آپریٹر ملازم تھا۔ اُسے دمشق میں اپنے ٹاپ ایجنٹ کے متعلق تو پتہ تھا لیکن یہ نہیں پتہ تھا کہ وہ اسکا اپنا بھائی ہے۔ موساد نے یہ بات اُس سے ہمیشہ چھپا رکھی تھی۔ لیکن کچھ عرصہ چند ایسے اتفاقات رونما ہوئے جس سے موریس کو شک ہونے لگا کہ دمشق سے خفیہ پیغامات بھیجنے والا ایجنٹ اُس کا اپنا بھائی ہے مثلاً کوہن کبھی کبھار اپنی نشریات میں ذاتی پیغامات بھی شامل کر لیتا تھا۔ جیسے بچی کو سالگرہ مبارک بیوی کو شادی کی سالگرہ مبارک وغیرہ۔ موریس نے محسوس کیا کہ بالکل یہی تاریخیں اُس کے بھائی کی بچی اور بیوی کی سالگرہ کی ہیں۔ اس کے علاوہ اب کوہن کی اسرائیل آمد

کے بعد دمشق سے ریڈیو پیغامات کا سلسلہ بھی بند تھا۔ اس سے موریس کو یقین ہو گیا تھا کہ دمشق میں کام کرنے والا اسرائیلی جاسوس اُسکا اپنا بھائی ہے۔ اُس کا دل مچل رہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کو بتا دے کہ وہ اُس کے راز سے واقف ہو چکا ہے مگر وہ ایسا کر کے اُس کی خود اعتمادی کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ کوہن کے ایک دوسرے بھائی افرائم نے بھی بعد میں کسی سے کہا کہ اُسے کوہن نے قیمتی جوتے تحفے میں دیے تھے بقول اُس کے یہ ترکی میں خریدے گئے تھے مگر جب میں نے جوتے کے اندر ایک سٹکر دیکھا جو عربی میں لکھا ہوا تھا تو میں خاموش ہو گیا۔ ایلی کوہن کی طبیعت و مزاج میں تبدیلی کو نادیہ نے سب سے زیادہ محسوس کیا تھا۔ وہ کچھ دن تو خاموش رہی آخر ایک دن اُس نے مسکراتے ہوئے اُسے کہا۔ مجھے تمہارے متعلق سب کچھ پتہ ہے بلکہ تمہارے بونس آرز جانے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ تم کس ادارے کیلئے کام کر رہے ہو۔ ایلی کوہن بھی بیوی کے اس اچانک انکشاف پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ موساد کے اعلیٰ افسروں نے اُس کی ذہنی کیفیت کو دیکھتے ہوئے اُسے مزید چھٹیاں گذارنے کا مشورہ دیا۔ بلکہ انہوں نے اُسے اجازت دی کہ اگر وہ دمشق جانا نہیں چاہتا تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا، وہ پہلے ہی اسرائیل کیلئے بہت کچھ کر چکا ہے۔ میں ایک آخری بار دوبارہ جاؤں گا۔ ایلی کوہن نے اپنے باس کو کہا۔ میں نے ابھی دمشق میں کافی کام نپٹانے ہیں پھر میں واپس آجاؤں گا۔ دو دن جانے سے پہلے وہ نادیہ اور بچوں کو لیکر سمندر کے کنارے گیا۔ رات کو انہوں نے بحیرہ روم کے ساحل پر ایک ریستوران میں کھانا کھایا۔ اُس نے کھانے کی میز پر بڑے افسردہ لہجے میں نادیہ کو کہا۔ میں تم لوگوں سے ہمیشہ دور رہتا اب بالکل نہیں چاہتا۔ میں اس قسم کی زندگی سے تنگ آچکا ہوں مجھے اس مرتبہ آخری بار جانے دو۔ وعدہ کرتا ہوں کہ واپس آکر پھر کبھی تم لوگوں سے جدا نہیں ہونگا ایک دن کیلئے بھی نہیں۔ دوسرے روز جب وہ روانہ ہوا تو نادیہ پہلی بار دل کھول کر روئی۔

جنوری **1965**ء

شب کا آخری پہر تھا اور دن کا اجالا آہستہ آہستہ تاریکی کو چیر رہا تھا۔ باہر ہلکی بوندا باندی بھی شروع ہو چکی تھی۔ دمشق ابھی گہری نیند میں مدہوش تھا۔ ایلی کوہن سردی سے بچنے کیلئے ایک موٹی چادر اوڑھے اپنے بستر پر اپنے ٹرانسمیٹر کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تل ابیب سے کسی اہم حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ گذشتہ شام ایک دعوت کے موقع پر اُسے کرنل حاتم کی زبانی پتہ چلا تھا کہ صدر حافظ نے اپنی سیکرٹ سروس کے اعلیٰ حکام کیساتھ ملکر ایک اہم فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے فلسطینیوں کے مختلف دھڑوں کو ایک منظم تنظیم میں ضم کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اور انہیں شام کے ملٹری اداروں میں تربیت دینے کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر یہ خفیہ رپورٹ موساد نے اسرائیلی وزیر اعظم کے ڈیسک تک پہنچا دی تھی۔ ایلی نے اپنی کلائی گھڑی پر نگاہ ڈالی تو صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ اُس نے اپنے ریسیور کی سوئی مقررہ فریکوئنسی پر سیٹ کر دی کیونکہ اب چند ہی لمحوں میں اُس کا تل ابیب سے ریڈیائی رابطہ ہونے والا تھا، کہ اچانک اُس کے فلیٹ کا دروازہ کوئی بُری طرح کھٹکھٹانے لگا اور اس کے ساتھ ہی اُس کے دل کی دھڑکن خطرے کو محسوس کرتے ہوئے تیز ہو گئی۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتا مضبوط چوبی دروازہ دھڑام سے ٹوٹ کر گر پڑا اور آٹھ مسلح کمانڈوز اندر گھس آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں پستول اور سٹین گن تھیں۔ وہ سادہ لباس میں ملبوس تھے۔ کوہن نے جونہی اپنے ٹرانسمیٹر کو چھپانا چاہا تو دو آدمیوں نے اُس کی کن پٹی پر پستول کی

نوک رکھ دی۔ خبردار اگر تم نے اپنی جگہ سے حرکت کی ان آدمیوں نے چیخ کر کہا۔

اس کے چند لمحوں بعد ایک شخص جس نے یونیفارم پہن رکھا تھا اس کے قریب آیا۔ کوہن نے اُسے فوراً پہچان لیا۔ وہ محکمہ انسداد جاسوسی یعنی Counter-intelligence کا چیف، کرنل احمد سویدانی تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی کوہن کا جاسوسی کیریئر اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ بعد میں کرنل احمد نے ایک لبنانی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے دعویٰ کیا کہ وہ بہت پہلے ہی کمال امین کے متعلق شک میں تھا میں نے اُس کی نگرانی شروع کر دی تھی بلکہ اُسکے پاس آنے جانے والے تمام افراد پر بھی میری نظر تھی۔ میں نے بذات خود اس کے ٹرانسمیٹر کا اینٹینا اُسکے مکان کی چھت پر دریافت کیا تھا۔ ہم نے کافی عرصہ اُسکی ڈاک چیک کی اور ٹیلیفون کالیں ٹیپ کیں۔ اُسکے وی آئی پی دوستوں کی فہرست سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اسرائیل کا خطرناک جاسوس ہے۔ لیکن کرنل سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ یہ ڈرامائی گرفتاری جنگل ایک حادثہ تھی، ایک اتفاق تھا۔ اُسکا کرنل سویدانی کی خفیہ نگرانی سے کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہی اُس نے کوئی ایسی غلطی کی تھی۔

ہوا یوں کہ کوہن کی رہائش گاہ کے قریب بھارتی سفارت خانہ تھا۔ اُسکے ریڈیو آپریٹرز مسلسل کئی مہینوں سے شکایت کر رہے تھے کہ دہلی کیساتھ اُنکی معمول کی ریڈیو کمیونیکیشن میں کوئی شخص خلل ڈال رہا ہے۔ شام کے متعلقہ محکمے نے بھارتی سفارت خانے کی درخواست پر عمل کرتے ہوئے بے حد کوشش کی مگر جدید آلات کی غیر موجودگی میں وہ اس غیر قانونی نشریات کا سراغ لگانے میں ناکام ہو گئے۔ آخر اُنہوں نے دمشق میں مقیم روسی سیکرٹ سروس (KGB) کے ماہرین سے مدد کی درخواست کی۔ روسیوں نے فوراً ماسکو سے ایک جدید ترین مشین Mobile Radio direction finder) منگوائی۔

اُنہوں نے اس آلے کی مدد سے بھارتی سفارت خانے کے آس پاس گلیوں میں چھان بین شروع کی۔ آخر کار آدھی رات کے قریب اُنہوں نے ایلی کوہن کی نشریات پکڑی۔ مگر وہ اس قدر مختصر دورانیہ کی تھی کہ اُس کی سمت کا تعین کرنا ممکن نہیں تھا۔ آخر بڑی تگ و دو کے بعد روسی ماہرین نے دو عمارتوں کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا کہ انہی میں سے ایک عمارت سے یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ایلی کوہن کی رہائش گاہ ان میں سے ایک عمارت میں تھی۔ شامی سیکرٹ سروس کے اہلکاروں نے ان کی تلاشی لینا شروع کی۔ ایلی کوہن اس حادثے سے بالکل بے خبر اپنے کام میں مصروف تھا اپنی گرفتاری سے دو دن پہلے اُس نے تل ابیب کو پیغام دیا کہ بار بار بجلی کی غیر متوقع بریک ڈاؤن کی وجہ سے اُسے اپنے پیغامات نشر کرنے میں دقت ہو رہی ہے۔ وہ بجلی کی عدم موجودگی میں اپنا ٹرانسمیٹر بیٹری کی مدد سے چلاتا تھا۔

جس صبح وہ اچانک گرفتار ہوا، اُس روز بھی اُس کے علاقے میں بجلی منقطع ہوئی تھی۔ وہ مجبوراً اپنی نشریات کیلئے بیٹری استعمال کر رہا تھا۔ اُسے دریافت کرنا اب بے حد آسان تھا۔ کیونکہ پورے ایریا میں بجلی کی عدم موجودگی کی وجہ سے کہیں بھی ریڈیو سسٹم آن نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو وہ صرف اور صرف ایلی کوہن کا تھا جو بیٹری کی مدد سے چل رہا تھا۔ عمارت کی صحیح نشان دہی ہونے کے بعد روسیوں نے شام کے محکمہ سراغ رسانی (Counter-Intelligence) کے افراد سے کہا کہ وہ عمارت کی چھت کی تلاشی لے۔ وہاں ٹی۔ وی اینٹینا کا ایک جنگل تھا لیکن تھوڑی دیر کی تلاش کے بعد اُنہوں نے ایک اینٹینا کیساتھ منسلک ٹی وی کی عام تار کے پیچھے ایک باریک دھاتی تار دریافت کی جو بل کھاتی ہوئی نیچے سیدھی ایلی

کوہن کے فلیٹ کے روشن داں میں ٹھسی ہوئی تھی۔

کرنل احمد سویدانی نے فوراً وائرلیس پر صدر کو اس دریافت کی اطلاع دی۔ صدر حافظ یہ سُن کر سخت پریشان ہوا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کمال امین، اُس کا دیرینہ دوست اسرائیلی جاسوس ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اس بات سے بھی بے حد خوفزدہ تھا کہ اپوزیشن اس واقعہ سے خاص فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ کرنل سویدانی نے صدر کو مشورہ دیا کہ فی الحال کوہن کو چند دن زیرِ نگرانی رکھا جائے تا کہ اُس کے باقی ساتھی بھی گرفتار کر لئے جائیں لیکن صدر نے کہا کہ نہیں، اسے فوراً حراست میں لے لو، لیکن گرفتاری کی یہ خبر فی الحال صیغۂ راز میں رکھی جائے۔ سویدانی جب دروازہ توڑ کر اُس کے فلیٹ میں داخل ہوا تو اُسنے ایلی کوہن کو گریبان سے پکڑ کر چیخ کر کہا۔ سؤر کے بچے بالآخر ہمارے ہاتھ آ گئے ہو تو اب بتاؤ تم کون ہو۔ تمہارا اصل نام کیا ہے اور کس ملک کے جاسوس ہو؟ ایلی کوہن نے ایک ہاتھ سے اپنا گریبان چھڑاتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا میرا نام کمال امین ہے اور میں ارجنٹینا سے ہجرت کر کے یہاں آیا ہوں۔ خیر اس کا تو میں پتہ چلا لوں گا۔ کرنل نے غراتے ہوئے کہا۔ لیکن ذرا انتظار کرنا۔ تمہیں میرے ہاتھوں مرنا تو ہے ہی لیکن اس سے قبل خدا کی قسم تم سب کچھ اُگل دو گے۔ تم اپنے سارے راز ہمارے حوالے کر دو گے۔ اپنے تمام شریک جرم ساتھیوں کے نام بتاؤ گے۔ تم تمنا کرو گے کہ اگر اس دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوتے تو اچھا ہوتا۔ جبکہ کرنل غصے سے چلا رہا تھا ادھر اُس کے دوسرے ساتھی فلیٹ کے پانچوں کمروں کی تلاشی لے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک پولیس افسر نے باآواز بلند کہا کہ اُسے دوسرا ٹرانسمیٹر بھی مل گیا ہے۔ اس کے علاوہ اُنہیں نہانے کے صابن میں پوشیدہ وافر مقدار میں طاقتور دھماکہ خیز مواد اور سائنائیڈ کی گولیاں بھی ملیں۔ کرنل نے دھماکہ خیز مواد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا یہ کس مقصد کیلئے تم نے رکھا تھا۔ ایلی کوہن نے دھیمے لہجے میں کہا یہ تخریب کاری کیلئے نہیں بلکہ خطرے کی حالت میں ان ٹرانسمیٹروں کو تباہ کرنے کیلئے تھا۔ تین دنوں میں سکیورٹی والوں نے کوہن کے فلیٹ کا ستیاناس کر دیا۔ درجنوں آدمیوں نے اُس کی چھت دیوار اور فرش کو ادھیڑ ڈالا۔

صوفہ سیٹوں اور بیڈز کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ قیمتی فرنیچر آری سے کاٹ ڈالا، وہ مزید جاسوسی مواد اور اُن افراد کی لسٹ ڈھونڈ رہے تھے جو اس جرم میں کوہن کے ساتھی تھے۔ اُنہوں نے اس عرصے میں کوہن پر کوئی تشدد نہیں کیا۔ صرف کرنل سویدانی اپنے ایک ساتھی عدنان تبصرہ کے ہمراہ مسلسل کئی گھنٹے اُس پر سوالات کی بارش کرتا رہا۔ تمہارے اور ٹرانسمیٹر کہاں ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ میرے پاس یہ دو ہی تھے میرا ان سے کام خوب چل رہا تھا تیسرے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بعد کرنل نے اُسے کہا کہ وہ تل ابیب کے ساتھ اپنا رابطہ دوبارہ قائم کر کے اُنہیں پیغامات بھیجنا شروع کرے لیکن اس بار ایلی کوہن کے پاس کرنل سویدانی کے لکھے ہوئے پیغام تھے۔ وہ دراصل اس طرح سے موساد کو دھوکہ دیکر دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ اپنے ایجنٹ سے کس قسم کی مزید معلومات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کوہن نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہی کیا جو شامی چاہتے تھے۔ اس کے اردگرد تین چار ریڈیو ایکسپرٹ بھی کھڑے تھے جنہوں نے اُس کے مخصوص کوڈ سسٹم کو بغور چیک کیا۔ لیکن ایک اہم چیز جسے شامی ماہرین سمجھ نہ سکے وہ کوہن کی پیغام ٹیپ آؤٹ کرنے کی مخصوص سپیڈ تھی جو اُس کے ہیڈ کوارٹر کے درمیان پہلے سے طے شدہ تھی۔ کوہن نے اپنی رفتار میں جونہی تبدیلی کی تو موساد کے ہیڈ کوارٹر میں کھلبلی مچ گئی۔ اُنہیں سگنل مل چکا تھا کہ اُن کا جاسوس بالآخر پکڑا گیا ہے۔

کچھ دیر بعد تل ابیب سے جواب موصول ہوا ہمیں تمہارا پیغام مل چکا ہے۔ کرنل سویدانی نے کوہن کو کئی بار یہ پیغام نشر کرنے کو کہا کہ مجھے مزید احکامات دیں لیکن تل ابیب سے ہر بار یہی جملہ موصول ہوتا۔(Message received)۔ادھر موساد کے ہیڈ کوارٹر میں کہرام مچا ہوا تھا۔کیمونیکیشن کے شعبے میں آپریٹر ایلی کوہن کے پیغام کی ٹیپ بار بار پلے کرتے رہے۔ موساد کے چیف کو انتہائی عجلت میں گھر سے بلایا گیا تھا۔کوہن کے ٹیپنگ روم میں تبدیلی واضح سگنل تھا کہ اب اُس کا جاسوسی کیریئر اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے اور بدترین تشدد اُس کا منتظر ہے۔

رات کو موساد کے چیف نے فوراً وزیراعظم لیوی اشکول کو یہ خبر دی۔ وہ اُس وقت اپنے بیڈروم میں محوِ خواب تھا۔ اُسے اپنی بیوی میریم نے جگا کر یہ خبر سُنائی۔ دوسرے صبح کرنل سویدانی نے کوہن کو ایک اور کوڈ پیغام بھیجنے کو کہا۔ تل ابیب سے جواب موصول ہوا کہ تمہارا پچھلی رات اور اس صبح کا پیغام مل چکا ہے مگر سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آج شام دوبارہ بھیجو۔ لیکن کوہن کو پتہ تھا۔ دراصل اس جملے میں تل ابیب اسے کہہ رہا تھا کہ اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھو اور دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ کرنل سویدانی سمجھ رہا تھا کہ موساد کا ہیڈکوارٹر اس کی چال کے نرغے میں آ گیا ہے۔ وہ ریڈیائی دھوکے کے اس پراجیکٹ کو ہفتوں جاری رکھنے کے موڈ میں تھا۔ لیکن صدر امین الحافظ کھیل کو جلد از جلد ختم کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے کرنل سویدانی سے خطرہ تھا کہ وہ اس واقعے کو سکینڈل بنا کر اُسکے خلاف پھیلا سکتا ہے۔ صدر نے حکم دیا کہ اُسے فوراً ملٹری ہیڈکوارٹر کی جیل منتقل کر دیا جائے۔ آخرکار 24 جنوری کو کرنل سویدانی نے ایلی کوہن کو ایک آخری پیغام بھیجنے کو کہا، جو کچھ اس قسم کا تھا:

"To the P M of Israel & chief of the secret service in Telaviv. Kamal & his friends our guest in Damascus. you will hear of their fate very soon signed: th counter-espionage service of syna

چند ہی لمحوں بعد دمشق سے پہنچنے والا یہ مراسلہ وزیراعظم لیوی اشکول کے ڈیسک پر پڑا تھا۔ اس کے ایک گھنٹے بعد ریڈیو دمشق نے اسرائیلی جاسوس کی گرفتاری کی خبر نشر کر دی۔ اس خبر سے جہاں موساد کے چیف پریشان ہوئے وہاں دمشق میں کئی اہم عہدوں پر فائز شامیوں کو اپنی زندگی کی فکر لاحق ہو گئی۔ صدر نے اپنے قریبی دوستوں اور خود اپنی ذات کو بچانے کی خاطر کرنل سلیم حاتم اور صالح کو ایلی کوہن سے پوچھ گچھ کیلئے اُسکے فلیٹ بھیجا۔ صدر نے انہیں طنزیہ کہا میرا خیال ہے کہ دمشق میں تم دونوں سے زیادہ کوئی کمال کے فلیٹ کے بارے میں نہیں جانتا ہوگا۔ صدر کو پتہ تھا کہ اُس کے یہ دوست کمال امین کے فلیٹ میں کس قسم کے دھندے کرتے تھے۔

کرنل سویدانی نے ان دو افسروں کی آمد پر خوشی کا اظہار نہیں کیا کیونکہ وہ اس واقعے سے درپردہ سیاسی فائدہ اٹھانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چند گھنٹوں بعد صدر بذاتِ خود ملٹری ہیڈکوارٹر پہنچا تو قیدی کو اُسکے سامنے پیش کیا گیا۔ صدر کو کسی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس کے سامنے کھڑا شخص وہی ارجنٹائنی عرب تھا جسے اُس نے بیونس آئرز میں دوست بنایا تھا اور اُسے دمشق بلا کر اُس پر اس قدر اعتماد کیا تھا۔ اُسکی بیوی نے آج بھی کمال کے تحفے میں دیا ہوا فرانسیسی فرکوٹ پہنا ہوا تھا۔ یہ غدار شخص کئی مرتبہ صدارتی محل میں اُس کا ذاتی مہمان بن کر آیا تھا۔ وہ اسے بھائی سمجھتا رہا تھا وہ ایوان اقتدار میں اس قدر اندر گھس چکا تھا کہ چند ہی دنوں میں ملک کا وزیر دفاع بننے والا تھا۔ بلکہ صدر تو اُسے اپنا جانشین بنانے کا بھی سوچ رہا تھا۔ تھوڑی

دیر کیلئے دونوں آدمیوں نے خاموش نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ایلی کوہن نے سکوت کو توڑ کر گلو گیر آواز میں کہا "I am Eli cohen from Telaviv a soldier in the Israeli army" بعد میں صدر الحافظ نے ایک خبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔ میں نے بذاتِ خود اُس قیدی کا انٹرویو کیا پہلے میری سیکورٹی سروس اُسے حقیقی عرب مسلمان سمجھ رہی تھی جسے اسرائیل نے ہماری جاسوسی کرنے بھیجا تھا مگر میں نے اُس کی آنکھوں کا رنگ دیکھ کر اندازہ لگالیا تھا کہ وہ کٹر یہودی ہے پھر میں نے اُسے نماز سنانے کو کہا تو وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا۔

لیکن صدر بھی جھوٹ بول رہا تھا۔ انہوں نے پوچھ گچھ کیلئے ایلی کوہن کو چار ہفتے ایک ملٹری کیمپ میں رکھا جہاں اُسے منظم طریقے سے اذیت دی گئی کہ اُسے ہٹلر کی خفیہ پولیس گسٹاپو (Gestapo) بھی نظر آنے لگی تھی۔ اُسکے نتھنوں اور اعضائے تناسل اور دیگر حساس جگہوں کو لاتعداد برقی صدمے دیے گئے۔ اُسکے ہاتھ پاؤں کے ناخن ایک ایک کر کے نوچے گئے۔ اس کے علاوہ شامی سیکرٹ سروس نے اُس کے جسم پر تشدد کے وہ طریقے استعمال کیے جو انہیں گسٹاپو کے سابقہ اہلکاروں نے سکھائے تھے۔ لیکن وہ کسی بھی مرحلے میں ایلی کوہن کو توڑ نہ سکے۔ آخر تھک ہار کر انہوں نے اُسے سوں جیل منتقل کر دیا۔ جیل کے حکام اُسکی بے انتہا قوتِ ارادی اور مستقل مزاجی سے بے حد متاثر ہو چکے تھے۔ یلی کوہن کی گرفتاری کے بعد پولیس نے پانچ سو کے قریب شامی مردوں اور عورتوں کو حراست میں لیا۔ ان افراد میں وہ سرکاری سیکریٹریاں، ائیر ہوسٹس اور کال گرلز بھی شامل تھیں جو اکثر کوہن کے فلیٹ کا چکر لگایا کرتی تھیں۔ معذ ظہیر الدین، جارج سیف اور دیگر اعلیٰ شخصیات کو بھی پولیس نے راتوں رات گھروں سے گرفتار کر کے جیل میں ٹھونس دیا تھا۔

ایک لبنانی اخبار میں کوہن کی اعلیٰ سطح کی جاسوسی کے متعلق ایک آرٹیکل شائع ہوا۔

"Damascus took decision at Cabinet meetings in the morning ELI cohen transm them to Tel Aviv the same evening"

صرف ایک یونانی جرنلسٹ کو جاسوس سے انٹرویو لینے کی اجازت دی گئی۔ کوہن نے اُسے کہا۔ "میں اپنے ملک کی خاطر شام آیا تھا، میں نے اپنے ہم وطنوں، اپنی بیوی اور تین بچوں کے مستقبل کیلئے یہاں دن رات محنت سے کام کیا، میں پوری دنیا پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے کبھی اسرائیل سے غداری نہیں کی"۔ اپنے ایجنٹ کی زندگی بچانے کیلئے اسرائیل نے عالمی سطح پر زبردست تگ و دو کی۔ اسرائیلی وزیراعظم نے کہا۔ جدید اور مہذب ملک جاسوسوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے۔ وہ انہیں اپنے گرفتار شدہ جاسوسوں کے تبادلے میں چھوڑ دیتے ہیں یا کچھ عرصہ قید میں رکھ کر خاموشی کیساتھ رہا کر دیتے ہیں۔

اسرائیل نے سیاسی اور سفارتی سطح پر کوششیں تیز کرتے ہوئے مختلف ملکوں کے سفیروں، تاجروں اور سربراہ مملکت کو شام پر دباؤ ڈالنے کی اپیل کیں۔ ایلی کوہن پر ایک خصوصی فوجی عدالت میں مقدمہ شروع ہونے والا تھا۔ وقت تیزی سے کھسک رہا تھا اور اسرائیل اُسکی جان بچانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ کئی ملکوں کے مشہور وکیلوں نے شام سے درخواست کی کہ انہیں ایلی کوہن کی طرف سے مقدمہ لڑنے دیا جائے۔ فرانس کے دو وکیل تو دمشق بھی پہنچ گئے۔ وہ بطور آبزرور اس کارروائی میں بیٹھنا چاہتے تھے۔ اُن میں سے ایک وکیل Jacques Mercier

نے فرانس میں کئی قوم پرست الجزائری لیڈروں کا مقدمہ لڑا تھا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب الجزائر کے حریت پسند فرانس کے خلاف اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ لہٰذا کم از کم وہ ایک ایسا شخص تھا جس پر شام بھی عرب مخالف عزائم کا الزام نہیں لگا سکتا تھا۔

لیکن جب خصوصی ٹرائیبونل نے کام شروع کیا تو اسرائیل نے اپنے جاسوس کو موت کے منہ میں جاتے دیکھا۔ عدالت نے اُسے کسی قسم کی قانونی مدد یا وکیل کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ فرانسیسی وکیلوں کو کمرہ عدالت میں داخل ہونے سے منع کر دیا گیا۔ حالانکہ کئی یورپی ملکوں نے کئی بار اس کیلئے درخواست بھی کی۔ اس مقدمے میں ایلی کوہن کیلئے سب سے بدترین پہلو یہ نکلا کہ مقدمے کی صدارت کیلئے کرنل صالح اور کرنل حاتم کو دوسرے پانچ ججوں کیساتھ معاون مقرر کیا گیا۔ اور یہ دونوں اشخاص ایلی کوہن کے اس قدر قریب رہ چکے تھے کہ انہیں پتہ تھا کہ اگر ایلی کوہن کیساتھ نرمی برتی گئی تو بعد میں اُن کی اور صدر امین الحافظ کی خیر نہیں ہوگی۔ مقدمے کی تمام کاروائی بند کمرے میں ہوئی۔ جرح کے کچھ منتخب حصے ٹیلے ویژن پر بھی دکھائے گئے۔ بے پناہ تشدد کے باوجود ایلی کوہن نے اپنے ہوش وحواس کو قابو میں رکھتے ہوئے نہایت اطمینان سے تمام سوالوں کے جوابات دیے۔

یہ بات بڑی حیران کن تھی جب اُس سے پوچھا گیا کہ کیا وہ کرنل حاتم اور صالح کو جانتا ہے تو اُس نے نفی میں جواب دیا۔ لیکن اُس نے اس کے علاوہ لاتعداد شامی افسروں اور تاجروں کے نام لئے جو بقول اُسکے اکثر اُسکی رہائش گاہ عیاشیوں کیلئے آتے رہتے تھے۔ اُدھر تل ابیب میں موساد کے بڑوں نے اطمینان کا سانس لیا، کیونکہ ایلی کوہن کمال ہوشیاری کیساتھ عدالتی جرح کا سامنا کر رہا تھا۔ جب اُس نے بھری عدالت میں کرنل صالح اور حاتم کو پہچاننے سے انکار کیا تو موساد کا ہیڈ کوارٹر سمجھا کہ شاید کوہن کا اُنکے ساتھ کوئی خفیہ معاہدہ ہوا ہے۔ فرانسیسی وکیلوں کا بھی یہی خیال تھا۔

جب ایک جج نے جارج سیف سے جرح کی کہ وہ واقعی ملزم کے گھر اکثر جایا کرتا تھا۔ تو اُس نے جواب دیا کہ وہ بلکل وہاں اکثر جاتا تھا لیکن میں نے کبھی اُس کی خاطر جاسوسی نہیں کی۔ پھر اُس نے کرنل صالح کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: لیکن میں اکیلا اس قسم کی حرکتوں میں ملوث نہیں رہا تھا۔ آٹھ مئی کو عدالت نے اُسے جاسوسی کے جرم میں سزائے موت کا حکم سنایا۔ اُسکے شریک جرم معاذ ظہیرالدین کو پانچ سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ عدالت کے اس فیصلے کے بعد ایلی کوہن کی جان بچانے کیلئے اسرائیل نے اپنی کوششیں اور بھی تیز کر دیں۔ نادیہ کوہن پیرس گئی جہاں وہ شامی سفارت خانے میں شامی سفیر کیساتھ ملی اور اپنے شوہر کی زندگی بچانے کیلئے مدد کی درخواست کی مگر سفیر نے اپنی معذوری کا اظہار کیا۔ پوپ جان پال VI ملکہ ایلزبتھ، ملکہ بیلجئیم، کینیڈین پرائم منسٹر، انٹرنیشنل ریڈ کراس اور درجنوں دوسری تنظیموں اور افراد نے شامی حکام سے رحم کی اپیلیں کیں۔ بیونس آئرز سے عیسائی راہب کارڈینل الفریڈو جو کہ خود بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا نے صدر الحافظ کو ایک خط میں اپیل کی کہ موت کی آغوش میں جانے والے ایک بیمار شخص کی آخری خواہش کے طور پر ایلی کوہن کو معاف کر دیا جائے۔ اسرائیلی ریڈیو نے متعدد گرفتار شدہ شامی جاسوسوں کی فہرست کا اعلان کیا اور پیش کش کی کہ کوہن کے بدلے میں اُن تمام کو رہا کر دیا جائے گا۔ ایک فرانسیسی ڈاکٹر موریس جس نے چند ماہ پہلے صدر امین الحافظ کے گردوں کا ایک پیچیدہ آپریشن کیا تھا، نے صدر کو ایک خط لکھا۔

"In the name of the life I have given you, I ask you to Spare ELI Cohen"

حتیٰ کہ سویت بلاک سے بھی دبی زبان میں اپیل ہوئی کہ "To be reasonable" لیکن دمشق نے پوری دنیا کیلئے اپنے کان بند کر

لئے تھے۔ اس کی بڑی وجہ وہ طاقتور انتقامی جذبہ تھا جو اسرائیل کے خلاف یہاں موجزن تھا۔ کوہن نے خوفناک حد تک اس ملک کو نقصان پہنچایا تھا بلکہ شام کے وہ تمام منصوبے ورعزائم خاک میں ملا دیے تھے جس کے تحت وہ اسرائیل کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے۔ مثلاً ابھی چھ ماہ قبل نومبر 1964ء میں اسرائیلی، مارٹر اور توپ خانہ اچانک شام کے دریائے اردن پر جاری آبی منصوبے پر حملہ آور ہوا۔ انہوں نے محض چند گولے فائر کئے اور پھر واپس اپنے اڈے پر آ گئے، کیونکہ ایلی کوہن نے اس منصوبے کے متعلق اس قدر تفصیلی معلومات اور نقشے فراہم کیے تھے کہ اسرائیلیوں کو شام کے بلڈوزروں پمپ سٹیشنوں اور دوسری تنصیبات کو تباہ کرنے میں ایک گھنٹہ بھی نہیں صرف ہوا۔ شام کو سارا پراجیکٹ ملتوی کرنا پڑا اور یوگوسلاویہ کی فرم کروڑوں ڈالر کے نقصان کے بعد واپس چلی گئی۔

ایک فرانسیسی ملٹری آفیسر جو صدر امین الحافظ کا ذاتی دوست بھی تھا، اُسنے ایک شامی عورت سے شادی رچائی تھی، فوراً ایک خصوصی پرواز میں دمشق پہنچا۔ وہ ایلی کوہن کیلئے زندگی خریدنے آیا تھا۔ اُس کی جیب میں ایک ملین ڈالر کا چیک اور ایک خط تھا جس میں شام کیلئے لاتعداد ٹریکٹر، بلڈوزر جیسی آلات ورایمبولینس گاڑیوں کا پکا وعدہ درج تھا۔ صدر حافظ نے اس فرانسیسی افسر کو صدارتی محل میں گھسنے ہی نہیں دیا۔ مالی پیشکش کا یہ راز کسی طرح فاش ہوا تو دنیا بھر کے اخبارات نے کوہن کو ملین ڈالر سپائی کا خطاب دیا۔ اسرائیل کا جب یہ پلان بھی ناکام ہوا تو مشیروں نے اسرائیلی وزیراعظم کو شام پر براہ راست حملہ کرنے کا مشورہ دیا، لیکن اس پلان کو بھی رد کر دیا گیا۔ سترہ مئی کو رات کے دس بجے ریڈیو دمشق نے اعلان کیا کہ مجرم کو بہت جلد چوک شہداء پر پھانسی دے دی جائے گی۔ یہ چوک روایتی طور پر اسی کام کیلئے مشہور تھا۔ اس شب انتہائی پریشانی کے عالم میں اسرائیل نے ویٹی کن کیساتھ ٹیلیفون پر رابطہ کیا، پوپ اُس وقت نیند کی آغوش میں تھا تاہم اُسکے نائب کارڈینل نے وعدہ کیا کہ وہ تھوڑی دیر میں پوپ کو جگا کر سب کچھ بتا دے گا۔ تاکہ وہ دمشق کو ایک بار پھر اپیل کرے۔

اُدھر عین اسی لمحے فرانسیسی صدر ڈیگال نے بھی جاگ کر فون پر صدر امین سے رحم کی درخواست کی۔ لیکن اسرائیل کی ہر کوشش ناکامی سے دوچار ہوتی گئی۔ اٹھارہ مئی رات کے دو بجے دمشق کے المزہ جیل کے بھاری آہنی دروازے ایک جھٹکے کیساتھ کھول دیے گئے۔ جیل کے صحن میں فوجی ٹرک کی تیز ہیڈ لائٹوں میں چار مسلح فوجیوں کے ہیولے نظر آئے جو ایک قیدی کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ ٹرک کی طرف چلتے ہوئے ایلی کوہن نے اچانک ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑا۔ اُسے گھسیٹ کر ٹرک پر چڑھا دیا گیا۔ مسلسل تشدد کی وجہ سے وہ اب چلنے پھرنے سے معذور ہو چکا تھا۔ اُسے زندگی کے آخری لمحات میں تسلی دینے کیلئے شامی یہودیوں کا چیف ربی جو اسی سال کے پیٹے میں تھا اُسکے قریب آیا۔ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھتے ہوئے وہ سفید ریش بوڑھا ربی ایلی کوہن کیساتھ بغلگیر ہوتے ہی رو پڑا۔ ایلی کوہن نے اُسے دھیمی آواز میں تسلی دی۔ چند لمحوں بعد ایلی کوہن نے ایک یہودی دُعا ربی کیساتھ چار مرتبہ دہرائی۔ اوخدا میرے تمام گناہ اور خطائیں اور زیادتیں معاف کر۔

اس کے بعد وہ فوجی ٹرک جس میں ایلی کوہن کو بٹھایا گیا تھا ایک فوجی کانوائے کے درمیان تیزی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ اس فوجی قافلے کی کمانڈ کرنل سویدانی خود کر رہا تھا۔ ایلی کو پتہ تھا کہ کانوائے کہاں جا رہا ہے وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اُس کی سزائے موت کا تماشا ہزاروں شامی کریں گے وراُس کی لاش کچھ دیر کیلئے لٹکی رہے گی تاکہ ہر گذرنے والا اسے دیکھ سکے۔ لیکن اُسے اُن بین الاقوامی کوششوں کا بلکل پتہ نہیں چلا جو

اُسے بچانے کیلئے کی گئی تھیں۔ کسی کو اُسے یہ بات بتانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ وہ موت کے منہ میں اس احساس کے ساتھ گیا کہ اسرائیل نے اُسے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ لیکن موت سے چند لمحے پہلے اُس کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیے۔ اُسنے ربی سے کہا۔ میرا کسی آدمی پر کوئی قرض نہیں ہے اور نہ میں نے کسی کو کچھ دینا ہے اُسی دن شام کو اُسے اجازت دی گئی کہ وہ اپنی بیوی، نادیہ کو الوداعی خط لکھ سکتا ہے۔

چوک شہداء کے سامنے یک پولیس سٹیشن میں اُسے عبرانی میں خط لکھنے کی اجازت نہیں دی، لہٰذا اُس نے عربی اور پھر فرانسیسی میں دو خط نادیہ کے نام لکھے، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُسکی بیوی اور خاندان اُسکے آخری الفاظ صرف عربی میں پڑھے۔

"To my dear wife Nadia & my dear family I ask you to remain united I beg Nadia to forgive me. I ask you to take care of your self & the childern and to m sure that they are brought up correctly Look after yourself & see that the childe lack for nothing stay on good terms with my family I want you to remarry so t childern will not grow up Fatherless I give you total liberty to do so I beg of you to wast time crying for me. Always think of the future I send my last kisses you sophie,Iris & shaul, as well as the rest of the family. Dont forget to pray for t memory of my father and for my own soul To all of you my last Kisses & Shalom ELI Cohen : 18 05.1965

''میری پیاری بیوی نادیہ اور فیملی کے نام میں آپ سے متحد رہنے کی اپیل کرتا ہوں نادیہ مجھے معاف کر دینا بچوں اور بچوں کا خیال رکھنا اور اُن کی پرورش اچھی طرح کرنا اُنہیں کسی چیز کی کمی نہ ہونے دینا میرے خاندان کے ساتھ تعلق اچھا رکھنا میں تمہیں دوبارہ شادی کا مشورہ دیتا ہوں تاکہ بچے بغیر باپ کے نہ رہے میں تمہیں پورا اختیار دیتا ہوں میں التجا کرتا ہوں کہ میرے بعد رونے دھونے میں وقت ضائع نہیں کرنا ہمیشہ مستقبل کی طرف دیکھنا میرے آخری بوسے تمہارے لئے آئرس اور شاؤل کے لئے ہیں شلوم ایلی کوہن۔18 مئی 1965ء''۔

مسلح گارڈز نے جونہی ایلی کوہن کو چوک کی طرف چلنے کو کہا تو بوڑھے ربی نے باآواز بلند ایک اور یہودی دعا پڑھنا شروع کی "sh'ma yisrael, Hear, O, Israel" ایلی کوہن آہستہ آہستہ چل کر پھانسی کے تختے پر پہنچا۔ چوک کے مرکز کو چاروں اطرف سے فلڈ لائٹوں نے منور کیا ہوا تھا، ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے پھانسی کا یہ منظر دیکھنے جمع ہو چکے تھے۔ مالدار طبقوں کی کئی خواتین نے توقیمتی زیورات اور فرکوٹ پہن رکھے تھے۔ مجمع پر گہری خاموشی چھا چکی تھی چوک کے آس پاس تمام عمارتوں پر پولیس اور آرمی کے مسلح کمانڈوز نے مورچے سنبھال لئے تھے۔ ہجوم کے اندر بھی خفیہ اداروں کے اہل کار منڈلا رہے تھے۔ دوسری طرف ممکنہ اسرائیلی حملے کے پیش نظر سرحدوں پر بھی پہرہ سخت کر دیا گیا تھا۔ ایلی کوہن نے پھانسی کے چبوترے پر چڑھتے وقت کسی کا سہارا لینے سے انکار کر دیا تھا۔ موقع پر موجود صحافیوں نے دیکھا کہ اُسکا چہرہ انتہائی زرد

ہو چکا تھا۔ یوسلیم، دمشق کا سرکاری جلاد تھا۔ وہ ایک ہٹا کٹا اور لمبی مونچھوں والا شخص تھا۔ اُسنے کوہن کے سر اور چہرے کو ایک تھیلانما ٹوپی میں ڈھانپ کر ہاتھ پیچھے باندھ دیے۔ ایلی کوہن نے زیرِ لب عبرانی میں ایک دُعا پڑھی۔ اسکے چند ہی لمحوں بعد جلاد نے اُسکے پیروں تلے تختہ کھینچ لیا اُس کا کام تمام ہو چکا تھا۔ اُس وقت صبح کے 3:35 بجے تھے۔

ایک بڑے پوسٹر پر عربی میں اُسکی سزائے موت کے بارے میں تفصیل درج تھی۔ اسے اُسکی لاش کیساتھ منسلک کیا گیا تھا۔ اگلے چھ گھنٹوں کے دوران ہزاروں افراد اُس کی جھولتی لاش کے قریب سے گزرتے رہے۔ دمشق ٹی۔ وی وقفوں وقفوں سے پھانسی کا یہ منظر نشر کر رہا تھا۔ ملک کے طول وعرض پر لاؤڈ سپیکروں پر اس واقعہ کی ڈرامائی تفصیلات دہرائی جاری تھی۔ پھر حکام نے رسی کاٹ کر لاش ایک تابوت میں رکھی اور پھر اسے دمشق کے یہودی قبرستان میں دفنا دیے گئے۔ اسرائیل کے تمام سینی گاگز (synagogues) میں یہودیوں نے اُسکی روح کیلئے عبادت کی۔ آرمی کے چیف ربی نے نادیہ کے فلیٹ میں بھی خصوصی سروس کا اہتمام کیا۔ سابق وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان نے تل ابیب میں ایک احتجاجی جلوس کی قیادت کی۔

ملک کے مختلف شہروں میں سڑکیں، پارک اور عمارتیں ایلی کوہن کے نام موسوم کی گئی۔ نادیہ کوہن نے ٹیلے ویژن پر جلاد کو اُسکے شوہر کی گردن میں پھندا ڈالتے دیکھا، تو اُس نے خودکشی کی ناکام کوشش کی لیکن اُسے فوراً ہسپتال پہنچا دیا گیا جہاں اُسے بروقت طبی امداد دیکر بچا لیا گیا۔ بعد میں غیر ملکی اخبار نویسوں کو انٹرویو دیتے ہوئے نادیہ نے کہا۔ ہماری گورنمنٹ نے میرے شوہر کو بچانے کیلئے جتنی کوشش کی شاید دنیا میں کوئی ملک اپنے ایجنٹ کیلئے اتنا کچھ نہیں کر سکتا۔ نادیہ کو ایلی کوہن کا آخری خط سفارتی ذرائع سے پہنچا دیا گیا تھا۔ اُس نے اپنے شوہر کی، سوائے دوبارہ شادی کے ہر بات پر عمل کیا۔ اُس کے پاس آج بھی وہ خط پڑا ہوا ہے۔ ایک انتہائی نجی محفل میں موساد کے بل کارا پنے آنجہانی ایجنٹ کی یاد میں اکٹھے ہوئے تو ادارے کے نئے سربراہ میرامیت نے ایک مختصری تقریر میں کہا۔

"In our Job there are moments when we all have to remind ourselves of our o
human limitations ELI never accepted that he had any limitations he was
idealist he always tried to do more he went further than any body else

آپریشن بے بیلون

Operation Babylon

اتوار سات جون 1981ء کو مطلع بالکل صاف تھا اور سورج پوری آب و تاب کیساتھ چمک رہا تھا۔ بحیرہ احمر پر واقع اسرائیل کے شہر ایلات میں سیاحوں کی زبردست چہل پہل تھی۔ ان میں زیادہ تر جرمن، سکینڈے نیوین اور اسرائیلی شہری تھے جو بحیرہ احمر کے ریتیلے ساحل پر پکنک منا رہے تھے۔ یہ لوگ اس حقیقت سے قطعی بے خبر تھے کہ ان سے محض بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک اسرائیلی ائربیس پر کس قسم کی سرگرمیاں ہو رہی تھی۔ گزشتہ چوبیس گھنٹوں سے یہاں ہر ملازم انتہائی مصروف دکھائی دے رہا تھا۔ اتوار کا دن یہودی مذہب میں سبات کا دن کہلاتا ہے اس دن ملک بھر میں عام تعطیل ہوتی ہے۔ فوجی ملازم بھی چھٹی پر ہوتے ہیں لیکن اس اتوار کو تمام فوجی چھٹی کینسل کر کے اپنی ڈیوٹی پر حاضر تھے۔

جس مشن کیلئے تیاریاں ہو رہی تھیں ماسوائے اُن چند افراد کے جو اس میں براہ راست حصہ لینے والے تھے اس کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ موسی انٹیلیجنس والوں نے ٹیلیفون کی تمام لائنیں کاٹ دی تھیں۔ ائربیس کو چاروں طرف سے سکیورٹی ایجنسیوں نے گھیرے میں لے لیا تھا۔ صبح سویرے اسرائیلی چیف آف سٹاف، ائرفورس کے سی۔ این۔ سی اور ملٹری انٹیلیجنس کا سربراہ مع دوسرے اعلیٰ فوجی افسروں کے ایک ملٹری ہیلی کاپٹر میں وہاں پہنچے۔ وہ سیدھا ائربیس کے آپریشن روم گئے جہاں انہوں نے مشن میں حصہ لینے والے سولہ پائلٹوں اور اُن کے تیس سالہ لیڈر جو ائرفورس کرنل تھا سے ملاقات کی۔ یہ مشن اس سے پہلے دو مرتبہ بالکل آخری لمحات میں معطل ہو چکا تھا، لیکن اس بار انہیں یقین تھا کہ کینسل نہیں ہوگا۔

اعلیٰ فوجی حکام نے مشن میں حصہ لینے والے تمام ہوابازوں کو آخری بریفنگ دی اور انہیں باور کرایا کہ یہ حملہ اسرائیل کی بقاء کیلئے ازحد ضروری ہے۔ ادھر یہ میٹنگ جاری تھی اُدھر آپریشن روم کے باہر رن وے پر واقع زیرزمین ہینگرز میں لاتعداد ٹیکنیشنز روانگی سے قبل لڑاکا طیاروں کے انجن گرما رہے تھے۔ انہوں نے ایف سولہ طیاروں کے پروں کے نیچے فضاء سے فضاء میں مار کرنے والے جدید سائیڈ ونڈر میزائل نصب کئے اور اس کے علاوہ ہر جہاز میں دو ہزار پاؤنڈر MK.84 آئرن بم لوڈ کئے۔ ان کاریگروں کو بھی پتہ نہیں تھا کہ طیارے کہاں حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد آٹھ ایف سولہ اور چھ ایف-15 طیارے ہینگرز سے باہر کھینچ کر رن وے پر کھڑے کئے گئے۔ ان جہازوں کو اسرائیل نے اپنی دفاعی ضرورت کے تحت بمبرز میں تبدیل کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب پائلٹ بریفنگ کے خاتمے پر آپریشن روم سے باہر آئے تو اُن کے طیاروں کے انجن پہلے ہی سے چالو کر دیے گئے تھے۔ مقامی وقت کے مطابق تین بجے دوپہر وہ ہواباز اپنے اپنے طیاروں کے کاک پٹ میں بیٹھ چکے تھے۔ اس کے چند ہی لمحوں بعد کنٹرول ٹاور سے اجازت ملنے کے بعد وہ تمام طیارے یکے بعد دیگرے گرجتے ہوئے فضاء میں بلند ہوئے۔ آپریشن بے بیلون کا آغاز ہو چکا تھا۔ گراؤنڈ پر

کھڑے اسرائیل کے اعلیٰ فوجی حکام تھوڑی دیر تک نیچی پرواز کرتے طیاروں کو فضاء میں تکتے رہے جو پلک جھپکتے ہی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

ان طیاروں کو نوے منٹ میں 650 میل کا فاصلہ طے کر کے بغداد کے قریب عراقی نیوکلیئر ری ایکٹر (osirak) کو تباہ کرنا تھا۔ اُن کا یہ سفر دشمن ممالک کی فضائی حدود کو چیر کر مکمل ہونے والا تھا۔ اس دوران میں اُنہیں فضا ہی میں ایندھن فراہم کرنے کیلئے ایک بوئنگ-707 جہاز بھی فضاء میں بلند ہو چکا تھا۔ اس جہاز کو ایک یورپی کمرشل ائرلائن کی طرح پینٹ کیا گیا تھا۔ لڑاکا طیاروں کے ریڈیو سسٹم آف کر دیے گئے تھے تاکہ عراقی ریڈار انہیں محسوس نہ کر سکے۔ بحیرہ احمر کے کنارے تفریح میں مصروف ہزاروں سیاحوں نے ان طیاروں کو نامعلوم منزل کی طرف پرواز کرتے دیکھا مگر کسی نے توجہ نہیں دی کیونکہ اکثر اسرائیلی طیارے ان اوقات میں جنگی مشقوں میں مصروف رہتے تھے۔

بموں کے بوجھ سے لدے طیاروں کو نیچی پرواز میں کافی دقت ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سعودی عرب کے شمال میں یک صحرا کے اوپر گذرے حملہ آور طیاروں میں سب سے آگے ایف-15 جہاز جا رہے تھے۔ اچانک اُنہوں نے پرواز کی بلندی مزید کم کر دی اب وہ زمین سے محض ساٹھ فٹ کی اونچائی پر اڑ رہے تھے کیونکہ سعودی اور اُردنی راڈار سسٹم سے بچنے کیلئے یہ بہت ضروری تھا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ اسرائیلی طیارے سعودی فضائی حدود سے گزر رہے تھے تو ایک سعودی ایواکس طیارہ بھی فضاء میں گشت کر رہا تھا جسے ایک امریکی پائلٹ چلا رہا تھا، جسکا مطلب یہ ہے کہ امریکیوں کو اس حملے کا پہلے سے پتہ تھا۔ طیاروں کے ریڈیو اب بھی خاموش تھے۔ ٹھیک شام چار بجے اُنہوں نے سعودی فضائی حدود کو عبور کر کے عراقی فضاء میں انٹری کی۔ ہوابازاپنے سامنے لگے سبز رنگ کے ریڈار سکرین پر نظر رکھے ہوئے تھے تاکہ دشمن کی طرف سے کسی مزاحمت کا بروقت پتہ چل سکے مگر اُن کی خوش قسمتی تھی کہ عراقی راڈار سسٹم مکمل جام ہو چکا تھا لہٰذا اُن کا کوئی طیارہ فضاء میں نمودار نہیں ہوا۔ اسرائیلی بوئنگ نے اُنہیں فضاء ہی میں دوبارہ ایندھن فراہم کیا اور خود شام کی فضاء سے ہوتا ہوا قبرص جا پہنچا۔

اسرائیلی طیارے جونہی بغداد کے قریب جھیل بحرالملح کے اوپر پہنچے تو اُن میں سے چار ایف-15 جہاز اچانک بیس ہزار فٹ کی بلندی پر چلے گئے جبکہ باقی دو چھبیس ہزار فٹ کی اونچائی پر آ گئے۔ اس کے بعد وہ تمام طیارے ایک وسیع دائرے میں اڑنے لگے۔ اُن کے ذمے ایف سولہ طیاروں کی حفاظت کرنا تھا۔ شام ٹھیک 5 33 بجے وہ عراقی نیوکلیئر پلانٹ کی عمارت کے عین اوپر پہنچ گئے جہاں سے اُنہیں عمارت کا ساٹھ فٹ تعمیر کا گنبد صاف نظر آ رہا تھا۔ عراقی دفاعی نظام مکمل مفلوج ہو چکا تھا کیونکہ ابھی تک اسرائیلی طیاروں کو نشانہ بنانے کیلئے زمین سے نہ تو کوئی سام میزائل فائر ہوا اور نہ طیارہ شکن توپوں کی گھن گرج سنائی دی۔ پلک جھپکتے ہی ایک طیارے نے ری ایکٹر پر ایک غوطہ لگایا اور بم گرا کر تیزی سے دوبارہ بلندی کی طرف چلا گیا اس کے بعد تمام طیاروں نے باری باری ری ایکٹر کے عین مرکزی حصے میں ایم۔کے 84 آئرن بم گرائے۔ کنکریٹ کی مظبوط عمارت چند ہی لمحوں میں مہیب شعلوں اور دھویں کی لپیٹ میں آ چکی تھی۔ اس کی تھوڑی ہی دیر بعد عراقی توپ خانہ نیند سے ہڑ بڑا کر جاگا، اُنہوں نے طیاروں پر فائر کھول دیا لیکن اُن جیٹ جہازوں کی رفتار اس قدر تیز اور پرواز ٹیڑھی میڑھی تھی کہ اُنہیں نشانہ بنانا ناممکن تھا، اس کے علاوہ وہ نہایت نیچی پرواز بھی کر رہے تھے۔ اسرائیلی ہوابازوں نے جتنے بھی بم وہاں گرائے وہ ٹھیک اپنے اپنے نشانے پر لگے۔ اس پیشہ ورانہ مہارت پر دنیا حیران ہوئی۔

اس حملے سے بہت عرصے پہلے ان پائلٹوں نے اسرائیل کے ایک صحرائی علاقے میں ری ایکٹر کے ایک ماڈل پر بم باری کی زبردست مشق کی تھی۔ چند فرانسیسی ٹیکنیشن جوری ایکٹر کے گنبد کو پھٹتے ہوئے دیکھ چکے تھے وہ حملے کے وقت عمارت سے ذرا دور کھڑے تھے۔ ری ایکٹر کی تمام مشینری مکمل تباہ ہو چکی تھی۔ آخری بمبار طیارے کے جانے کے بعد اچانک ایک ایف-15 نے پراجیکٹ ایریے کے اوپر ایک غوطہ لگایا لیکن اس بار وہ بم گرانے نہیں بلکہ جائے وقوع کی منظر کشی کرنے آیا۔ اردگرد کا تمام علاقہ آگ اور دھویں سے بھرا ہوا تھا مگر طیارے میں نصب سپیشل انفرا ریڈ آلات کی مدد سے تباہ شدہ ری ایکٹر کی بالکل صاف ویڈیو فلم چند ہی سیکنڈوں میں بن گئی۔ تمام طیارے انتہائی تیز رفتاری اختیار کرتے ہوئے واپس ہو چکے تھے اپنا بوجھ گرانے کے بعد وہ اب خاصے ہلکے ہو چکے تھے۔ وہ اب انتہائی بلندی میں اسرائیل کی طرف بھاگ رہے تھے کیونکہ نیچی پرواز کے دوران طیاروں میں ایندھن کی کھپت بہت زیادہ ہو جاتی ہے جبکہ اُن کے پاس اُس وقت بہت تھوڑا ایندھن رہ چکا تھا۔ اگر چہ واپسی کے اس سفر میں ان اسرائیلی طیاروں کو رونی، عراقی اور سعودی راڈار محسوس کر چکے تھے مگر اُن کے ناقص ائر ڈیفنس سسٹم میں اتنی صلاحیت ہی نہیں تھی کہ انہیں مار گرا سکیں۔

شام ٹھیک سات بجے پہلا ایف سولہ اسرائیل میں اپنے ائر بیس پر اُترا۔ اس کے اگلے دس منٹوں میں باقی طیارے اسرائیل کے مختلف ہوائی اڈوں میں بحفاظت لینڈ کر گئے۔ آپریشن بے بیلون سومنٹ میں مکمل ہو چکا تھا۔ ادھر تل ابیب میں اسرائیلی وزیر اعظم بیگن اپنی رہائش گاہ پر اپنی پوری کابینہ کے ساتھ بڑی بے چینی کیسا تھ مشن کی تکمیل کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک نیلے فون کی گھنٹی بجی جس سے وہاں موجود تمام ارکین حکومت کی دلوں کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ فون پر اسرائیلی چیف آف سٹاف نے وزیر اعظم کو رپورٹ دی۔ مشن مکمل ہو چکا ہے اور ہمارے تمام طیارے بحفاظت اپنے اڈوں پر پہنچ گئے ہیں۔ اس پر وزیر اعظم نے شکر کا سانس لیا۔ اُس نے فوراً اپنے وزیروں کو یہ خوش خبری سنائی۔ اس کے بعد وہاں موجود تمام افراد کو اسرائیلی برانڈی پلائی گئی۔

وزیر اعظم ہاؤس کے باہر او پر فضاء میں دو ایف پندرہ طیارے مشن سے واپسی کے بعد لینڈنگ سے پہلے فتح کی خوشی میں قلابازیاں کھا رہے تھے۔ پھر یکایک ان دونوں طیاروں نے انتہائی تیز رفتار اختیار کی اور ساؤنڈ بیریئر کو توڑتے ہوئے آگے نکل گئے جس سے فضاء میں شیر سا تک گرج پیدا ہوئی، جس سے تل ابیب کے کئی گھروں کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔ نیچے کسی اسرائیلی شہری کو ابھی تک پتہ نہیں تھا کہ اسرائیلی ائر فورس کیا کر کے آئی ہے۔ یہ حملہ ایسے وقت میں کرایا گیا جبکہ اسرائیل میں عام انتخابات کی تیاریاں شروع تھیں۔ الیکشن میں یقینی کامیابی حاصل کرنے کیلئے بیگن نے یہ حملہ بڑے صحیح وقت پر کیا تھا۔ اپنی انتخابی مہم کے دوران اُس نے جگہ جگہ اس کارنامے کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

"There will never be another holocaust in the history of Jewish people, never again,never again, the nightmare is over"

ماہرین کی رائے کے مطابق اگر یہ حملہ یکم جولائی کے بعد ہوتا تو خطرناک تابکاری کا سو فیصد امکان تھا کیونکہ ری ایکٹر بہت جلد کام شروع کرنے والا تھا۔ ایران جو اُس وقت عراق کے ساتھ گھمسان کی جنگ لڑ رہا تھا، نے اس حملے کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔

ستمبر 1975ء میں صدام حسین عراق کے نائب صدر کی حیثیت میں فرانس کے دورے پر گئے۔ فرانسیسی صدر کیساتھ طویل بات چیت

کے بعد دونوں ممالک کے درمیان نیم تونائی کے ایک منصوبے پر باہمی تعاون کیلئے معاہدہ ہوا۔ اس کے بعد عراق نے 1976ء میں اٹلی کیساتھ بھی اسی سلسلے میں ایک سودا طے کیا جس کے تحت انہیں اٹلی نے ری ایکٹر میں استعمال ہونے والے مختلف آلات فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ اسی سال کے آخر میں فرانس کی مدد سے عراق نے اپنے نیوکلیئر پروگرام کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اس پراجیکٹ کا نام وسی راک (Osirak) تھا۔ اس کے تحت دو قسم کے ایٹمی ری ایکٹر تعمیر کئے گئے۔ پہلا ستر میگا واٹ کا پلانٹ جسے اوسی ریس کا نام دیا گیا اور دوسرا چھوٹا ریسرچ نیوکلیئر ری ایکٹر تھا اور اس کا نام آئی سس (ISIS) تھا، یہ قدیم مصری دیوتاؤں کے نام تھے۔

اسرائیل کو جب عراقی نیوکلیئر پروگرام کے بارے میں پتہ چلا تو اس نے عالمی سطح پر واویلا شروع کیا کہ اس پروگرام سے اس کی سالمیت اور بقاء کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ امریکہ نے بھی فرانس پر سفارتی دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ یہ معاہدہ منسوخ ہو جائے۔ جولائی 1980ء میں صدام حسین جواب عراق کے باقاعدہ صدر بن چکے تھے، نے اسرائیلی چیخ و پکار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا یورپ کے یہودی حلقے تو ہمیشہ سے عربوں کا مذاق اڑاتے آئے ہیں کہ عرب ایک جاہل اور غیر مہذب قوم ہے جو صحرا میں صرف اونٹ کی سواری کیلئے ہی بنی ہے۔ اب ذرا ان صیہونیوں کو دیکھو تو سہی کس طرح چیخ رہے ہیں کہ عراق ایٹم بم بنانے والا ہے۔ اسرائیل اور امریکہ کے سخت دباؤ کے باوجود عراقی پروگرام جاری رہا۔ معاہدے کے تحت قریباً دو سو عراقی سائنسدان ایڈوانس نیوکلیئر ٹیکنالوجی کی تربیت حاصل کرنے کیلئے فرانس بھیجے گئے۔ اس کے علاوہ ایک سو پچاس عراقی انجینئرز اور ٹیکنیشن اسی سلسلے میں اٹلی روانہ ہوئے۔

جون 1980ء میں فرانس نے عراق کو بارہ کیلوگرام یورینیم جو 93 فیصد افزودہ (Enriched) تھی بھیج دی۔ یہ مادہ مکمل ویپن گریڈ (Weapon Grade) تھا جس کی مدد سے ہیروشیما پر گرائے جانے والے بم کی طرز پر کم از کم چار ایٹم بم تیار کئے جا سکتے تھے۔ 1976ء میں موساد نے عراقی نیوکلیئر پراجیکٹ کی خفیہ نگرانی کیلئے باقاعدہ ایک ٹاسک فورس بنائی تھی۔ جس نے فرانس اور عراق میں ان جگہوں تک رسائی حاصل کر لی تھی جہاں اس پراجیکٹ پر کام ہو رہا تھا۔ چار اپریل 1979ء کو تین نامعلوم افراد سیاحوں کے بھیس میں بحیرہ روم کے ساحل پر واقع فرانسیسی شہر تاؤلون (Toulon) پہنچے۔ ان کے پاس یورپی پاسپورٹ تھے۔ اس کے بعد چھ اپریل کو ان کے چار اور ساتھی بھی ان سے آ ملے۔ وہ شہر کے ایک عام درجے کے ہوٹل میں ٹھہرے۔

یہ سب افراد موساد کے خفیہ تخریب کار تھے۔ ان میں ایک شخص پیشے کے لحاظ سے نیوکلیئر فزسٹ تھا۔ چھ اپریل کی رات وہ سب افراد دو چھوٹے ٹرکوں میں سوار ہو کر شہر کے باہر واقع ایک گودام کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ گودام دراصل ایک فرانسیسی نیوکلیئر فرم سی۔ این۔ آئی۔ ایم (CNIM) کی ملکیت تھا جہاں عراق کیلئے حال ہی میں تیار ہونے والے ری ایکٹر کے دو مرکزی حصے پڑے ہوئے تھے۔ مذکورہ سامان اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں عراق روانہ ہونے والا تھا۔ موساد کے آدمی جن ٹرکوں میں بیٹھ کر وہاں پہنچے تو ڈیوٹی پر کھڑے گارڈ نے دیکھا کہ دونوں ٹرکوں پر CNIM کے مخصوص نشانات لگے ہوئے تھے۔ گارڈ نے آنے والے افراد کے شناختی کارڈ بھی چیک کئے جو CNIM کے جاری کردہ نظر آ رہے تھے۔

اس نے گیٹ کھول کر انہیں عمارت کے اندر داخلے کی اجازت دے دی۔ ہینگر کے اندر انہوں نے با آسانی عراقی ری ایکٹر کے مرکزی

حصوں کو ڈھونڈ نکالا۔ انہوں نے مشین کے مختلف حصوں پر پلاسٹک بم نصب کر دیئے اس کے بعد وہ بڑے آرام کیساتھ اپنے ٹرکوں میں سوار ہو کر شہر کی طرف واپس چلے گئے۔ رات کے ٹھیک تین بجے اُسی گودام میں تین ہولناک دھماکے ہوئے۔ پولیس اور ڈی۔ایس۔ٹی (فرنچ سکیورٹی سروس) والے فوراً جائے واردات پر پہنچے۔ ری ایکٹر کے حصے مڑے تڑے لوہے کے ڈھیر کی شکل میں ادھر اُدھر بکھرے پڑے تھے۔ گودام کے اندر اور بھی بہت سا را سامان پڑا ہوا تھا مگر اُنہیں ذرہ بھی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

اس حملے کے فوراً بعد کئی فرانسیسی اخبارات کے دفتروں میں گمنام ٹیلیفون کالیں موصول ہوئیں جن میں دعویٰ کیا گیا کہ یہ دھماکے فرنچ ایکولاجیکل گروپ نے کئے ہیں تاکہ مستقبل کی انسانی نسل کو خطرناک ایٹمی ہتھیاروں کی تباہ کاریوں سے بچایا جاسکے۔ لیکن اس گروپ کا اس سے پہلے کسی نے نام نہیں سُنا تھا۔ فرنچ سکیورٹی سروس کے مطابق کوئی ایکولاجیکل گروپ اس قدر پیچیدہ اور پیشہ ورانہ تخریب کاری نہیں کرسکتا ہے۔ اس دوران میں فرانسیسی میڈیا پر موساد کا نام سب سے زیادہ لیا جارہا تھا۔ اس واقعے کے بعد فرانسیسی حکومت جس پر پہلے ہی امریکہ، و اسرائیل کا شدید دباؤ تھا، نے عراق کو مشورہ دیا کہ وہ اب ایک دوسرے قسم کا ری ایکٹر قبول کرلے جو وپن گریڈ یورینیم کے بجائے نور گریڈ یورنیم سے چلتا ہے۔ لیکن صدام حسین نے اسے معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔ تاہم کچھ عرصے بعد فرانس نے مطلوبہ ری ایکٹر بغداد کو فراہم کر دیا۔ اسے بغداد سے چودہ میل دور دریائے دجلہ کے کنارے نصب کیا گیا۔

صدام حسین نے ایٹم بم بنانے کے پروگرام میں اپنے نیوکلیئر ریسرچ پروگرام میں کروڑوں پیٹرو ڈالر جھونکنے شروع کئے۔ ڈاکٹر جعفر ضیاء اس پروگرام کا سربراہ مقرر ہوا۔ وہ ایک انتہائی ذہین نیوکلیئر ایکسپرٹ تھا۔ اُسنے برمنگھم یونیورسٹی سے نیوکلیئر فزکس کے مضمون میں ڈاکٹریٹ کی تھی۔ پیرس کے اسرائیلی سفارت خانے میں متعین موساد کے سٹیشن چیف کو تل ابیب سے آدھی رات کے قریب ایک خفیہ مراسلہ موصول ہوا۔ سی این آئی ایم (فرانسیسی نیوکلیئر فرم) میں زیرتربیت تمام عراقی ایٹمی سائنسدانوں کی لسٹ فوراً فراہم کرو۔ جیساکہ ہر ملک میں کچھ یہودی رضاکار ہر لمحہ موساد کی مدد کیلئے دستیاب ہوتے ہیں جنہیں خفیہ زبان میں Sayanim کہا جاتا ہے، بالکل اسی طرح CNIM میں بھی ایک یہودی رضاکار کافی عرصے سے موساد کو سیکرٹ معلومات فراہم کررہا تھا۔ اس شخص کا کوڈ نیم مارسل تھا۔ موساد کے سٹیشن چیف نے اُسے عراقی ٹیم سے متعلق فائل لانے کو کہا۔ مارسل کیلئے یہ کام انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتا تھا کیونکہ فرم کے ہر ملازم کی خفیہ نگرانی ہوتی تھی۔ اتفاق سے اُسی ہفتے مارسل نے فرم کی ایک میٹنگ کیلئے پیرس آرہا تھا جس میں اُس نے اپنے افسران بالا کو مختلف فائلوں کے علاوہ عراقیوں کی مذکورہ سٹ بھی پیش کرنی تھی۔ مقررہ دن مارسل تمام فائلوں کو کار میں رکھکر صبح سویرے ایک ریستوران پہنچا جہاں موساد کا ایک اہلکار پہلے ہی سے اُس کا منتظر تھا۔ مارسل نے کار کی ڈگی سے وہ فائل نکال کر اسکے حوالے کی۔ وہ شخص فائل لیکر سیدھا اسرائیلی سفارت خانے چلا گیا جبکہ مارسل اُسی جگہ کھانے پینے میں مشغول رہا۔ سفارت خانے میں اُس فائل سے فوراً ایک نقل تیار کی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس شخص نے واپس آ کر اصل فائل مارسل کو واپس کر دی۔

اُسی شام یہ لسٹ تل ابیب بھیج دی گئی جہاں موساد کے ماہرین نے اس کا دو دن مطالعہ کیا۔ اس کے بعد اُنہوں نے پیرس میں اپنے سٹیشن چیف کو خفیہ ریڈیو پیغام بھیجا "Find the easiest target and quickly" ۔

بطرس بن حلیم، عراقی سائنسدانوں کی ٹیم میں پیرس پہنچا تھا۔وہ CNIM میں عراقی ری ایکٹر osirak کیلئے خصوصی تربیت حاصل کر رہا تھا۔ بیالیس سالہ بطرس بن حلیم واحد عراقی سائنسدان تھا جو اپنی بیوی سمیرا کیساتھ شہر میں ایک پرائیویٹ فلیٹ میں مقیم تھا جبکہ باقی تمام عراقی پلانٹ کے قریب ملٹری کوارٹرز میں رہائش پذیر تھے۔ وہ روزانہ صبح اپنے گھر سے ایک بس میں سوار ہو کر پلانٹ پہنچتا تھا۔

ایک روز معمول کے خلاف اُسکی بس لیٹ ہوگئی۔ وہ پریشانی کے عالم میں بس سٹاپ پر بار بار اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک سفید رنگ کی پیجو کار (Peugeo) اُسکے قریب آ کر رُک گئی۔ ایک شخص نے اُسے فرانسیسی میں لفٹ کی پیشکش کی جو حلیم نے فوراً قبول کی اور اُسکے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حلیم اُس شخص کو فوراً پہچان گیا کیونکہ وہ بھی بلاناغہ اسی وقت روزانہ اس چوک سے گذرتا تھا جہاں سے حلیم بس میں سوار ہوتا تھا۔ کار میں سفر کے دوران دونوں میں اچھی گپ شپ لگی۔ کار ڈرائیور نے اپنا تعارف کرایا۔ اُس کا نام جیک تھا جو پیرس میں ایک تجارتی فرم چلا رہا تھا۔ حلیم نے ہچکچاتے ہوئے کہا کہ میں یہاں یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہوں۔ اور اس کیساتھ ہی ایک چوک پر اُسنے کار روکنے کو کہا۔ اُس نے جیک کا شکریہ ادا کیا اور خود ایک گلی میں غائب ہوگیا۔

محض چند ہی دنوں میں موساد نے حلیم کا فلیٹ معلوم کر لیا۔ وہ اور اُسکی بیوی سمیرا اس فلیٹ میں رہتے تھے۔ اُن کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ایک دو ہفتے تک تو موساد کے ایجنٹ حلیم کے فلیٹ کے قریب منڈلاتے رہے۔ اُنہوں نے حلیم کے روزانہ معمولات کو نوٹ کیا۔ اُس عمارت میں ان کے علاوہ کوئی دوسری عرب فیملی نہیں رہتی تھی۔ حلیم صبح سویرے کام کیلئے نکل جاتا تھا اور سمیرا تمام دن گھر میں اکیلی اُس کے آنے کا انتظار کرتی تھی۔ آخر ایک دن کسی نے اُن کا دروازہ کھٹکھٹایا سمیرا نے فوراً دروازہ کھول کر دیکھا تو ایک خوبصورت اور فیشن ایبل لڑکی نے مسکرا کر کہا۔ میرا نام جیکولین ہے ۔میں پرفیوم بنانے والی ایک فرم میں سیل ایجنٹ ہوں۔ روزانہ نت نئے قسم کے پرفیوم خریدنا سمیرا کی کمزوری تھی، اُس نے فوراً جیکولین کو اپنے ڈرائینگ روم میں بیٹھنے کی دعوت دی۔ جیکولین نے اپنے بریف کیس سے پرفیوم کے مختلف نمونے (Samples) نکال کر سمیرا کو دیے سب کی قیمتیں بیحد معقول تھیں، لہٰذا اُس نے چند کا تو وہیں آرڈر لکھوایا۔ جیکولین نے دو دن کے اندر اندر ڈیلیوری کا وعدہ کیا۔ اس تھوڑی دیر کی ملاقات میں ہی سمیرا جیکولین کے ساتھ اچھی خاصی فری ہوگئی۔ اُس نے ایک ہی سانس میں اُسے اپنے دل کا سارا حال بتا ڈالا۔

ہماری شادی کو کئی سال ہو چکے ہیں مگر ابھی تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ ہماری مالی حالت کافی خراب ہے، میں تو اکثر بغداد میں اپنے والدین سے پیسے منگواتی ہوں، میرے شوہر کو تو کمانا آتا ہی نہیں ہے۔ ایک دو ہفتے میں، میں بغداد جا رہی ہوں، وہاں میری امی کا میجر آپریشن ہونے والا ہے۔ جیکولین نے بڑی ہمدردی کیساتھ اُس کی باتیں سُننے کے بعد کہا کیا آپ کا شوہر بھی آپ کیساتھ بغداد جا رہا ہے نہیں میں اکیلی جا رہی ہوں۔ سمیرا نے کہا۔ سمیرا نے جیکولین کے خوبصورت ہیئر سٹائل کی بہت تعریف کرتے ہوئے کہا آپ بال کہاں سے بنواتی ہیں۔ جیکولین نے مسکراتے ہوئے کہا پنے ایک دوست سے بنواتی ہوں، اُس کی یہیں شہر میں ذاتی سیلون ہے اگر چاہو تو تمہیں بھی وہاں لے چلوں، وہ آپ کے بالوں کو بڑی خوبصورتی سے سیٹ کر دیگا۔

سمیرا نے فوراً خوش ہو کر کہا کہ ضرور چلوں گی۔ آخر کافی دیر گپ شپ کے بعد جیکولین نے واپس جانے کی اجازت مانگی۔ اُس نے سمیرا کو

پرفیوم سپلائی کرنے دوبارہ بھی آتا تھا۔ جیکو لین نے اپنا اعتبار قائم کرنے کیلئے اُس عمارت کے دوسرے گھروں میں بھی اپنی فرم کے پرفیوم کی تشہیر کی اور آرڈر بُک کیئے۔ کچھ دنوں بعد وہ سپلائی کیلئے دوبارہ سمیرا کے پاس پہنچ گئی۔ اُس نے پرفیوم کی خریداری پر سمیر کو فرم کی طرف سے ایک خوبصورت چابی چین کا تحفہ بھی دیا۔ وہ ایک انوکھے قسم کا چابی چین تھا۔ جیکولین نے کہا لاؤ میں تمہارے فلیٹ کی چابیاں اس میں لگا دوں۔ سمیرا نے فوراً اپنی چابیوں کا گچھا اُسے پکڑا دیا اور خود چائے بنانے کچن چلی گئی۔ جیکولین نے فوراً اپنے پرس سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی۔ اُس ڈبیہ میں کوئی نرم قسم کا کیمیائی مادہ تھا جیکولین نے سمیرا کی تمام چابیوں کو اُس پر باری باری دبایا جس سے اس پر چابیوں کے واضح نقش پڑ گئے۔ اب اس کی مدد سے چابیوں کی ہوبہو نقل تیار کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اتنے میں سمیرا واپس کمرے میں آ گئی تو جیکولین نے نئے چابی چین میں تمام چابیاں پرو کر اُسے واپس دے دیں۔

موساد کا ایک شعبہ جسے (Nevioi) کہا جاتا ہے، اس کے تربیت یافتہ افراد بے جان اشیاء سے حساس معلومات اخذ کرتے ہیں، مثلاً وہ کسی شخص کے مکان میں نقب لگا کر اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ جہاں وہ متعلقہ فرد کی جاسوسی کیلئے خفیہ کیمرے اور ٹرانسمٹر اس کے کمرے میں نصب کر دیتے ہیں۔ ایک دن سمیرا اپنے شوہر کے ہمراہ گھر سے باہر گئی ہوئی تھی تو موساد کے دو اہل کار چپکے سے اُن کے فلیٹ میں داخل ہو گئے۔ اُن کے پاس فلیٹ کی چابیوں کی نقل تھی جس کی مدد سے انہوں نے باآسانی فلیٹ کا دروازہ کھولا۔ انہوں نے گھر کی مکمل تلاشی لی۔ ایک الماری میں انہیں عراقی نیوکلیئر پروگرام کے متعلق ایک فائل ملی۔ انہوں نے فوراً ایک کیمرے سے اس کے ہر صفحے کی تصویریں نکال کر اسے پھر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے حلیم کے بیڈروم میں مختلف جگہوں پر خفیہ طاقتور ٹرانسمٹر نصب کر دیے۔

پیرس میں اسرائیلی سفارت خانے میں قائم موساد کے سیل میں مسلسل کئی ہفتے بطرس بن حلیم اور سمیرا کی سرگوشیاں سُنی گئیں۔ حلیم اپنی بیوی کو اکثر اپنے ٹریننگ اور نیوکلیئر پلانٹ کے بارے میں ہر رات کچھ نہ کچھ بتاتا رہتا تھا اور موساد انہیں ٹیپ کر کے اپنی خصوصی سفارتی ڈاک میں تل ابیب بھیج دیتا تھا۔ ایک دن انہیں پتہ چلا کہ سمیرا کچھ ہی دنوں میں اکیلی بغداد روانہ ہونے والی ہے۔ حلیم کو پہلی بار جو کار میں لفٹ دینے والا شخص جسکا نام جیک تھا اب ہر دوسرے تیسرے دن اُسی مقام پر اُسے اپنی گاڑی میں بیٹھا کر وسط شہر لیجاتا تھا، جہاں سے وہ کچھ دور پیدل چل کر اپنے کام پر پہنچتا۔ جیک نے حلیم کو اپنا بزنس کارڈ دیا تھا کہ کسی دن فارغ وقت میں اُسکے پاس گپ شپ کیلئے آئے۔

سمیرا کے جانے کے بعد حلیم نے سُکھ کا سانس لیا کیونکہ اُس کی موجودگی میں وہ پیرس کی رنگینیوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس نے فوراً اپنے دوست جیک کو فون پر بتایا کہ وہ گھومنے پھرنے کے موڈ میں ہے۔ چند ہی لمحوں بعد دونوں ایک مہنگے ہوٹل میں کیبرے ڈانس کا شو دیکھ رہے تھے۔ جیک نے اُسے ڈنر بھی کھلایا۔ جیک نے ہر بار بل کے پیسے خود ادا کیئے حلیم نے اس دوران میں شمپین کے کئی گلاس پی ڈالے۔

اسی شام جیک نے اُسے کہا کہ وہ کچھ پرانے کنٹینرز افریقہ برآمد کرنا چاہتا ہے جو پیرس سے باہر ایک ٹاؤن میں پڑے ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ متعلقہ فرم کیساتھ اس کی قیمت طے ہو جائے۔ دوسرے روز وہ حلیم کو اپنی کار میں اُس جگہ لے گیا۔ جیک نے مطلوبہ چیزیں خرید کر رقم ادا کی تو حلیم نے دیکھا کہ کنٹینرز زنگ آلود تھے اس پر اُس نے فرم کے مالک سے ان کی قیمتوں میں مزید ڈسکاؤنٹ کیلئے اصرار کیا۔ اُسی رات دوبارہ ایک ڈنر کے موقع پر جیک نے حلیم کی طرف ایک ہزار ڈالر بڑھاتے ہوئے کہا لو بھئی یہ ہوا تمہارا کمیشن تم نے تو بروقت

زنگ آلود کنٹینروں کی نشان دہی کر کے مجھے اچھا خاصا فائدہ پہنچایا تھا۔ حلیم کو پہلی بار احساس ہوا کہ یہ شخص نہ صرف اُسے اچھی کمپنی دے رہا ہے بلکہ ساتھ ساتھ مالی فائدہ بھی۔ موساد بغور دیکھ رہی تھی کہ پیسہ، سیکس اور نفسیاتی مانیپولیشن حلیم پر گہرے اثرات مرتب کر رہی تھی۔

اُنہوں نے اِس عراقی کو بغیر کسی دقت کے شیشے میں اتار لیا تھا اب مطلب کی بات کا وقت آ گیا تھا۔ جیک کو پتہ تھا کہ عراقی اب اُس پر مکمل اعتماد کرنے لگا ہے۔ اُس نے حلیم کو ایک بار پھر رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ اس مرتبہ یہ پروگرام جیک نے اپنے فائیو سٹار ہوٹل کے کمرے میں کیا۔ حلیم نے دیکھا کہ کمرے میں اُن کے علاوہ ایک نوجوان خوبرو کال گرل بھی موجود تھی۔ اُس کا نام میری تھا اور وہ پیرس کے ریڈ لائٹ ایریا کی سب سے مہنگی طوائف تھی۔ ڈنر کے بعد جیک نے حلیم سے معذرت کرتے ہوئے کہا میں ایک انتہائی ضروری کام سے کہیں جا رہا ہوں تم دونوں انجوائے کرو، کل ملاقات ہوگی۔ حلیم کی اس رات کو کمرے میں نصب ایک انفرا ریڈ ویڈیو کیمرے نے ریکارڈ کر لیا تھا۔

دو دن بعد جیک واپس آیا تو کچھ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ حلیم نے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا: ایک جرمن فرم سے زبردست بزنس ملنے کا چانس ملا ہے مگر ایک پرابلم میں پھنس چکا ہوں۔ حلیم نے کہا کیسا پرابلم دراصل اس فرم کو ہسپتالوں کیلئے ریڈیو ایکٹیو مادہ کچھ خاص ٹیوبوں (Pneumatic tubes) میں سپلائی کرنا ہوتا ہے۔ میں یہی ٹیوبز اُنہیں فراہم کرنا چاہتا ہوں مگر یہ کام خاصا ٹیکنیکل نوعیت کا ہے۔ بس یہی میرا مسئلہ ہے کیونکہ اُنہوں نے ایک انگریز ایکسپرٹ کو اختیار دیا ہے کہ وہ مذکورہ ٹیوبز کا معائنہ کرے۔ وہ شخص اس کے عوض بھاری فیس کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مجھے شک ہے کہ وہ اس جرمن فرم کیساتھ ملا ہوا ہے۔ کیا میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟ حلیم نے پوچھا۔ نہیں شکریہ مجھے کسی نیوکلیئر ایکسپرٹ کی ضرورت ہے جیک نے کہا۔ میں ہوں نا ایکسپرٹ حلیم نے فخر سے کہا۔ جیک نے مصنوعی حیرت سے کہا کیا مطلب ہے تمہارا میں تو تمہیں سٹوڈنٹ سمجھ رہا تھا۔ ہاں پہلے پہل تو مجھے یہی کہنا تھا تمہیں لیکن درحقیقت میں عراقی سائنسدان ہوں اور یہاں ایک پراجیکٹ پر کام کر رہا ہوں مجھے یقین ہے میں تمہاری پوری مدد کر سکتا ہوں۔ جیک نے کہا ٹھیک ہے لیکن یہ سودا ایمسٹرڈم میں طے ہونا ہے۔ اس کیلئے تمہیں دو تین چھٹی لیکر میرے ساتھ جانا ہوگا۔ یاد رکھنا اگر یہ بزنس مجھے مل گیا تو تمہیں بھی اچھا خاصا کمیشن دلواؤں گا۔ تم میری کمپنی کے پرائیویٹ جیٹ میں ہالینڈ جاؤ گے اور واپس بھی اسی جہاز سے آؤ گے۔ مقررہ دن موساد نے ایک لیئر جیٹ (Lear Jet) جس پر جیک کی کمپنی کا لوگو پینٹ کر دیا گیا تھا اسرائیل سے خصوصی طور منگوایا تھا۔ حلیم جیٹ جہاز میں ایمسٹرڈم پہنچا تو ائرپورٹ پر ایک شخص نے اُسے ایک لیموزین میں بٹھا کر شہر کے وسط میں ایک آفس پہنچا دیا۔ یہ تجارتی دفتر دراصل ایک مقامی یہودی رضا کار کا تھا جو اس ڈرامے میں برابر کا شریک تھا۔ حلیم کی اس ملاقات کے دوران جیک جان بوجھ کر اُسکے ساتھ نہیں آیا، وہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں اُسکا انتظار کرتا رہا۔ اُس آفس کے اندر دو بظاہر بزنس مین بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے دراصل ایک شخص موساد کا کیس آفیسر اور دوسرا ایک اسرائیلی نیوکلیئر ایکسپرٹ تھا جو جرمن پاسپورٹ پر اسرائیل سے حال ہی میں پہنچا تھا۔ اُس نے حلیم کو مذکورہ ٹیوب دیکھائی جس کیلئے جیک اُس جرمن فرم کیساتھ کاروبار کرنے والا تھا۔ موساد کا آفیسر کسی بہانے کمرے سے باہر نکلا تو اسرائیلی سائنسدان نے حلیم سے پوچھا کہ وہ نیوکلیئر انڈسٹری کے بارے میں کیسے جانتا ہے۔ حلیم، جس کی تمام مدافعتی قوت مفلوج ہو چکی تھی، نے اُسے اپنی اصل حیثیت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اس کے بعد اسرائیلی نے اُسے کہا ہم تیسری دنیا کے غریب ممالک کو پُرامن مقاصد کیلئے نیوکلیئر پاور پلانٹ فروخت کرنے کی کوشش کر

رہے ہیں۔ اگر تم اپنے پلانٹ کے پروجیکٹ کے بارے میں ہمیں تفصیلات فراہم کرو تو ہمیں یہ کاروبار کرنے میں بڑی آسانی ہو جائے گی اور تمہیں بھی معقول مالی فائدہ ہوگا۔لیکن یہ بات میرے اور تمہارے درمیان ایک راز ہوگی۔تم نے جیک سے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہنا ہے۔حلیم یہ سن کر کچھ تذبذب کا شکار ہوگیا،اُس نے سر کھجاتے ہوئے کہا دیکھئے یہ کام بے حد خطرناک ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جیک میرا بہت اچھا دوست ہے میں کیسے اُسے بتائے بغیر آپ لوگوں کیساتھ یہ ڈیل کرسکتا ہوں۔اس پر اسرائیلی ایکسپرٹ نے کہا ارے کوئی خطرے کی بات نہیں ہے تم تو ہر روز اس پروجیکٹ پر جاتے رہتے ہو۔ہر چیز تک تمہاری رسائی ہے۔ہم تو محض آپ کے ری ایکٹر کے ماڈل پر اپنا کام چلانا چاہتے ہیں۔ہم تمہیں تمہاری سوچ سے بھی زیادہ رقم دیں گے۔کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔اور ہاں تمہارے اس دوست کو تو اس کی ہوا تک نہیں لگے گی۔حلیم موساد کے خطرناک جال میں بُری طرح پھنس چکا تھا۔واپسی کے تمام راستے ہر طرف سے بند ہو چکے تھے۔

دوسرے روز جیک نے اُسے آٹھ ہزار ڈالر کا ایک اور چیک Pnematic Tubes کے سودے میں مدد کرنے کے عوض دیا،جسے پا کر حلیم کے تو جیسے ہوش اُڑ گئے۔اگلی رات ایک مہنگے ہوٹل میں ڈنر کیساتھ پھر ایک کال گرل کیساتھ اُسکی ملاقات کرائی گئی۔اگلے روز خوش و خرم اُسی پرائیویٹ جیٹ میں واپس پیرس چلا گیا۔جانے سے پہلے اسرائیلی سائنسدان نے حلیم کو ایک اور شخص کے بارے میں بتایا جو معلوبہ مواد لینے اُس کے ساتھ پیرس میں ملنے والا تھا۔اس کا خفیہ نام ازحاق تھا۔پیرس پہنچتے ہی حلیم نے CNIM میں اپنے پراجیکٹ کے دفتر سے پلانٹ کے متعلق فائلوں سے نقلیں چُرانا شروع کیں۔موساد کا نیا ایجنٹ جسے وہ جرمن سمجھ رہا تھا ہر دوسرے تیسرے دن کسی پارک یا ریستوران میں اُس سے یہ چیزیں وصول کر کے معقول معاوضہ ادا کر کے غائب ہو جاتا۔حلیم نے اُسے چند ہی دنوں میں پلانٹ کا مکمل بلیو پرنٹ اور بغداد سے باہر جس جگہ سے نصب ہونا تھا کا نقشہ فراہم کر دیا۔وہ آدمی جب بھی حلیم کیساتھ ملتا تو مزید معلومات کیلئے اصرار کرتا۔اس خفیہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے حلیم کا اعصابی نظام بُری طرح متاثر ہونا شروع ہوا،اُس پر Spy reaction کے واضح اثرات نمودار ہو چکے تھے یعنی پکڑے جانے کا خوف و ہراس ،شدید بے خوابی اور ہر وقت ٹھنڈے پسینے آنا وغیرہ۔

وہ اس پُر اسرار شخص سے کسی طرح پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔مگر وہ تھا کہ اُس کی جان کو پڑا ہوا تھا۔آخر تنگ آ کر اُس نے جیک کو فون پر روتے ہوئے کہا! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے میں تو اس شخص سے سخت خوفزدہ ہوں جیک نے انجان بنتے ہوئے کہا کونسا شخص؟اس پر حلیم نے کہا میں فون پر ساری بات نہیں کہہ سکتا،ہم کہیں ملتے ہیں پھر سب کچھ بتاؤں گا۔دو دن بعد وہ ایک ہوٹل کے کمرے میں ملے۔میرے ساتھ زبردست دھوکہ ہوا ہے حلیم نے تقریباً روتے ہوئے کہا اُس نے جرمن کمپنی کیساتھ اپنے خفیہ معاہدہ کی تمام تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔مجھے بے حد افسوس ہے میں نے لالچ میں آ کر تم سے پوچھے بغیر یہ سب کچھ کیا ہے۔اس میں میری بیوی بھی برابر کی قصوروار ہے جو مجھے ہر وقت کم آمدنی کا طعنہ دیتی رہتی تھی۔میں تم سے معافی مانگتا ہوں تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔میری مدد کرو اس خبیث سے میری جان چھڑاؤ۔

جیک نے ساری باتیں سُننے کے بعد بڑے اطمینان سے کہا تم جسے جرمن سمجھ رہے ہو وہ سی۔آئی۔اے کا جاسوس بھی ہو سکتا ہے یہ سُن کر حلیم کا رنگ اور بھی اُڑ گیا۔لیکن میں نے تو اُسے وہ سب کچھ دے دیا ہے جس کا وہ مطالبہ کر رہا تھا مگر پھر بھی وہ مجھے چین سے نہیں چھوڑ رہا جیک نے

کہا یار مجھے سوچنے کا موقع دو۔ میں کچھ لوگوں کو جانتا ہوں اُن سے تمہارا مسئلہ حل کروادوں گا۔ ویسے اب تم بہت آگے نکل چکے ہو تمہیں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ اُس رات جیک دوبارہ حلیم کو ایک ریستوران لے گیا۔ اُس نے ایک کال گرل کو حلیم سے متعارف کرتے ہوئے کہا۔ یہ تمہارے اعصاب سے سارا بوجھ چند ہی لمحوں میں اتار پھینک دی گی۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس نے ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے حلیم کی کمر پر ہاتھ مارا۔ تین چار روز بعد موساد کے سٹیشن چیف نے جیک کو ہدایت کی کہ وہ حلیم پر واضح کردے کہ وُہ سی آئی اے کے جال میں پھنس چکا ہے۔

جیک نے جب اُسے یہ بات کہی تو وُہ خوف سے چیخ اُٹھا: عراقی مجھے پھانسی پر لٹکا دیں گے وُہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ارے نہیں یار کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تم اسرائیل کیلئے تھوڑی کام کر رہے ہو۔ اس بات کا تو کسی کو علم بھی نہیں ہے اور نہ کبھی ہو سکے گا۔ بہر حال میں نے تمہاری خاطر اُن لوگوں سے بات کر لی ہے۔ بس اُنہیں ایک آخری انفارمیشن اور درکار ہے اس کے بعد وُہ تم سے کچھ نہیں مانگیں گے۔ کیا؟ میں اُنہیں اور کیا دوں؟ حلیم نے کانپتے ہوئے کہا۔ وہ دراصل جاننا چاہتے ہیں کہ اگر فرانس نے عراق کو وہپن گریڈ یورینیم کے بجائے کیرامل (Carame) مہیا کرنے کی آفر دی تو اُس کا کیا ردعمل ہوگا؟ بس تم ان کا یہ کام آخری مرتبہ کر دو پھر تمہیں وُہ کبھی زحمت نہیں دیں گے۔ وُہ تمہیں کسی طرح نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔

بعد میں حلیم نے اُنہیں اطلاع دے دی کہ عراق صرف اور صرف enriched urinium کیلئے اصرار کر رہا ہے۔ اُس نے جیک کو ایک اور اہم خبر یہ دی کہ چند دنوں میں اُن کے پروجیکٹ کا مصری نژاد ماہر طبیعیات ڈاکٹر یحیٰی المشہد پیرس پہنچنے والا ہے جو اس منصوبے کا جائزہ لیکر عراق کی طرف سے اس مسئلے پر فیصلہ کن بات چیت کرے گا۔ کیا اُس کے ساتھ تمہاری بھی ملاقات ہوگی؟ جیک نے حلیم سے سوال کیا۔ ہاں وُہ ہم سب سے ملے گا بہت خوب پھر تو تم اُس سے مکمل مستند معلومات لے سکو گے۔ یوں تمہارا درد سر ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گا۔ ڈاکٹر یحیٰی پیرس پہنچا تو اُس نے عراقی پروجیکٹ کے تمام سائنسدانوں کیساتھ فرداً فرداً ملاقات کی جس میں حلیم بھی شامل تھا۔ لیکن حلیم اس سخت گیر شخص سے مطلوبہ معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

اس کے بعد موساد نے ڈاکٹر یحیٰی کو ریکروٹ کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ وہ اس پورے منصوبے کا نچوڑ تھا۔ سمیرا عراق سے واپس آئی تو اُس نے حلیم میں بڑی تبدیلی محسوس کی۔ اُسکے ہاتھ میں بہت پیسے تھے۔ وہ روز اُسے شاپنگ کیلئے لیجانے لگا تھا۔ اُس نے سمیرا کو کہا کہ اُس کی حال ہی میں ترقی ہوگئی ہے جس کے ساتھ تنخواہ اور الاؤنس میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہو گیا ہے۔ وُہ اب ذاتی موٹر کار لینے کا پروگرام بھی بنا رہا تھا۔ گرچہ حلیم ایک ذہین سائنسدان تھا مگر عام زندگی میں انتہائی بے وقوف تھا۔ ایک رات اُس نے اپنے دوست جیک کے متعلق سمیرا کو سب کچھ بتا ڈالا اور ساتھ ہی سی آئی اے کیساتھ اپنے کنکیشن کی بات بھی منکشف کر دی۔ اس پر سمیرا نے اُسے جھاڑ پلاتے ہوئے کہا کہ وہ ضرور اسرائیلی ایجنٹ ہونگے۔ پھر اُس نے چیختے ہوئے کہا تمہارے ساتھ امریکیوں کا کیا کام ہے؟ اسرائیلیوں اور میری ماں کی بدنصیب بیٹی کے علاوہ تم میں اور کون دلچسپی لے سکتا ہے۔

اُس دن حلیم اور سمیرا پیرس کے لفٹ بینک بستر و میں کھانا کھا کر آدھی رات کے قریب گھر لوٹے۔ سونے سے پہلے حلیم نے کچھ میوزک سُننے کی خاطر اپنا ریڈیو آن کیا تو اُس پر خبریں نشر ہو رہی تھی کہ اچانک اُس نے CNIM میں دھماکے کی خبر سُنی۔ وہ فوراً اپنے بستر سے کود کر کمرے

میں پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑنے اور چیخنے لگا۔ کیا بات ہے؟ پاگل ہو گئے ہو کیا سمیرا نے چیخ کر کہا۔ اُنہوں نے ری ایکٹر اڑا دیا ہے اب وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ حلیم نے روتے ہوئے کہا۔ اُس نے اُسی لمحے جیک کو ٹیلیفون پر یہ خبر سُنائی تو اُس نے مشورہ دیتے ہوئے کہا کوئی بے وقوفی نہیں کرنا۔ بس اپنی زبان بند رکھو۔ کوئی تم پر اس سلسلے میں الزام نہیں لگا سکتا۔ کل رات مجھ سے میرے ہوٹل میں ملو اس پر بات کریں گے۔ اگلی شب جب وہ جیک سے ملنے ہوٹل پہنچا تو وہ سخت خوف و ہراس کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ وہ ساری رات سویا نہیں تھا اور نہ ہی وہ صبح شیو کر سکا تھا۔ اب عراقی مجھے شوٹ کر دیں گے۔ اُس نے گلوگیر آواز میں کہا پھر وہ مجھے فرانس کے حوالے کر دیں گے جو میرا گلا کاٹ دیں گے۔ جیک نے تسلی دیتے ہوئے کہا ارے تمہارا اس دھماکے سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تم پر انگلی اٹھا سکتا ہے۔ اس پر حلیم نے کہا کہ یہ بہت بُرا ہوا ہے سمیرا کہتی ہے کہ اس کے پیچھے اسرائیلیوں کا ہاتھ ہے۔ تو جیک نے مسکراتے ہوئے کہا، کیا فضول باتیں کر رہے ہو میں جن افراد کیساتھ تمہاری خاطر بات چیت کر رہا ہوں وہ ہرگز اسرائیلی نہیں ہیں اور نہ وہ اس کام میں بھی ملوث ہو سکتے ہیں۔ یہ دھماکہ تو غالباً کسی صنعتی جاسوسی کا نتیجہ ہے۔ تمہیں تو اچھی طرح پتہ ہے آج کل اس فیلڈ میں کس قدر مقابلہ ہو رہا ہے۔ حلیم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا میں بس عراق واپس جانا چاہتا ہوں۔ سمیرا بھی یہاں مزید رہنا نہیں چاہتی۔ میں ان لوگوں سے دور بھاگنا چاہتا ہوں۔

اس پر جیک نے پینترا بدلتے ہوئے کہا دیکھو اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں بالکل ایک نئی شناخت مل جائے ایک نئی زندگی مل جائے اور تم عراقی سیکرٹ سروس کی پہنچ سے بہت دور چلے جاؤ تو میں صرف تمہاری خاطر ایک دوست کی حیثیت سے اسرائیل کیساتھ رابطہ کر سکتا ہوں۔ وہ تمہیں اتنا کچھ دے دیں گے کہ جس کا تم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ وہ صرف تمہارے علم اور ذہانت سے فائدہ اٹھائیں گے۔ نہیں نہیں کبھی نہیں حلیم نے زور دیتے ہوئے کہا میں کبھی اُن کے پاس نہیں جاؤں گا۔ میں واپس عراق جا رہا ہوں۔ لیکن اس کے بعد ان دونوں میاں بیوی کا کسی کو کوئی پتہ نہیں چل سکا کہ اُنہیں واپس پہنچتے ہی صدام کی خفیہ پولیس نے ختم کر دیا یا وہ عراق کے بجائے کسی مغربی ملک میں روپوش ہو گئے۔

ڈاکٹر یحییٰ المشہد ابھی تک موساد کے جال میں نہیں پھنسا تھا۔ وہ عرب دنیا میں مانا ہوا نیوکلیئر سائنسدان تھا اور عراق کے فوجی اور سول انتظامیہ کے بے حد قریب تھا۔ سات جون 1980 کو وہ ایک بار پھر پیرس آیا۔ پلانٹ کے دورے کے دوران اُس نے وہاں موجود فرانسیسی صحافیوں کو کہا:

"We are making a change in the face of Arab world history"

موساد نے فرنچ پروٹوکول کے ایک شخص سے پتہ لگایا تھا کہ وہ کس ہوٹل میں ٹھہرے گا (روم نمبر 9041 ہوٹل میریڈین)۔ اُنہوں نے اُس کمرے میں ڈاکٹر یحییٰ کے پہنچنے سے قبل ہی جاسوسی آلات فکس کر دیئے تھے۔ یحییٰ 1932ء میں مصر کے ایک قصبے میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ایک سنجیدہ اور ذہین سائنسدان تھا۔ اُس کے پاسپورٹ پر اُس کا پیشہ لیکچرر شعبہ الیکٹریکل انجینئرنگ یونیورسٹی آف سکندریہ مصر لکھا ہوا تھا۔

اُس کی بیوی نے بعد میں مصری اخبار نویسوں کو ایک انٹرویو میں کہا ڈاکٹر المشہد اور میں اپنے تین بچوں کے ہمراہ چھٹیاں منانے قاہرہ جا رہے تھے۔ ہم نے جہاز کے ٹکٹ بھی خرید لئے تھے۔ کہ پیرس سے عراقی پروجیکٹ میں کام کرنے والے ایک سینئر شخص نے اُسے ٹیلیفون کیا فون پر میں نے اُسے یہ کہتے ہوئے سُنا میری کیا ضرورت ہے میں اپنی جگہ ایک اور ایکسپرٹ بھیج دونگا اسکے بعد وہ چند دن نہایت پریشان اور نروس رہا۔

میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ فرنچ گورنمنٹ میں موساد کے کسی ایجنٹ نے اُسے ٹریپ کیا تھا۔ وہ مجھے اکثر کہتے تھے کہ وہ بم ضرور بنائے گا حتیٰ کہ اگر اُس کی جان بھی چلی جائے وہ اس کام سے ذرا بھر پیچھے نہیں ہٹے گا۔ فرانسیسی حکومت نے میڈیا کو جو بیان جاری کیا وہ کچھ اس طرح تھا۔ المشہد تیرہ جون 1980ء کو اپنے ہوٹل میں ایک لفٹ کے ذریعے نویں منزل میں اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا تو اُس کے ہمراہ ایک خوبرو کال گرل بھی تھی۔ موساد کو اس شخص کی جنسی آوارہ گردی کا پہلے سے ہی علم تھا۔ لہٰذا انہوں نے بدنام زمانہ پیرس طوائف میری میگل کو اُسکے پیچھے لگا دیا تھا۔ یہ عورت کافی عرصے سے موساد کیلئے کام کر رہی تھی مگر مرتے دم تک اُسے یہ پتہ نہیں چلا کہ اُسے چلانے والے کون لوگ تھے۔ ویسے بھی اُسکا کام صرف پیسہ بٹورنا تھا۔

موساد کو یہ بھی علم تھا کہ المشہد حلیم کی طرح سادہ لوح نہیں تھا چونکہ اُس کا پیرس میں قیام مختصر تھا لہٰذا موساد نے اُسے براہ راست رجوع کرنے کا ارادہ کیا۔ اگر وہ مان گیا تو بات بن گئی ورنہ وہ زندہ نہیں رہے گا۔ یہودا گل (Yehuda Gil) نامی ایک ایجنٹ جو روانی کیساتھ عربی بولتا تھا اُس کے ہوٹل پہنچا۔ اُس نے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو ڈاکٹر یحییٰ نے بغیر دروازہ کھولے اندر ہی سے آواز دی کون ہے؟ تو گل نے کہا۔"

"Iam from a power that, will pay a lot of money for answers" دفع ہو جاؤ کتے ورنہ ابھی پولیس بلاتا ہوں، ڈاکٹر یحییٰ نے اندر ہی سے انتہائی غصے میں کہا۔ گل فوراً وہاں سے نکل آیا بلکہ وہ ایک پرواز کے ذریعے اسرائیل پہنچ گیا۔ اُس لمحے میری میگل ڈاکٹر یحییٰ کیساتھ کمرے میں موجود تھی۔ اسرائیلی انٹیلی جنس کے دو اہلکار جو یہودہ گل کے جانے کے فوراً بعد وہاں آ دھمکے تھے۔ انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا تاکہ میری فارغ ہو کر چلی جائے۔ تھوڑی دیر بعد یہی ہوا میری چلی گئی تو یحییٰ اپنے بستر پر لیٹ کر نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ عین اسی وقت وہ دو افراد لاک کھول کر کمرے میں داخل ہو گئے انہوں نے کسی تیز دھار آلے سے اُس کا گلا کاٹ ڈالا۔ کمرے کے باہر کسی نے بھی ڈاکٹر یحییٰ کی چیخ و پکار نہیں سُنی۔

اگلی صبح اُس کی خون میں لت پت لاش کو سب سے پہلے ہوٹل کی ایک ملازمہ نے دریافت کیا۔ وہ اس سے پہلے دو تین مرتبہ اُس کے کمرے کا چکر لگا چکی تھی مگر دروازے پر "Dont Disturb" کا سائن دیکھ کر واپس چلی جاتی۔ آخر میں اُس نے دروازہ بار بار کھٹکھٹایا جب کوئی جواب نہیں ملا تو شک کی بنیاد پر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ بعد میں فرنچ پولیس نے بیان دیا کہ اسے کسی پیشے ور قاتل نے ہلاک کیا تھا، کیونکہ کوئی رقم یا دستاویز ادھر اُدھر نہیں ہوئی تھی۔ صرف باتھ روم کے فرش پر لپ سٹک زدہ ایک تولیہ پڑا ہوا ملا۔ میری اس قتل سے بے حد خوف زدہ ہوئی کیونکہ وہ اس سے پہلے اُس کے کمرے میں جاتی دیکھی گئی تھی لہٰذا اپنے آپ کو بچانے کیلئے وہ فوراً پولیس سٹیشن پہنچی۔ اُس نے رپورٹ درج کراتے ہوئے کہا کہ وہ جب ڈاکٹر یحییٰ کے پاس گئی تو وہ بے حد غصے کی حالت میں تھا اور کہہ رہا تھا کہ ابھی کوئی شخص آیا تھا اور عراقی پلانٹ کے متعلق کچھ معلومات مجھ سے خریدنا چاہ رہا تھا۔ موساد کو میری کے متعلق جب پتہ چلا کہ وہ پولیس کے ساتھ اس کیس میں تعاون کر رہی ہے تو اس کے ایجنٹ اُسکے بھی پیچھے پڑ گئے۔

12 جولائی 1980ء کی رات کو میری میگل ایک گلی میں کام سے واپس آ رہی تھی کہ ایک کالی مرسیڈیز کار اچانک اُس کے قریب آ کر رُک گئی۔ اُس میں سوار ایک شخص نے گاڑی کا شیشہ نیچے اُتار کر اُسے آواز دیکر اپنے قریب بُلایا۔ میری سمجھی کہ کوئی گاہک ہے۔ وہ شخص اُس کیساتھ

کچھ دیر باتیں کرتا رہا کہ اچانک ایک اور کالے رنگ کی مرسیڈیز گلی کے پارکنگ ایریا سے نکل کر نہایت تیز رفتار میں اُن کی سمت آئی۔ کار جونہی اُن کے قریب سے گذری تو عین اسی لمحے اُس شخص نے میری کو ایک زوردار دھکا دیکر سڑک کے درمیان گرا دیا ور وُہ برق رفتار مرسیڈیز اُسے بُری طرح روندتی ہوئی گذر گئی۔ اس کے بعد وہ پہلی والی گاڑی بھی سٹارٹ ہوئی اور اس کے تڑپتے جسم پر آخری بار گذر کر پیرس کی رات میں غائب ہوگئی۔

اسرائیل سے پرواز کے ٹھیک تین گھنٹے بعد تمام حملہ آور طیارے بحفاظت واپس اپنے اڈے پر اُتر گئے۔ وزیراعظم بیگن دو گھنٹوں سے اپنی رہائش گاہ میں پوری کابینہ کیساتھ اس خبر کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ شام سات بجے اسرائیلی آرمی کے کمانڈر انچیف جنرل رافیل ایتان نے ٹیلیفون پر اپنے وزیراعظم کو آپریشن بے بیون کی کامیابی کا مژدہ سنایا۔ اس پر کہتے ہیں کہ بیگن نے عبرانی میں کہا "Baruch hashem" یعنی خدا کا شکر ہے۔ ایک امریکی مصنف سٹیورٹ سیٹون نے اپنی ایک کتاب "The spy masters of Israel" میں اس اسرائیلی ہوائی حملے کے متعلق کچھ یوں لکھا۔

"In many ways this raid which used military means to round off one of the Gre espionage operations any where in the world since the end of world war two, had a the hall marks of a classic Israeli Intelligence operatioA target was destroyerd with awesome accuracy"

موساد کے ایک سینئر افسر نے کسی سے کہا: اکثر عرب ملکوں نے بھی در پردہ اس حملے پر خوشی کا اظہار کیا تھا بہر حال یہ اُس کی اپنی ذاتی رائے تھی۔

چنگیز خان

چنگیز کی زندگی اور فتوحات تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جسے پڑھے بغیر تاریخ کا سفر مکمل نہیں ہوتا۔ اس کا شمار انسانی تاریخ کے عظیم فاتحین میں سے ہوتا ہے۔ گو اس کا تعلق وحشی قبائل سے تھا لیکن وہ ایک ممتاز درجے کا وحشی تھا۔ وہ صرف تلوار کی زبان ہی نہ جانتا تھا بلکہ از روئے ضرورت ٹریک تو ڈپلومیسی بھی بروئے کار لاتا تھا۔ 1219 سے 1225 تک کے درمیانی عرصے میں چنگیز نے ترکستان کے راستے ایران اور افغانستان، دوسری طرف پامیر کی پہاڑی چوٹیوں سے سندھ کے کناروں تک آذربائیجان، کاکس اور جنوبی روس کے علاقے کی مہمات سر کیں۔ چنگیز خان کی تاریخ کتاب گھر کے **تاریخ** (History) سیکشن میں دستیاب ہے۔

اسلامک جہاد: بیروت میں ڈراؤنا خواب

تیئس اکتوبر 1983ء کو جب سورج طلوع ہوا اور اس کی زرد کرنیں بحیرہ روم کے پانیوں سے منعکس ہونے لگی تو عین اسی لمحے بیروت کے ایک گنجان آباد علاقے سے ایک شخص ایک لمبے مرسیڈیز ٹرک کو لیکر ایک سڑک پہ نکلا۔ وہ بیروت میں قابض اسرائیلی فوجی چوکیوں کے بالکل سامنے سے گذرا، ڈیوٹی پہ متعین سنتریوں نے اسے معمول کی ٹریفک سمجھ کر کوئی توجہ ہی نہیں دی۔ اس کے بعد وہ بغیر کسی چیکنگ کے ایک لبنانی چیک پوسٹ کو بھی عبور کر کے بیروت انٹرنیشنل ائر پورٹ روڈ پر پوری رفتار کیساتھ دوڑنے لگا۔ بیروت ائر پورٹ کے قریب ہی ایک چار منزلہ عمارت میں امریکی میرین گارڈز رہائش پذیر تھے۔ صبح کے 20 6 بج چکے تھے، امریکی ابھی گہری نیند سو رہے تھے۔ عمارت کے ایک سکیورٹی گارڈ ڈی فرانکو نے اس ٹرک کو سڑک پہ جاتے ہوئے دیکھا اس نے بھی کوئی خاص توجہ اس لئے نہیں دی کہ اس سڑک پہ دن رات بہوی ٹریفک رواں دواں رہتی تھی۔ اچانک وہ ٹرک ائر پورٹ روڈ سے اُتر کر میرین گارڈ کی عمارت کی طرف پوری رفتار کیساتھ آنے لگا تو اس سکیورٹی گارڈ کے اوسان خطا ہو گئے اس نے فوراً وکی ٹاکی پر اپنے انچارج کو اطلاع دی۔ جس نے فوراً عمارت میں نصب الارم سسٹم کا بٹن دبا کر خطرے کا سائرن بجا دیا۔ لیکن اب اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا وہ ٹرک عمارت کے آہنی جنگلے روندتا ہوا سیدھا بلڈنگ کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ پھر ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور پورا بیروت شہر لرز اٹھا۔ امریکی میرین کی وہ چار منزلہ عمارت چند ہی لمحوں میں زمین بوس ہو گئی۔ اس میں موجود دو سو اکتالیس میرین گارڈ نیند کی حالت میں ہی ہلاک ہو گئے۔ دوم جنگ عظیم کے بعد بیک وقت اتنی تعداد میں امریکیوں کی ہلاکت کا یہ دوسرا واقعہ تھا۔ امریکی ایف بی آئی کے مطابق ہیروشیما کے ایٹمی دھماکہ کے بعد یہ انسانی تاریخ کا دوسرا بڑا دھماکہ تھا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس ٹرک میں چھ ٹن انتہائی طاقتور بارود لدا ہوا تھا۔ زندہ بچ جانے والے سکیورٹی گارڈ نے کانپتی ہوئی آواز میں اخبار والوں کو کہا وہ ٹرک جونہی میرے قریب پہنچا تو اس کے ڈرائیور کیساتھ میری نظریں جب ملیں تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا مجھے یاد نہیں ہے۔

اس حادثے کے محض بیس سیکنڈ بعد چار کلو میٹر دور موت کا ایک اور ٹرک فرانسیسی ملٹری مشن کی بلڈنگ سے جا ٹکرایا۔ اس ٹرک میں بھی ٹنوں کے حساب سے بارود ہولناک دھماکے سے جب پھٹا تو پوری عمارت تباہ ہو گئی اور اس میں موجود 58 فرانسیسی فوجی موقع ہی پر ہلاک ہو گئے۔ ادھر ریڈ کراس کے سائرن بجاتے ہوئے ایمبولینس ملبے سے نکالی گئی لاشوں اور زخمیوں کو ہسپتال پہنچا رہے تھے کہ بیروت میں مقیم ایک فرانسیسی خبر رساں ایجنسی کے دفتر میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ وہاں موجود ایک شخص نے فون کا ریسور اُٹھایا تو کسی نے عربی میں اُسے کہا۔ یہ دونوں دھماکے ہم نے کئے ہیں۔ ہم اللہ کے سپاہی ہیں۔ ہمارا تعلق اسلامک جہاد سے ہے۔ ہم ایرانی ہیں نہ شامی اور نہ فلسطینی ہم صرف مسلمان ہیں اور قرآنی احکامات پر عمل کر رہے ہیں۔ ہم تمام امریکیوں کو خبردار کرتے ہیں کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے لبنان کی سرزمین سے نکل جائیں ورنہ موت اُن کا مقدر ہو گی اور اس

کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔

اس واقعہ کے ٹھیک دس دن بعد خودکشی پہ آمادہ اسلامک جہاد کا ایک اور سرفروش نوجوان اپنی کار میں کئی سو پاؤنڈ بارود بھر کر لبنان کے جنوب میں ایک اسرائیلی فوجی چوکی کی طرف روانہ ہوا۔ کار جونہی اسرائیلی چوکی، جو دو منزلہ عمارت میں تھی کے احاطے میں انتہائی تیزی سے داخل ہوئی تو ڈیوٹی پہ متعین ایک گارڈ نے دیکھتے ہی اُس پر مشین گن کا برسٹ چلا دیا لیکن کار عمارت کے سیدھا اندر گھس کر ایک خوفناک دھماکے سے پھٹ چکی تھی۔ عمارت ملبے کا ڈھیر بن گئی اور 29 اسرائیلی اس میں دب کر ہلاک ہو گئے۔

اسلامک جہاد 1982ء میں لبنان پہ اسرائیل کے حملے کے دوران اچانک منظر عام پہ آئی تھی۔ اسرائیل نے اس حملے میں پی ایل او کی گوریلا طاقت کو بُری طرح کچل ڈالا تھا۔ اسکے بعد پی ایل او کو مجبوراً اپنا ہیڈ کوارٹر تیونس منتقل کرنا پڑا۔ اسلامک جہاد دراصل شیعہ مسلح تنظیم حزب اللہ ہی کی ایک ذیلی شاخ تھی جسے اسلامی انقلابی ایران کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس کے جانبازوں کو ایران میں تربیت دی جاتی تھی۔ ایران نے حزب اللہ کو کروڑوں ڈالر کا سرمایہ اور اسلحہ دھڑا دھڑ سپلائی کیا۔ یوں اسلامک جہاد امریکیوں اور اسرائیلیوں کیلئے ایک ڈراؤنا خواب بن کر اُبھری۔ اس کے خودکش بم دھماکوں سے ان غیر ملکی فوجیوں کا مورال اتنا گر چکا تھا کہ اکثر امریکی اور اسرائیلی فوجی مسلسل خوف و ہراس کی وجہ سے نفسیاتی مریض بن گئے تھے۔ 18 اپریل 1983ء کو اسلامی جہاد نے امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے پر کاری ضرب لگائی اُنہوں نے ایک دوسرا مرسیڈیز ٹرک جس میں ایک ٹن بارود بھرا ہوا تھا تحفے میں امریکیوں کو بھیجا۔ وہ ٹرک مغربی بیروت میں واقع امریکی سفارت خانے کی سات منزلہ عمارت سے جا ٹکرایا، عین اُسی لمحے وہاں تیسری منزل پر سی آئی اے کا اہم اجلاس ہو رہا تھا۔ اس دھماکے میں سی آئی اے کے سٹیشن چیف سمیت 66 اہلکار ہلاک ہو گئے۔ اس حملے نے سی آئی اے کی تمام صلاحیتوں اور منصوبہ بندیوں پر پانی پھیر دیا۔ ان پے در پے دھماکوں کے بعد امریکی ایف بی آئی اور سی آئی اے کے ماہرین تحقیقات کیلئے بیروت پہنچے۔ کافی عرصہ وہ اس خودکش گروہ کی تلاش میں رہے مگر اُنہیں کوئی ٹھوس سراغ نہیں ملا۔ آخر سی آئی اے نے موساد سے مدد کی درخواست کی۔

موساد نے دو تین مہینوں کی تحقیقات کے بعد سی آئی اے کو ایک تفصیلی رپورٹ دی جس کے مطابق اس خوفناک گروہ کی جڑیں ایران اور شام تک پھیلی ہوئی تھیں۔ رپورٹ میں امریکی میرین گارڈ کی عمارت کی تباہی کا الزام ایک شیعہ راہنما شیخ محمد حسین فضل اللہ پر لگایا گیا تھا۔ یہ لبنانی شیعہ رہنما اُن دنوں بغداد میں مقیم تھا۔ رپورٹ کے مطابق پورا منصوبہ اُس کے گھر میں تیار ہوا تھا۔ اس سلسلے میں اُس کی مدد شام کی انٹیلی جنس سروس نے کی اور ایرانی سفارت خانے نے پچاس ہزار ڈالر کا سرمایہ فراہم کیا۔ اس کے بعد فضل اللہ ہی کی رہائش گاہ پر ایک خفیہ اور سادہ سی تقریب ہوئی جس میں خودکشی کی مہم پہ جانے والے کچھ جوانوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ آخر میں شیخ فضل اللہ نے مشن کی کامیابی اور خودکشی پر جانے والوں کیلئے جنت کی دعائیں پڑھیں۔ اس کے بعد اُنہیں خفیہ راستوں سے لبنان روانہ کیا گیا، جہاں اُنہیں وافر مقدار میں بارود اور ٹرک فراہم کئے گئے۔ بعد میں یہ رپورٹ کسی طرح پریس میں شائع ہوئی تو شیخ فضل اللہ نے ان تمام الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہوئے کہا امریکی میرے خلاف شرمناک پروپیگنڈہ کر رہے ہیں میں نے کسی کو بھی اس قسم کی مہم پر نہیں بھیجا۔ یہ خودکشی ہے اور خودکشی اسلام میں حرام ہے لیکن امریکی برابر شیخ فضل اللہ کو

میرین گارڈ کی ہلاکت کا ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے۔

1985ء میں سی آئی اے نے اُسے ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ امریکی مصنف باب وڈورڈ کی کتاب Veil Secret wars of CIA-1981-87 کے مطابق سی آئی اے نے ایک عرب ملک کی انٹیلی جنس سروس کیساتھ ملکر یہ منصوبہ بنایا تھا۔ اس سلسلے میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر Willium J Casey نے اُس ملک کے سفیر کے ساتھ واشنگٹن میں خفیہ ملاقات کی۔ مشن کیلئے اُس ملک نے 30 لاکھ امریکی ڈالر جنیوا میں سی آئی اے کے خفیہ اکاؤنٹ میں جمع کرائے۔ اس اپریشن کیلئے برطانوی سپیشل پولیس کے ایک ریٹائرڈ افسر کو منتخب کیا گیا۔ یہ شخص روانی سے عربی بولتا تھا اور لبنان کے چپے چپے سے واقفیت رکھتا تھا۔ اسے طاقتور بارود اور گاڑی خریدنے کیلئے سرمایہ فراہم کیا گیا۔

8 مارچ 1984ء کو بیروت میں مسلمان نماز جمعہ پڑھ کر واپس اپنے گھروں کی طرف جا رہے تھے کہ ایک بھاری ٹرک اُن کی نظروں کے سامنے سے گذر کر ایک آٹھ منزلہ عمارت کے قریب کھڑا ہوا۔ ڈرائیور نیچے اتر کر اپنے ایک ٹائر کا معائنہ کرنے لگا۔ شیخ فضل اللہ کی رہائش اسی عمارت میں تھی۔ عمارت کے چوکیداروں نے جونہی اس ٹرک کو دیکھا وہ فوراً اُسکی طرف لپکے۔ انہوں نے ڈرائیور کو عمارت کی حدود سے فوراً باہر نکلنے کو کہا تو اُس نے معذرت خواہانہ لہجہ میں کہا کہ اُسے سپئیر پارٹس کی دوکان سے دوسرا ٹائر خریدنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اپنا سفر دوبارہ شروع کر سکے۔ چوکیدار بھی نرم پڑ گئے۔ وہ شخص تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک گلی کی طرف گیا اور غائب ہو گیا۔ اس کی تھوڑی ہی دیر بعد ٹرک میں ایک زبردست بلاسٹ ہوا اور وہ سات منزلہ عمارت ملبے کا ڈھیر بن گئی جس میں اَسی (80) کے قریب لوگ لقمہ اجل بن گئے لیکن خوش قسمتی سے فضل اللہ اُس وقت ایران میں امام خمینی کیساتھ ملاقات کر رہے تھے۔ موساد اور سی آئی اے کی فضل اللہ کی موجودگی کے بارے میں تمام اطلاعات بالکل غلط ثابت ہوئیں۔

دوسرے دن شیخ فضل اللہ کے حامیوں نے بیروت میں امریکہ کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ اُنہوں نے تباہ شدہ عمارت کے کھنڈر پر ایک بینر آویزاں کیا جس پر Made In USA لکھا ہوا تھا۔ آپریشن کی ناکامی کے بعد سی آئی اے نے شیخ فضل اللہ سے براہ راست سودے بازی کا فیصلہ کیا۔ سی آئی اے نے اُسکے ساتھ خفیہ رابطہ قائم کیا فضل اللہ سے کہا گیا کہ اگر وہ امریکیوں پر اسلامک جہاد کے حملوں کی پیشگی اطلاع ہم پہنچائے تو اس کے عوض اُسے بیس لاکھ امریکی ڈالر دیے جائیں گی۔ فضل اللہ نے اس شرط پر اپنی رضامندی ظاہر کی کہ رقم کے بجائے تمتی ہی مایت کی ادویات اور اشیائے خوردونوش اُس کے حامیوں کو مہیا کی جائے۔ اس کے بعد کم از کم فضل اللہ کے گروپ نے امریکی اڈوں پر دوبارہ حملہ نہیں کیا۔ بعد میں اس ملک کے سفیر نے کسی سے کہا شیخ فضل اللہ کو ختم کرنا بے حد مشکل لیکن خریدنا آسان تھا۔ لیکن اسکے باوجود امریکی مفادات پر اسلامک جہاد کے خودکش حملے جاری رہے۔ اٹھاون سالہ William Buckley بیروت میں واقع امریکی سفارت خانے کی تباہی کے بعد وہاں سی آئی اے کے نئے سٹیشن چیف کی حیثیت سے مقیم تھا۔ وہ اس سے پہلے ویت نام میں اپنی شاندار صلاحیتوں کا لوہا منوا چکا تھا۔ وہ نہایت روانی کیساتھ عربی بولتا تھا اسکے علاوہ اُسے اسلامی تاریخ اور ثقافت پر بھی عبور حاصل تھا۔ لبنان میں اپنا چارج سنبھالتے ہی اُس نے سی آئی اے کے تباہ شدہ نیٹ ورک کو از سر نو منظم کیا۔

سولہ مارچ 1984ء:

وہ حسب معمول صبح سات بجے جاگا۔ تھوڑی دیر میں وہ ناشتے سے فارغ ہو کر اپنی رہائش گاہ سے جو ساحل سمندر کے قریب تھی، پی ڈیوٹی پر روانہ ہوا۔ آج کے دن اُس نے شیخ فضل اللہ کے حامیوں سے ملنا تھا۔ وہ انہیں یقین دہانی کرانے جا رہا تھا کہ گزشتہ دنوں کے بم دھماکے میں سی آئی اے کا کوئی ہاتھ نہیں تھا اور امریکہ شیخ فضل اللہ سے خوشگوار تعلقات کا خواہاں ہے۔ ولیم بکلے نے اپنے مخصوص بریف کیس میں کچھ انتہائی اہم کاغذات رکھے۔ یہ خاص قسم کا بریف کیس تھا جس میں ایک چھوٹا سا گیس کنٹینر لگا ہوا تھا جو ایک بٹن کے دبانے سے بریف کیس کے اندر آگ لگا کر تمام حساس کاغذات کو محض چند سیکنڈ میں تلف کر سکتا تھا۔ گرچہ امریکی سفارت خانے کے کسی فرد کو بھی بغیر گارڈ کے بیروت میں سفر کرنے کی اجازت نہیں تھی مگر بکلے نے آج اس اصول کی پرواہ نہیں کی آخر وہ ایک تجربہ کار اور سینئر خفیہ اہل کار تھا۔ وہ نیچے اترنے کیلئے تھوڑی دیر لفٹ کے انتظار میں کھڑا ہوا۔ اتنے میں لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا تو ایک داڑھی والا لبنانی نوجوان جس نے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس پکڑا ہوا تھا وہاں پہلے سے کھڑا تھا۔ لفٹ نیچے جا کر ایک اور فلور پر رکی تو ایک موٹی سی عربی عورت داخل ہوئی جسے بکلے پہلے سے جانتا تھا وہ اُسکی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

لفٹ گراؤنڈ فلور پر رکی تو بکلے نے عورت کو پہلے نکلنے کی دعوت دی۔ اس کے بعد وہ جونہی نکلنے لگا پیچھے سے اُس اجنبی شخص نے پوری قوت سے سوٹ کیس اُس کے سر پہ دے مارا۔ ولیم بکلے چکرا کر لفٹ میں ہی گر پڑا۔ اتنی دیر میں ایک اور شخص عمارت کی پارکنگ ایریا سے ایک سفید رینالٹ کار لیکر اُن کے قریب پہنچا کار سے دو اور آدمی تیزی سے نکلے اور انہوں نے ولیم بکلے کو بے ہوشی کی حالت میں کار کے اندر گھسیٹ لیا۔ کار نے اس تیزی سے موڑ کاٹ کر مین روڈ پر دوڑنا شروع کیا کہ اُس کے ٹائر چیخ پڑے۔ اُس لبنانی عورت نے جب ولیم کو اغوا ہوتے دیکھا تو وہ مدد کیلئے چلانے لگی۔ لیکن وہ لوگ انتہائی تیزی کیساتھ وہاں سے فرار ہو گئے۔ اس وقت واشنگٹن میں رات کے تین بجے تھے۔ سی آئی اے کے ڈائریکٹر ولیم کیسی کو فون پر اطلاع دی گئی کہ بیروت میں اُس کا سٹیشن چیف اغوا ہو چکا ہے۔ اُس کا اغوا سی آئی اے کیلئے زبردست دھچکا تھا بقول ولیم کیسی "Buckley's abduction was a majointelligence disaster" کیونکہ بکلے کے پاس سی آئی اے کے انتہائی حساس رازتھے۔ اُس کے پاس مشرق وسطیٰ میں سرگرم عمل تمام خفیہ اہل کاروں کی فہرست تھی اس کے علاوہ وہ تمام خفیہ آپریشنز کی تفصیلات سے بھی آگاہ تھا۔

سی آئی اے کو اپنی تاریخ میں اس قدر بڑا نقصان کبھی نہیں ملا تھا۔ ولیم کیسی نے بیروت میں امریکیوں کو ارجنٹ احکامات بھیجے کہ جیسے بھی ہو ولیم بکلے کو برآمد کیا جائے۔ تل ابیب میں موساد کے ہیڈ کوارٹر کو بھی مدد کیلئے کہا گیا۔ ولیم کیسی نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ ولیم بکلے کی رہائی کیلئے لاکھوں ڈالر بطور تاوان دینے کیلئے تیار ہے۔ پورے لبنان میں اُسکے لئے زبردست تلاش کا کام شروع ہوا۔ تمام ملیشیا گروپوں سے رابطے قائم کیے گئے مگر کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہوئی۔ امریکی سفارت خانہ اس انتظار میں تھا کہ کوئی گروپ فون پر اس اغوا کی ذمہ داری قبول کر کے اپنے مطالبات واضح کرے گا۔

امریکہ سے خصوصی طور پر ایف بی آئی کی ایک ٹیم بیروت پہنچی جنہوں نے موساد اور لبنانی انٹیلی جنس کے ساتھ ملکر بابیک اور بیکا ویلی کا چپہ چپہ چھان مارا۔ خلائی سیاروں سے بھی مدد لی گئی مگر بے سود۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اُسے زمین نگل گئی ہے۔ ولیم بکلے کے بعد تین اور امریکی اور ایک برطانوی جرنلسٹ بھی اسی طرح اغوا ہوئے۔ آہستہ آہستہ یہ پُراسرار وارداتیں بڑھتی گئی۔ مغربی ملکوں کے اکثر باشندوں نے ڈر کے مارے بیروت

سے اپنا بوریا بستر سمیٹنا شروع کیا۔

نومبر 1984ء کو جب بیروت میں امریکی سفارت خانے میں کسی نامعلوم شخص نے فون پر دعویٰ کیا کہ وہ اسلامک جہاد کا نمائندہ ہے اور ولیئم بکلے اُن کے قبضے میں ہے، اور اس کیساتھ ہی لائن کٹ گئی۔ بعد میں ولیئم بکلے کے متعلق جو تفصیلات منظر عام پر آئیں اس کے مطابق اغوا کے بعد وہ ولیئم بکلے کو بیکہ وادی میں ائرفورس کے ایک متروکہ ہوائی اڈے لے گئے، جہاں سے وہ ایک پرائیویٹ طیارے میں اُسے لیکر تہران روانہ ہوئے۔ تہران میں پاسداران انقلاب کی ایک ٹیم نے کئی گھنٹوں تک اُس سے پوچھ گچھ کی۔ اس کے بعد اُسے دوبارہ بیروت شفٹ کر دیا گیا۔ اس اغوا کے 53 دن بعد واشنگٹن میں امریکی سفارت خانے کو ایک پارسل موصول ہوا جس میں ایک وڈیو کیسٹ بند تھا۔ یہ امریکی سفیر کے نام واشنگٹن ہی کی ڈاک سے بھیجا گیا تھا۔ چند ہی گھنٹوں بعد ولیئم کیسی اور سی آئی اے کے تجزیہ کار وڈیو پر ولیئم بکلے کو ٹارچر ہوتے دیکھ رہے تھے۔ اُس کے ہاتھ میں ایک سیکرٹ فائل تھی اور کچھ لوگ اُسے بُری طرح پیٹ رہے تھے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ وہ بریف کیس میں کاغذات کو جلا نہیں سکا تھا۔

فلم سے یہ بھی پتہ چل رہا تھا کہ ولیئم بکلے کو کافی مقدار میں نشہ آور انجکشن لگائے گئے تھے۔ ایک ماہ بعد ایک دوسری وڈیو کیسٹ روم میں امریکی سفارت خانے کو موصول ہوئی۔ اس کیسٹ میں وہ اقبالِ جرم کرتا ہوا دیکھا گیا تھا اُس نے اپنے ایک طویل بیان میں مشرقِ وسطیٰ اور بالخصوص لبنان میں سی آئی اے کی خفیہ سرگرمیاں بے نقاب کیں۔ اور یوں ولیئم بکلے نے وہ سب کچھ اُگل دیا جو سی آئی اے نہیں چاہتی تھی۔ بیروت میں امریکی فرانسیسی اور برطانوی شہریوں کا اغوا اب روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔ امریکہ اس نئی مصیبت کو بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ رونالڈ ریگن نے کہا 'ہم دہشت گردوں کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکیں گے'، آخر سی آئی اے نے صدر ریگن کو مشورہ دیا کہ اگر ایران کو جو اس وقت عراق کیساتھ برسرِ پیکار تھا، خفیہ طور پر اسلحہ فراہم کیا جائے تو لبنان میں اسلامک جہاد کی قید سے یرغمالیوں کو ایران کی مدد سے رہا کیا جا سکتا ہے۔ ایران کو واقعی اس وقت شدید جنگ کی وجہ سے، اسلحہ کی سخت ضرورت بھی تھی۔ اس سلسلے میں سی آئی اے اور موساد نے مشترکہ پلان بنایا۔ ماضی میں اسرائیل کے شاہ ایران سے انتہائی قریبی تعلقات تھے۔ موساد نے شاہ کی خفیہ پولیس ساواک کو بھی تربیت دی تھی۔ ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد یہ تعلقات خود بخود منقطع ہو گئے۔ ایران میں اسی ہزار کے قریب یہودی بھی آباد تھے جنکے لئے اسرائیل سخت فکرمند تھا۔

1980ء میں اسرائیلی ائرفورس نے جب عراقی نیوکلیئر ری ایکٹر کو تباہ کیا تو اسرائیل نے خفیہ طور پر ایرانی قیادت پر احسان جتایا کہ ہم نے ایران کو ممکنہ ایٹمی تباہی سے نجات دلائی ہے۔ مگر ایران نے ان خیر سگالی کے اشاروں کا کوئی مثبت جواب نہیں دیا بلکہ خمینی نے اس اقدام کی ہی مذمت کردی۔ اسکے بعد سی آئی اے نے ایرانیوں کے ساتھ بات چیت کیلئے سعودی نژاد کھرب پتی عدنان خشوگی کو آگے بڑھایا۔ وہ اسلحے کا بین الاقوامی تاجر تھا اُسکے ایرانی ہائی کمان کیساتھ قریبی روابط تھے۔ وہ اسلحے کے بدلے یرغمالیوں کی رہائی کے سلسلے میں ایران گیا۔ جہاں اُس نے صدر ہاشمی رفسنجانی کے ایک کزن سائرس ہاشمی سے ملاقات کی۔ اور اس کے بعد یہ دونوں حضرات تل ابیب گئے جہاں ان سے اسرائیلی وزیراعظم Shimon Peres نے اس سلسلے میں بات چیت کی۔ ایران کو ٹینک شکن میزائل کی اس وقت سخت ضرورت تھی اسرائیل کے پاس امریکی اسلحہ کے علاوہ پی ایل او سے چھینے ہوئے اسلحے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جسے فروخت کر کے اچھا خاصا منافع اور سیاسی فوائد حاصل کئے جا سکتے تھے۔

وزیراعظم شمعون پیریز نے سائرس ہاشمی کو صاف صاف کہہ دیا کہ اسلحہ کا سودا لبنان میں یرغمالیوں کی رہائی کیساتھ منسلک ہوگا۔ اس کے

بعد باقاعدہ بزنس کی بات طے ہوئی۔ رقم کیلئے عدنان خشوگی کو ذمہ دار بنایا گیا کیونکہ ایرانی پیشگی رقم دینے کیلئے تیار نہیں تھے، وہ اسرائیلیوں پر بھروسہ نہیں کر رہے تھے۔ بالآخر 1985ء میں عدنان خشوگی نے اپنے اکاؤنٹ سے اسرائیل کو پچیس لاکھ امریکی ڈالر ادا کر کے ایران کیلئے 508 ٹینک شکن TOW میزائل خریدے۔ یہ میزائل تل ابیب سے بذریعہ ڈی سی -8 طیارے ایرانی شہر تبریز پہنچے۔ اسلحے کی اس پہلی کھیپ کے بدلے ایران نے کچھ مغربی یرغمالیوں کو اسلامی جہاد کی قید سے رہائی دلوائی۔ مگر سی آئی اے مسلسل ولیم بکلے کی رہائی کیلئے اصرار کر رہی تھی جبکہ ایران اس بارے میں پس و پیش سے کام لے رہا تھا۔ درحقیقت ولیم بکلے قید کی حالت میں سخت تشدد اور بعد میں نمونیہ کی وجہ سے ہلاک ہو چکا تھا۔ اس کی موت کو اسلامک جہاد نے کافی عرصہ خفیہ رکھا تھا۔ اسی سال ستمبر میں پی ایل او کے کمانڈوز نے لارناکہ (قبرص) میں موساد کے تین ایجنٹوں کو ایک ہوٹل میں ہلاک کر دیا۔

جوابی کارروائی میں اسرائیلی لڑاکا طیاروں نے تیونس میں پی ایل او کے ہیڈکوارٹر پر اچانک شدید بمباری کی جس کے نتیجے میں تیس کے قریب فلسطینی ہلاک ہوگئے۔ اس کے دوسرے دن اسلامک جہاد کے ہیڈکوارٹر سے ایک بیان جاری ہوا کہ ہم نے سی آئی اے کے ایک جاسوس ولیم بکلے کو مسلمانوں کے خلاف تخریبی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے جرم میں ہلاک کر دیا ہے۔ ایران عراق جنگ کے دوران اسرائیلی سی -130 جہاز اسلحہ لیکر تبریز میں رات کی تاریکی میں اترتے رہے۔ یہ تمام سلسلہ انتہائی خفیہ چلتا رہا مگر اچانک ایک دن لبنان کے ایک عربی میگزین کو اس کا علم ہوگیا۔ اس میگزین کی تین نومبر 1986ء کی اشاعت میں پہلی مرتبہ اس راز سے پردہ اٹھایا گیا تو پوری دنیا میں یہ ایران گیٹ (Iran Gate Scandal) سکینڈل کے نام سے مشہور ہوا۔

امریکی کانگرس نے ریگن انتظامیہ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ شروع شروع میں تو صدر ریگن اس کی تردید کرتا رہا مگر جب تمام شواہد اور ثبوت منظر عام پر آنے لگے تو اسے چار و ناچار اس نے تسلیم کرتے ہوئے کہا "ہتھیاروں کی اس فروخت کا مقصد لبنان میں یرغمال امریکیوں کو رہا کرانا تھا"۔

امریکہ اپنے Tow میزائل، ایران عراق جنگ میں برابر جھونکتا جا رہا تھا۔ اسکے بعد ایران نے کچھ اور امریکی یرغمالیوں کی رہائی کا وعدہ کیا مگر ساتھ ہی مزید میزائلوں کا بھی مطالبہ کیا۔ اس بار امریکہ نے اپنے ہاک میزائل اور لڑاکا طیاروں کے فاضل پرزہ جات ان کے ہاتھ فروخت کئے۔ مگر ایران نے احتجاج کیا کہ یہ اسلحہ وہ نہیں ہے جس کیلئے ہم نے مطالبہ کیا تھا لہٰذا کوئی یرغمالی اس بار رہا نہیں ہو سکتا۔

اسی سال عدنان خشوگی نے پھر ایک ہزار Tow میزائل کیلئے اسرائیل کو بارہ ملین پوائنٹ ڈالر ادا کئے۔ پانچویں اور آخری بار اکتوبر 1986ء میں اسرائیل نے پانچ سو میزائل ایران سپلائی کئے جس کے عوض بیروت میں اسلامک جہاد نے تین امریکی شہریوں کو رہا کر کے کچھ دنوں بعد تین اور کو اغوا کر کے حساب کتاب برابر کر دیا۔

ہتھیاروں کے اس بزنس میں عدنان خشوگی نے تیس لاکھ ڈالر بطور کمیشن کمائے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ عدنان نے اس کاروبار میں اپنے ایک عرب سرمایہ کار دوست کا پیسہ استعمال کیا اور خوب منافع کمایا۔ اور بقول اسرائیلی وزیر دفاع Ariel Sharon اسرائیل نے اس خفیہ تجارت میں 27 ملین ڈالر کمائے۔

میونخ آپریشن

میونخ شہر کے وسط میں واقع آرام دہ، فیملی سٹائل ایڈن ہوٹل سے پانچ ستمبر 1972ء کو ایک بظاہر سنجیدہ فلسطینی نوجوان صبح سویرے روانہ ہوا۔ ایڈن ہوٹل مسافروں کو اس وجہ سے پسند تھا کہ ایک تو ریلوے سٹیشن اُس کے بالکل سامنے تھا دوسرا ائر پورٹ جانے والی بس کا ٹرمینل اُس کے عین صدر دروازے کے قریب تھا۔ ہوٹل سٹاف اگر ذرا بھی توجہ دیتی تو انہیں صاف پتہ چل جاتا کہ اُن کا یہ عربی گیسٹ بڑی عجلت میں ہوٹل سے نکلا تھا۔ وہ پُر اسرار فلسطینی 25 اگست کو اس ہوٹل میں چیک ان ہوا تھا۔ اُس کے بوگس عراقی پاسپورٹ پر اُس کا نام سعد الدین ولی، عمر 32 سال اور پیشہ جرنلزم درج تھا۔ اُس وقت ویسے بھی شہر غیر ملکی صحافیوں سے بھرا ہوا تھا، انتہائی معروف ہوٹل سٹاف کے پاس اُس پر شک کرنے کا بظاہر کوئی جواز نہیں تھا، لیکن پھر بھی اگر وہ ذرا غور کرتے تو اُس کی چال ڈھال کم از کم صحافیوں جیسی لگ نہیں رہی تھی۔ اُس نے اپنا زیادہ تر وقت بند کمرے میں اپنے عرب دوستوں کیساتھ سرگوشیوں میں گذارا۔ اُس نے، بقول آپریٹر کے، بیروت، طرابلس اور تیونس نیپے فون کالیں کیں۔ وہ درحقیقت فلسطینی تنظیم بلیک ستمبر کا ایک اہم لیڈر تھا وہ اولمپک گیمز میں شریک اسرائیلی کھلاڑیوں پر حملے کیلئے مشن کی تیاری دیکھنے دمشق سے آیا تھا۔ اُس کے فرار کے محض چوبیس گھنٹے بعد دنیا بھر کی میڈیا فلسطینی مسئلے کی طرف متوجہ ہوئی۔ لوگوں نے بلیک ستمبر کا نام پہلی بار اخبارات میں جلی حروف میں دیکھا۔

اکتوبر 1968ء کی ایک صبح ہزاروں فلسطینیوں نے جن میں اکثر خود کار ہتھیاروں سے لیس تھے اُردن کے دارلحکومت عمان میں زبردست مظاہرہ کیا۔ وہ فلسطینی مزاحمت کے حق میں نعرے اور ہوائی فائرنگ کرتے رہے۔ ویسے یہ جلوس الفتح کے ایک لیڈر عبدالفتح حمود کی ہلاکت کے خلاف احتجاج میں نکلا تھا مگر اس نے اچانک اردنی حکومت کے خلاف بھی نعرے بازی شروع کر دی۔ فلسطینی فدائین نے پہلی مرتبہ اپنے میزبان ملک کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کیا۔ شاہ حسین کے لئے یہ منظر بڑا تکلیف دہ تھا۔ وہ اُس کی معزولی کا بھی مطالبہ کر رہے تھے۔

1948ء اور 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد سے اُردن میں لاکھوں فلسطینیوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ یہاں اُن کی مسلح تنظیموں نے اسرائیل کے خلاف جہاد کیلئے اپنے گوریلا کیمپ بنائے ہوئے تھے۔ شاہ حسین اور اُس کی فوج 1967ء کی شکست سے نڈھال تھی اور اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ اس موقع پر اُن کا راستہ روک سکے۔ ویسے بھی مغرب نواز شاہ کا خود اپنے اقتدار پر گرفت اتنی مظبوط نہیں تھی۔ اُس پر کئی بار قاتلانہ حملے ہو چکے تھے۔ اب عمان میں فلسطینی فدائین برسرِ عام کلاشنکوف لہراتے اور دندناتے پھر رہے تھے اور اُس کے اقتدار کیلئے براہ راست خطرہ بن رہے تھے۔ ملک میں لاء اینڈ آڈر کی حالت دن بدن خراب سے خراب تر ہو رہی تھی۔

مسلح فلسطینی عمان میں لوگوں سے گن پوائنٹ پر چندے وصول کر رہے تھے۔ مہاجر کیمپوں میں ان کی اپنی پولیس فورس بن چکی تھی جنکا اُردنی پولیس کیساتھ کئی مرتبہ مسلح تصادم ہو چکے تھے۔ ایک بار تو انہوں نے فوج کے ایک سپاہی کو دن دھاڑے ہلاک کرنے کے بعد اُس کا سر کاٹ کر

پھینک دیا۔ یکم ستمبر 1970ء کو شاہ حسین اپنی بیٹی کے استقبال کیلئے عمان ائرپورٹ جارہا تھا کہ اچانک ایک فلسطینی نے اُس کی کار پر مشین گن سے فائرنگ شروع کردی مگر خوش قسمتی سے وہ بال بال بچ گیا۔ آخر صبر کے سارے پیمانے لبریز ہوگئے تو شاہ حسین نے سولہ ستمبر کو مارشل لاء کا اعلان کردیا اور اس کے چوبیس گھنٹے بعد اردنی ٹینک اور توپ خانہ مہاجر کیمپوں کی طرف حرکت کرنے لگا۔ فلسطینیوں نے عمان کے اردگرد پہاڑوں میں مظبوط مورچے بنالئے تھے۔ لیکن شاہ حسین نے پھر بھی معرکہ آرائی سے قبل یاسر عرفات کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ چاہے تو حالات پر قابو پایا جاسکتا ہے مگر یاسر عرفات کا جواب مایوس کن تھا اُس نے کہا کہ مجھے افسوس ہے حالات اب میری کنٹرول سے باہر ہوچکے ہیں، میں صرف آپ کو چوبیس گھنٹے کی مہلت ہی دے سکتا ہوں جس میں آپ ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔

کہتے ہیں کہ یاسر عرفات کا یہ جواب سُن کر شاہی فوج کا سربراہ شاہ حسین کے سامنے رو پڑا تھا کہ اُسے اب ایکشن کی اجازت دی جائے۔ اس کے بعد اردنی فوج نے عمان کے پہاڑوں میں قائم فلسطینی اڈوں پر زبردست حملہ شروع کردیا۔ مسلسل دس دن تک شاہی ٹینک اور توپیں ان پر آگ اور لوہے کی بارش برساتے رہے۔ 27 ستمبر کو جب جنگ بندی کا اعلان ہوا تو بیس ہزار فلسطینی اس خونریز جھڑپ کی نذر ہوچکے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی پی ایل او کے تمام مسلح دھڑوں کو اردن کی سرزمین سے نکل جانے کا حکم ہوا۔ کہتے ہیں کہ اردنی فوج نے اس قدر شدید کریک ڈاؤن شروع کیا تھا کہ ان کے خوف سے اکثر فلسطینی جنگجو دریائے اُردن عبور کرکے اسرائیلی سرحدی محافظوں سے پناہ مانگنے لگے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ انہیں اسرائیلیوں نے نہ جانے کیوں پناہ دے دی تھی۔

پی ایل او کے مسلح کمانڈوز نے اردن سے نکلنے کے بعد بیروت میں اپنے نئے ٹھکانے بنالئے مگر اُنہوں نے ستمبر 1970ء کے ملٹری کریک ڈاؤن کا بدلہ لینے کیلئے ایک سپیشل فورس بنائی جس کا نام اُنہوں نے بلیک ستمبر رکھا۔ اٹھائیس نومبر 1971ء کو قاہرہ میں اُردن کا وزیر اعظم وصفی الطلال عرب لیگ کے ایک اجلاس میں شرکت کے بعد دریائے نیل کے کنارے واقع ہوٹل شیرٹن پہنچا جہاں اُس کی بیوی بھی مقیم تھی۔ وہ ابھی ہوٹل کی لابی میں تھا جب بہت سارے ٹورسٹ اور سرکاری مہمان بھی اِدھر اُدھر چہل پہل کررہے تھے کہ اچانک ایک فلسطینی نوجوان نے نہایت قریب سے اُس پر پستول کے پانچ فائر کئے جس سے وہ خون میں لت پت وہاں گر پڑا اور موقع ہی پر ہلاک ہوگیا۔ اُس کے قاتل منصور سلیمان خلیفہ اور اُس کے تین اور ساتھیوں کو قاہرہ پولیس نے فوراً ہی گرفتار کرلیا۔ پولیس جب اُنہیں اپنی گاڑی میں لیجارہی تھی تو اُنہوں نے نعرے لگائے 'ہم بلیک ستمبر کے فدائی ہیں'۔ کچھ عینی شاہدوں کے مطابق منصور نے مقتول وزیر اعظم کے جسم سے بہتے ہوئے خون میں اُنگلی ڈبو کر اُسے اپنے منہ میں ڈال کر چکا تھا۔ مصر نے بعد میں ان چاروں فلسطینیوں کو چپکے سے رہا کرنے کے بعد دمشق رخصت کردیا۔ بلیک ستمبر نے پھر اسی سال لندن میں اُردنی سفیر پر بھی قاتلانہ حملہ کیا مگر وہ خوش قسمتی سے بچ نکلا۔

میونخ اولمپک کے آغاز سے قبل ہی موساد کو خفیہ اطلاعات موصول ہورہی تھی کہ پی ایل او نے اس موقع پر اسرائیل کے خلاف مظاہروں کا پروگرام بنایا ہے۔ لیکن اس کے اصل منصوبے کے بارے میں موساد کو بلکل خبر نہیں تھی۔ بلیک ستمبر نے اس آپریشن کی پلاننگ 1972ء کے اوائل میں ہی بیروت کے ایک خفیہ مقام پر مکمل کرلی تھی۔ اسے اس قدر خفیہ رکھا گیا تھا کہ سوائے پی ایل او کے چند چوٹی کے راہنماؤں کے علاوہ کسی کو اس

کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔

گیمز شروع ہونے سے پہلے ہی موساد کے اہل کار اسرائیلی کھلاڑیوں کے حفاظتی اقدامات کی جانچ پڑتال کرنے مغربی جرمنی پہنچ گئے تھے۔ اُنہوں نے جرمن انٹیلی جنس کو مشورہ دیا کہ میونخ پہنچنے والے تمام عرب باشندوں کی کڑی نگرانی کا بندوبست کیا جائے لیکن جرمن حکومت خوش تھی کے اس بین الاقوامی موقع پر غیر معمولی پولیس چیکنگ اور پکڑ دھکڑ کو معیوب سمجھ رہی تھی۔ وہ عالمی ذہن سے نازی دور کی تلخ یادیں مٹانے کیلئے ان کھیلوں کو بڑی اہمیت دے رہی تھی۔

آٹھ جولائی کو جب گرمی کی شدت نے دمشق کے باسیوں کو گھروں میں پناہ لینے پر مجبور کیا تو یوسف نجار (بلیک ستمبر کا سخت گیر لیڈر) نے پی ایل او کے مختلف دھڑوں کے اہم لیڈروں کے ساتھ ایک خفیہ میٹنگ کی۔ جس میں اُنہوں نے اس آپریشن کی متفقہ منظوری دی۔ اگست میں بلیک ستمبر کے دو کمانڈوز میونخ پہنچے تاکہ حالات کا جائزہ لے سکیں۔ اُن کی آمد کے چند ہفتے بعد اُن کے دوسرے آٹھ ساتھی بھی پہنچ گئے۔ اُن میں سے کسی نے بھی ہوائی سفر اختیار نہیں کیا۔ وہ روم اور بلغراد سے الگ الگ مختلف زمینی راستوں سے آئے تھے۔ اس کے علاوہ اُن میں سے کسی کے پاس دوران سفر کسی قسم کا اسلحہ یا دھماکہ خیز مادہ نہیں تھا۔ میونخ میں شامی سفارت کاروں نے اُنہیں ہتھیار فراہم کرنے تھے۔

اولمپک ویلج پر یلغار کیلئے 5 ستمبر صبح ساڑھے چار بجے کا وقت مقرر ہو چکا تھا۔ مقررہ دن شہر کے مختلف مقامات سے وہ فلسطینی کمانڈوز کندھوں پر سفری بیگ لٹکائے اور ٹریک سوٹ پہن کر نکلے۔ وہ اولمپک ویلج کے قریب پہنچ کر اکٹھے ہوئے۔ اُن کے بیگوں میں جدید AK 47 کلاشنکوف اور لا تعداد کارتوس پڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ دیوار پھلانگ کر کھلاڑیوں کے ہوسٹل کی طرف بڑھے۔ ہوسٹل میں گہری خاموشی تھی کیونکہ ابھی کوئی بھی جاگا نہیں تھا۔ بلیک ستمبر کے خفیہ اہل کاروں نے اس سے قبل اسرائیلی اتھلیٹس کے کمروں کی نشان دہی کر دی تھی۔ لہٰذا وہ سیدھا اُنہی کمروں کی طرف گئے جہاں اسرائیلی ٹیم کے کھلاڑی نیند کی گہری آغوش میں تھے۔

اچانک اُن فلسطینیوں نے فائرنگ کر کے کمروں کے دروازے توڑ دیئے اور اندر گھس گئے۔ اُنہوں نے اسرائیلی کھلاڑیوں کو ٹھوکریں مار کر ہاتھ اوپر اٹھانے کا حکم دیا۔ اسرائیلی ابھی تک اصل صورت حال سے واقف نہیں ہوئے تھے۔ شاید وہ اسے کوئی ڈراؤنا خواب سمجھ رہے تھے۔ دو اسرائیلی کھلاڑیوں نے مزاحمت کی کوشش بھی کی مگر وہ جلد ہی سب مشین گن کی ایک گونج دار برسٹ کا شکار ہو گئے۔ فلسطینی کمانڈوز نے ان دونوں کی لاشوں کو گھسیٹ کر کمرے سے باہر پھینک دیا اور باقی نو کو یرغمال بنا لیا۔ اس واقعے کے چند ہی لمحوں بعد جرمن پولیس متعدد جیپوں میں، جن کے سائرن بُری طرح چیخ رہے تھے، جائے وقوع پر پہنچ چکی تھی۔ پولیس نے فوراً پوری عمارت کو گھیرے میں لے لیا۔ آخر کار جرمن حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں نے فلسطینی گوریلوں کے ساتھ بات چیت کا آغاز کیا۔ اُنہوں نے اسرائیلی جیلوں میں قید دو سو فلسطینیوں کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کیا۔ اسرائیل کے سفیر نے جو خود بھی وہاں موجود تھا، گوریلوں کے مطالبات سے اپنی حکومت کو خبردار کیا۔ وہاں تل ابیب میں اسرائیلی کابینہ کا ایمرجنسی اجلاس ہوا جس میں وزیر اعظم مسز گولڈا مائیر نے ان مطالبات کو سختی سے رد کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ اُن کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکیں گے۔ وقت تیزی سے کھسک رہا تھا لیکن مسئلہ کا کوئی حل دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُدھر گوریلوں نے دھمکی دی کہ اگر مقررہ ڈیڈ لائن تک اُن کے مطالبات تسلیم

نہ کیئے گئے تو وہ ہر گھنٹے بعد ایک یرغمالی کو ہلاک کرتے جائیں گے۔ جرمن حکومت اپنی ناقص سیکیورٹی انتظامات کی وجہ سے انتہائی تنقید و ملامت کی زد میں تھی۔ اولمپک گیمز عارضی طور پر روک دیئے گئے تھے۔ کچھ جرمن سیاست دانوں نے گوریلوں کو رضاکارانہ طور پیشکش کی کہ کھلاڑیوں کے بجائے انہیں یرغمال بنالیا جائے۔ لیکن فلسطینی برابر اپنے مطالبات پر جمے رہے۔

آخر پورا دن بھی گذر گیا اور دوبارہ شام ہوگئی مگر حالات جوں کے توں ہی رہے۔ اچانک رات گئے فلسطینی فدائین نے ایک اور مطالبہ کیا کہ انہیں ایک بوئینگ جہاز فراہم کیا جائے تاکہ وہ یرغمالیوں کو لیکر قاہرہ جاسکیں جہاں وہ گفت و شنید دوبارہ شروع کریں گے۔ رات کے دوسرے پہر دو ملٹری ہیلی کاپٹر ولیپک ویلج سے فضاء میں بلند ہوئے۔ ایک ہیلی کاپٹر میں کمانڈوز اپنے یرغمالیوں کیساتھ بیٹھے ہوئے تھے جبکہ دوسرے میں جرمن پولیس کے اعلیٰ حکام اور موساد کے کچھ افسر سوار تھے۔ فلسطینی کمانڈوز کو یہ تاثر دیا گیا تھا کہ انہیں لفتھانسا ائرلائن کا ایک خصوصی بوئینگ فراہم کیا جارہا ہے۔

دونوں ہیلی کاپٹر میونخ سے کچھ دور ایک فوجی ہوائی اڈے پر جا اترے۔ رن وے پر ایک بوئینگ 727 پہلے سے کھڑا تھا۔ جرمن حکام نے فلسطینیوں سے کہا کہ وہ نیچے اتر کر جہاز پر سوار ہو جائیں تاکہ ان کی خواہش کے مطابق انہیں قاہرہ پہنچا دیا جائے۔ گوریلا لیڈر نے کہا کہ وہ پہلے جہاز کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں کہ کہیں انہیں ٹریپ تو نہیں کیا جارہا ہے۔ جرمن پولیس کے سربراہ نے انہیں فوراً اجازت دے دی۔ آخر دو نقاب پوش مسلح فلسطینی ہیلی کاپٹر سے اتر کر جہاز کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے طیارے کا اندر سے تھوڑی دیر معائنہ کیا۔ جہاز کے انجن ٹھنڈے سرد تھے اور عملے کا کوئی فرد موجود نہیں تھا۔ فلسطینی سمجھ گئے کہ ان کیساتھ دھوکہ ہو رہا ہے۔ وہ فوراً جہاز سے اتر کر واپس اپنے ہیلی کاپٹر کی طرف بھاگنے لگے کہ اچانک ائرپورٹ کے کنٹرول ٹاور کی چھت سے جرمن کمانڈوز نے ان پر مشین گن کا فائر کھول دیا۔ وہ دونوں فلسطینی موقع پر گولیوں سے چھلنی ہو کر ہلاک ہو گئے۔ ادھر ہیلی کاپٹر پر موجود فلسطینی گوریلوں نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی۔

شدید فائرنگ کے تبادلے سے بجلی کی تاریں کٹ کر گر گئیں جس سے پورا ائرپورٹ تاریکی میں ڈوب گیا۔ فلسطینیوں نے ایک جرمن کمانڈو کو نشانہ بنایا۔ وہ گولی لگتے ہی چھت سے گرا اور وہیں ہلاک ہوگیا۔ یہ شوٹ آؤٹ چھ منٹ تک جاری اس کے بعد کچھ دیر خاموشی چھا گئی۔ نوے منٹ بعد اچانک گوریلوں نے ہیلی کاپٹر سے چھلانگیں لگائی۔ انہوں نے یرغمالیوں پر گولیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی، اور اس کے ساتھ ہی آٹھ دس گرینیڈ بھی ہیلی کاپٹر کے پیٹ میں لڑھکا دیے۔ خوفناک دھماکوں سے ہیلی کاپٹر کے پرخچے اڑ گئے۔ نو یرغمالیوں کے اعضاء ائرپورٹ میں دور دور تک بکھر گئے۔ اسکے بعد جرمن کمانڈوز نے ان پر زبردست فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں دو اور گوریلے ہلاک ہوگئے۔ باقی چار کو پولیس نے شدید زخمی حالت میں گرفتار کر لیا۔

اور اس کیساتھ اس خونی ڈرامے کا ڈراپ سین مکمل ہوا۔ دمشق اور بیروت میں فلسطینیوں نے میونخ آپریشن کی کامیابی پر زبردست جشن منائے۔ فلسطینی نوجوانوں نے ہوائی فائرنگ کر کے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

تیرہ ستمبر کو پی ایل او کے ایک کمیونسٹ راہنما جارج حبش نے بیروت کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

A bomb in the white house, a mine in the Vatican, the death of Mao Tse-tung

earthquake in Paris, none of these could have produced the far-reaching echo every man inthe world like the operation of Black September in Munich;

میونخ سے ایک خصوصی طیارے میں جب اسرائیلی کھلاڑیوں کے تابوت تل ابیب پہنچے تو میر گولڈا میئر بذات خود ائرپورٹ پر موجود تھی۔ اسرائیل نے تین دن قومی سوگ کا علان کیا۔ اسرائیلی وزیراعظم کھلاڑیوں کے لواحقین کے پاس اُن کے گھروں میں گئی اور انہیں دلاسہ دیتی رہی۔ اُدھر چار فلسطینی کمانڈوز کی لاشیں لیکر ایک بوئنگ طرابلس پہنچا تو اُنکے استقبال کیلئے قذافی بذات خود ائرپورٹ پر موجود تھا انہیں سرکاری اعزاز کیساتھ دفنایا گیا۔

یاسر عرفات اور پی ایل او کی قیادت کو زیادہ انتظار کرنا نہیں پڑا۔ میونخ کے حساب کتاب کو بے باک کرنے کیلئے آٹھ ستمبر کو اسرائیلی ائرفورس کے لڑاکا طیاروں کے ایک سکواڈرن نے شام اور لبنان میں فلسطینی ٹھکانوں پر شدید بمباری کی۔ اس ہوائی حملے میں ایک اندازے کے مطابق تین سو بے گناہ فلسطینی بچے بوڑھے اور عورتیں ہلاک ہوئیں۔ اس کے بعد سولہ ستمبر کو طلوع آفتاب سے پہلے اسرائیلی فوج کا ایک دستہ لبنانی سرحد عبور کرتا ہوا فلسطینی کیمپوں میں داخل ہوا۔ انہوں نے وہاں خوب لوٹ مار کرنے کے بعد ایک سو پچاس کے قریب مکانوں پر بلڈوزر چلا کر انہیں مسمار کر دیا۔

جوابی کاروائی میں بلیک ستمبر نے امریکہ اور یورپ میں متعین اسرائیلی سفارت کاروں کو ستر کے قریب (Letter bomb) لیٹر بم روانہ کیئے۔ جن میں سے کئی تو بروقت شناخت ہونے پر ناکارہ بنا دیے گئے تھے لیکن کچھ اپنا کام کر گئے۔ لندن میں ایک اسرائیلی سفارت کار نے اپنے نام کا ایک پارسل جونہی کھولا تو زوردار دھماکہ ہوا اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ لیٹر بم ایک انتہائی طاقتور دھماکہ خیز مادے RDX سے تیار ہوتا ہے۔ یہ عام کاغذ کی طرح باریک ہوتا ہے جسے باآسانی ڈاک کے لفافے میں فولڈ کر کے بند کیا جا سکتا ہے۔ RDX کے ورق کو لفافے میں ایک باریک Detonator سے منسلک کر دیا جاتا ہے۔ اب جیسے ہی یہ نامۂ مرگ بذریعہ ڈاک کسی کو موصول ہوتا ہے اور وہ اُسے کھولنے لگتا ہے تو RDX ایک خوفناک دھماکے سے پھٹ کر اُس کی جان لے لیتا ہے۔

میونخ آپریشن کے دوران زندہ بچ جانے والے تین فلسطینی کمانڈوز ابھی تک جرمن حکومت کی تحویل میں تھے۔ بلیک ستمبر نے ان کی رہائی کیلئے مغربی جرمنی کے چانسلر کو ایک خط لکھا اور ساتھ دھمکی بھی دی کہ اگر انہیں فوراً چھوڑا نہیں گیا تو بین الاقوامی فضائی راستوں پر لفتھانسا ائرلائن کا کوئی طیارہ محفوظ نہیں رہے گا۔ جرمنی نے اس مطالبے کو سختی سے رد کر دیا۔ آخر بلیک ستمبر نے اپنی اس دھمکی کو حقیقت میں جلد ہی بدل ڈالا۔ انہوں نے لفتھانسا ائرلائن کا ایک بوئنگ بیروت سے پرواز کے چند ہی لمحوں بعد اغوا کر لیا۔ یہ جہاز جس پر عملے کے علاوہ بیس مسافر سوار تھے، انقرہ جا رہا تھا۔ ہائی جیکروں نے جہاز کو یوگوسلاویہ میں اترنے پر مجبور کیا، جہاں سے ایندھن لیکر وہ میونخ روانہ ہوئے۔ میونخ پہنچ کر فضا ہی سے اُنہوں نے جرمن حکام کیساتھ ریڈیائی رابطہ قائم کر کے اُنہیں اپنا پرانا مطالبہ دُھرایا۔ حکومت نے اس اندیشہ کے تحت کہ دوبارہ میونخ اولمپک جیسا قتل عام نہ ہو جائے اُن تینوں فلسطینیوں کو رہا کر دیا اور انہیں ایک جہاز میں بیٹھا کر طرابلس پہنچا دیا جہاں اُن کا بطور ہیرو استقبال ہو۔ لیبیا کے سرکاری ٹیلی ویژن پر اُن کے براہ راست انٹرویو نشر کیئے گئے۔ اسرائیل نے مغربی جرمنی کے اس اقدام کی شدید مذمت کی۔

سانحہ میونخ کے چند ہی ہفتوں بعد موساد نے اپنے ذرائع سے اس آپریشن کے ذمہ دار افراد کا پتہ چلا لیا۔ بقول موساد اِس قتل عام کا آپریشن انچارج ایک خوبرو نوجوان علی حسن سلامے تھا۔ علی حسن سلامے یاسر عرفات کا انتہائی قریبی ساتھی تھا، وہ اُس کی ذاتی سکیورٹی فورس (Force-17) کا سربراہ بھی تھا۔ سلامے انتہائی ذہین شخص تھا۔ اس کے پاس بیک وقت کئی سفارتی پاسپورٹ تھے جن کی مدد سے وہ آسانی دنیا بھر میں گھومتا رہتا تھا۔ وہ کبھی ایک رات سے زیادہ کسی جگہ نہیں ٹھہرتا تھا۔ پی ایل او کے حلقوں میں وہ ابو حسن اور موساد کی خفیہ فائل میں Red prince کے کوڈ سے جانا جاتا تھا۔

حسن سلامے نے 1971ء کی حسینہ عالم لبنانی دوشیزہ جارجینہ رزق (Georgina Rizk) سے شادی رچائی تھی۔ مسز گولڈا میئر نے علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ میونخ آپریشن کے ذمہ دار افراد دنیا کے کسی کونے میں بھی اسرائیلی انتقام سے نہیں بچ سکیں گے۔ اسرائیلی وزیراعظم نے بیس اہم فلسطینی لیڈروں کے ڈیتھ وارنٹ پر دستخط کیے۔ یہ افراد بقول موساد میونخ آپریشن میں براہ راست ملوث تھے۔ موساد نے ان افراد کو ٹھکانے لگانے کیلئے ایک خصوصی ہٹ ٹیم WRATH OF GOD کے نام سے ترتیب دی، اس ٹیم میں تیس چھ کے انتہائی پیشہ ورکِلرز کو شامل کیا گیا۔ 1972ء اور 1973ء کے درمیان اس ٹیم نے یورپ اور مشرق وسطیٰ کے مختلف شہروں میں بلیک ستمبر کے ذمہ دار افراد کو چُن چُن کر ختم کیا۔ بقول یاسر عرفات اس کے 60 آدمی W O G کا شکار ہوئے۔

عبدل وائل (Abdul Wael Zwaite) روم میں لیبیا کے سفارت خانے میں بطور ترجمان ملازم تھا۔ سولہ اکتوبر 1972ء کو دفتر سے چھٹی کے بعد وہ حسب معمول سیدھا اپنے گھر پہنچا۔ وہ جونہی اپنے فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو دو اجنبی اشخاص نے اُس پر انتہائی قریب سے پستول کے کئی فائر کیے گولیاں اُس کے سر اور سینے میں لگی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے ایک ہمسائے کے بقول دو آدمی تیزی سے اُس کے فلیٹ سے اتر کر ایک سُرخ رنگ کی کار میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔ کار کی ڈرائیور سنہرے بالوں والی ایک لڑکی تھی جو مکان کے بالکل قریب اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہی تھی۔

اطالوی پولیس قاتلوں کا سراغ نہیں لگا سکی مگر بلیک ستمبر کو خوب پتہ تھا کہ یہ کس کی کارروائی ہے۔ عبدل وائل پر میونخ آپریشن کے علاوہ اسرائیلی ائیرلائن کے ایک طیارے کو تباہ کرنے کی سازش کا بھی الزام تھا۔ اسرائیلی ہٹ ٹیم Wrath of God کا دوسرا شکار چونتیس سالہ ڈاکٹر ہمشاری بنا۔ وہ پیرس میں پی ایل او کے سفارتی مشن میں نمائندے کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ اُس پر 1969ء میں اسرائیلی وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان پر قاتلانہ حملہ کرنے کا الزام تھا۔

میونخ آپریشن کیلئے اُس نے کئی اہم امور کی نگرانی کی تھی۔ پیرس میں قیام کے دوران ڈاکٹر ہمشاری مسلح سکیورٹی گارڈ کے بغیر گھر سے ایک قدم باہر نہیں نکالتا تھا۔ دسمبر کے مہینے میں اُس کی گلی میں کچھ 'Plumber' ایک پائپ لائن کی مرمت کر رہے تھے کہ 'غلطی' سے انہوں نے ٹیلیفون کیبل کو نقصان پہنچا دیا، جس سے ڈاکٹر ہمشاری کا ٹیلیفون خراب ہو گیا۔ ہمشاری نے محکمہ ٹیلیفون کو اس کی شکایت کی تو انہوں نے معائنے کیلئے ایک ٹیکنیشن اُس کے گھر بھیج دیا۔ ٹیکنیشن دراصل موساد کا مقامی خفیہ اہل کار تھا اُس نے ہمشاری اور اُس کے گارڈز کی موجودگی میں ٹیلیفون

سیٹ کھول کر مرمت کی۔ اُس نے نظریں بچا کر چپکے سے ایک چھوٹا سا ریموٹ کنٹرولڈ بم ریسیور کے اندر لگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹیلیفون ٹھیک کر کے وہ چلا گیا۔ دوسرے دن صبح کے وقت فون کی گھنٹی بجی تو ڈاکٹر ہمشاری نے ریسیور اُٹھایا، دوسری طرف سے کسی نے پوچھا: کیا آپ ڈاکٹر ہمشاری بول رہے ہیں؟ اُس نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے محض دس سیکنڈ بعد سیٹ ایک زوردار دھماکے سے پھٹ پڑا اور ہمشاری بری طرح زخمی ہو گیا۔ اُسے فوراً ہسپتال پہنچایا گیا جہاں وہ ایک ماہ تک زیر علاج رہنے کے بعد چل بسا۔

ابھی یورپ میں موساد اور بلیک ستمبر کے درمیان خفیہ جنگ جاری تھی کہ اسرائیلی وزیر اعظم مسز گولڈا میئر نے ویٹی کن سٹی کے دورے کا اعلان کیا۔ اُدھر انٹیلی جنس کمیونٹی نے ایسے حالات میں اس یاترا کی بڑی مخالفت کی لیکن گولڈا میئر نے کہہ کہ وہ ضرور جائے گی۔ بلیک ستمبر کو جب پتہ چلا کہ اسرائیلی وزیر اعظم کا طیارہ روم کے انٹرنیشنل ائر پورٹ پر اترے گا تو انہوں نے اسے تباہ کرنے کا منصوبہ بنانا شروع کیا۔ علی حسن سلامے جو ان دنوں مشرقی جرمنی گیا ہوا تھا' سے وہاں سے اس مقصد کیلئے روسی ساختہ سٹریلا (Strella) میزائل حاصل کئے۔ یہ میزائل باآسانی کندھے سے فائر کیا جاسکتا ہے اور اس کی مار ساڑھے تین کلومیٹر کلومیٹر تک ہوتی ہے۔ مشرقی جرمنی سے ان میزائلوں کو یوگوسلاویہ میں قائم پی ایل او کے تربیتی کیمپ پہنچایا گیا۔ پھر وہاں سے ان کو ایک سمندری لانچ میں اٹلی روانہ کیا گیا۔ رات کی تاریکی میں یہ لانچ اٹلی کے ایک ویران ساحل پہنچی تو وہاں علی حسن سلامے پہلے سے انتظار میں کھڑا تھا۔ انہوں نے میزائلوں کے کریٹ کشتی سے اتار کر پاس کھڑی ایک فیٹ Fiat ویگن میں رکھے۔ اس کے بعد انہوں نے لانچ میں سوراخ کر کے اُسے سمندر میں ڈبو دیا۔ پھر وہ اُس ویگن میں بیٹھ کر روم روانہ ہوئے۔ انہوں نے شہر کے وسط میں کرائے کے ایک مکان میں یہ میزائل چھپا کر رکھ دیے۔

مسز گولڈا میئر اپنے غیر ملکی دوروں کے پہلے مرحلے میں فرانس پہنچ چکی تھی۔ اِدھر روم میں اُس کی آمد کے پیش نظر موساد اطالوی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ہمراہ حفاظتی اقدامات کو ہر لحاظ سے مکمل کرنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف تھی کیونکہ انہیں لندن میں مقیم ایک فلسطینی طالب علم ایجنٹ سے خفیہ اطلاع موصول ہوئی تھی کہ بلیک ستمبر اسرائیلی وزیر اعظم کا طیارہ روم میں اترتے وقت تباہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اطالوی پولیس بھی سخت دباؤ میں تھی۔ روم میں مقیم سینکڑوں فلسطینیوں کے گھروں پر پولیس نے راتوں رات چھاپے مارے مگر انہیں فلسطینی کمانڈوز کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔

لیکن کبھی کبھی خوش قسمتی بھی بڑے کام دیکھ جاتی ہے۔ ہوا یوں کہ برسلز میں موساد کے ایک اہل کار کو ایک مشہور کال گرل پر شک ہو کہ اُسکے مداحوں میں کچھ فلسطینی نوجوان بھی شامل ہیں جو اکثر اسکے پاس آتے رہتے تھے۔ اس لڑکی کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ موساد کو باوثوق ذرائع سے یہ بھی پتہ چلا تھا کہ علی حسن سلامے یورپ میں قیام کے دوران اس لڑکی کو ملنے ضرور آتا ہے۔ ایک دن موساد نے چپکے سے اس کے فلیٹ تک رسائی حاصل کی۔ انہوں نے اس کے ٹیلیفون سیٹ میں ایک طاقتور ٹرانسمٹر نصب کر دیا۔ اس کے بعد اسرائیلی سفارت خانے میں ماہرین بڑے دھیان کیساتھ لڑکی کے کمرے میں ہونے والی سرگوشیوں کو سننے لگے۔

گولڈا میئر کی روم میں آمد سے محض تین دن پہلے علی حسن سلامے نے اسی فون پر روم میں اپنے ایک ساتھی کو یک خفیہ پیغام بھیجا' مکان فوراً خالی کر کے اپنے چودہ کیک ساتھ لے جاؤ' یہ پیغام اسرائیلی سفارت خانے کے جدید آلات نے اُسی وقت ریکارڈ کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ

اسرائیلیوں نے روم میں اُس شخص کا فون نمبر بھی معلوم کرلیا، جس کی مدد سے روم کی ٹیلیفون ڈائریکٹری سے مکان کا مکمل ایڈریس معلوم کرلیا گیا۔ موساد کے خفیہ اہل کاروں نے اُس مکان کو فوراً ڈھونڈ نکالا۔ انہوں نے مکان کا تالا کھول کر دیکھا تو اندر کچھ بھی نہیں تھا، شاید وہ شخص، نہایت سرعت کیساتھ سے خالی کر کے چلا گیا تھا۔ انہوں نے مکان کا ایک ایک کونہ چھان مارا مگر انہیں کوئی مشکوک چیز نظر نہیں آئی۔ وہ مایوس ہوکر جانے ہی والے تھے کہ انہیں فرش پر کاغذ کا ایک مڑا تڑا سا ٹکڑا نظر آیا۔ انہوں نے اُسے ہموار کر کے دیکھا تو اس پر پنسل سے Strella میزائل کا خاکہ بنا ہوا تھا اور نیچے روسی زبان میں کچھ ہدایات درج تھیں۔ موساد کو ممکنہ قاتلانہ حملے کا مکمل سراغ مل چکا تھا۔ مگر اب مسئلہ اُن فلسطینیوں کو ڈھونڈ کر میزائلوں سمیت پکڑنے کا تھا۔ اُدھر دو دن بعد مسز گولڈا میئر کا طیارہ روم انٹرنیشنل ائرپورٹ پر اترنے والا تھا۔ اطالوی انٹیلی جنس اور موساد شکاری کتوں کی طرح ان فلسطینیوں کی تلاش میں پورے شہر کو سونگھتے پھر رہے تھے۔ موساد کے ڈائریکٹر نے سخت ذہنی دباؤ میں آ کر گولڈا میئر سے التجا کی کہ ممکنہ قاتلانہ حملے کے پیش نظر وہ اپنا دورہ ویٹی کن فی الحال ملتوی کردے۔ لیکن گولڈا میئر نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ میں نے پوپ سے ضرور ملنا ہے تم اور تمہارے لڑکے ذمہ دار ہیں کہ میرا جہاز بحفاظت روم ائرپورٹ پر اُترے۔ اب موساد کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا کہ تلاش کا کام مزید تیز کردیا جائے۔ انہوں نے ائرپورٹ کے اردگرد تمام علاقہ چھان مارا۔ انہوں نے شہر کے تمام ہوٹلوں اور یوتھ ہاسٹلوں کو کھنگالا مگر بے فائدہ۔ بلیک ستمبر شہر میں پولیس کی غیر معمولی گشت سے بخوبی خبردار تھی۔ انہوں نے میزائل یک وین میں لاد کر پوری رات ایک سنسان سمندری ساحل پر گزاردی۔

اسرائیلی وزیراعظم کی آمد میں صرف 24 گھنٹے رہ چکے تھے۔ وہ وین ساحل سمندر سے ایک سڑک پر روم ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوئی۔ اس وین میں کل آٹھ Strella میزائل تھے یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ائرپورٹ کے اردگرد گشت میں مصروف ایک پولیس پارٹی کی نظر اس وین پر پڑی جو ائرپورٹ سے ذرا دور ایک کھیت میں الگ تھلگ کھڑی ہو چکی تھی۔ پولیس نے وین میں سوار دو آدمیوں کو جونہی للکارا تو انہوں نے مشین گن سے اُن پر فائرنگ شروع کردی۔ پولیس نے بھی جوابی کاروائی میں فائرنگ شروع کردی۔ تھوڑی سی دیر میں پولیس نے انہیں گھیرے میں لیکر گرفتار کرلیا اور میزائل سمیت وین پر قبضہ کرلیا۔ پولیس کے بے پناہ تشدد کے بعد اُن دو فلسطینی کمانڈوز نے اپنے دو اور ساتھیوں کا پتہ بتادیا۔

تھوڑی دیر کی تگ و دو کے بعد وہ دونوں کمانڈوز بھی چار میزائلوں سمیت پولیس کے ہاتھ چڑھ گئے۔ مگر خفیہ اطلاعات کے مطابق اب بھی دو میزائل باقی تھے۔ گولڈا میئر کا طیارہ آدھے گھنٹے بعد اُترنے والا تھا۔ موساد اور اطالوی پولیس نے ان دو کمانڈوز کا مار مار کر بُرا حال کردیا تھا مگر وہ برابر لاعلمی کا اظہار کرتے رہے۔ آخر ایک فلسطینی نے نفرت سے چیختے ہوئے کہا: چاہے تم کچھ بھی کرلو، چند منٹ بعد تمہاری وزیراعظم ہمیشہ کیلئے ختم ہو نے والی ہے۔ اطالوی پولیس کے سربراہ کو وزیر داخلہ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر وہ مہمان وزیراعظم کی حفاظت کرنے میں ناکام رہا تو اُس کی خیر نہیں ہوگی۔

آخر زبردست جدوجہد کے بعد پولیس نے ایک خوراک لیجانے والے ٹرک میں دو آخری فلسطینیوں کو میزائلوں سمیت حراست میں لے لیا۔ تھوڑی دیر بعد ائرپورٹ کے کنٹرول ٹاور نے فضاء میں اسرائیلی بوئنگ 707 کو اُترنے کا گرین سگنل دیا۔ اور یوں گولڈا میئر بحفاظت

ائرپورٹ سے ویٹی کن پہنچی۔ لیکن ایک مہینے بعد اطالوی حکومت نے بھی مغربی جرمنی کی طرح اُن پانچ فلسطینیوں کو بلیک ستمبر کی مسلسل دھمکیوں کے پیش نظر رہا کر کے بیبیا بھیج دیا۔

تینتیس سالہ حسین البشیر نکوسیا (قبرص) میں بلیک ستمبر کا آپریشن انچارج تھا۔ 24 جنوری 1973ء کو وہ بیروت سے نکوسیا پہنچا۔ اُس نے ولمپک ہوٹل میں اپنے لیے ایک کمرہ بک کیا۔ دوسرے دن صبح وہ کسی کام کیلئے ہوٹل سے کچھ دیر کیلئے باہر نکلا تو موساد کے دو اہل کار اُس کے کمرے میں گھس گئے، جہاں اُنہوں نے ایک خفیہ بم نصب کر دیا۔ حسین البشیر رات کو کافی دیر بعد جب اپنے کمرے پہنچا تو اُس نے سونے کی نیت سے کمرے کی بتیاں بجھا دیں اور اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ ہوٹل کے سامنے ایک دوسری عمارت کی کھڑکی سے ایک شخص نے اُس کے کمرے کی بتیوں کو جونہی بجھتے دیکھا تو اُس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا دیا، جسکے بعد ایک زوردار دھماکہ ہوا اور البشیر موقع ہی پر ہلاک ہو گیا۔ اُس کے کچھ دیر بعد جب پولیس وہاں پہنچی تو حسین البشیر کے بدن کے ٹکڑے پورے کمرے میں اِدھر اُدھر بکھرے پڑے ہوئے تھے۔ جس وقت دھماکہ ہوا تو ہوٹل میں مقیم ایک اسرائیلی جوڑہ جو ہنی مون منانے آیا ہوا تھا، سمجھے کہ بلیک ستمبر نے حملہ کر دیا ہے۔ اس واقعے کے چند ہی دنوں بعد بلیک ستمبر نے موساد کیساتھ حساب کتاب برابر کر دیا۔ برسلز کے اسرائیلی سفارت خانے میں متعین موساد کے سٹیشن چیف Baruch cohen کو ایک فلسطینی نے جو دراصل ایک ڈبل ایجنٹ کے طور پر کام کر رہا تھا، فون پر بتایا کہ اگر وہ فوراً میڈرڈ آ جائے تو وہ بلیک ستمبر کے تازہ منصوبے کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہے۔

Baruch cohen سب کچھ چھوڑ کر اُسی دن میڈرڈ پہنچا۔ وہ فلسطینی ایک کیفے ٹیریا میں اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ Baruch cohen جونہی کیفے ٹیریا میں داخل ہوا تو فلسطینی نے نشانہ لیکر اُس پر انتہائی قریب سے آٹومیٹک پستول کے کئی فائر کیئے۔ گویا اُس کی کھوپڑی اوروں پر گی۔ وہ موقع ہی پر ہلاک ہو گیا۔ Baruch cohen کی موت موساد کیلئے زبردست دھچکا تھی کیونکہ وہ انتہائی تجربہ کار اور ذہین شخص تھا۔

پھر اسرائیلی ہٹ ٹیم (W O G) نے بلیک ستمبر کے ایک اور اہم کارکن کو پیرس میں ہلاک کر دیا۔ عراقی نژاد ڈاکٹر باصل القبیسی بیروت کی امریکن یونیورسٹی میں پڑھاتا تھا۔ اُس نے 1956ء میں عراق کے شاہ فیصل پر قاتلانہ حملے کی سازش میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ مسز گولڈا میئر کو نیویارک میں کار بم کے ذریعے ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کر چکا تھا۔ ڈاکٹر القبیسی بلیک ستمبر کے خفیہ آپریشن کیلئے ہتھیاروں اور محفوظ اڈوں کا ذمہ دار تھا۔

چھ اپریل 1973ء کو رات کے وقت وہ پیرس میں بلیک ستمبر کا ایک اہم اجلاس اٹینڈ کر کے اپنی کار میں واپس گھر جا رہا تھا، کہ ایک چوک پر کسی نے نزدیک سے اُس پر پستول سے آٹھ دس گولیاں چلائیں۔ ڈاکٹر القبیسی کار کی سیٹ پر ہی خون میں لت پت ہلاک ہو گیا۔ اس واقعہ کے 24 گھنٹے بعد قبرص کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں بلیک ستمبر کے ایک اور اہم کمانڈر زید کو ٹائم بم سے اُڑا دیا گیا۔

نو اپریل کو بلیک ستمبر نے پھر اپنا وار کیا۔ قبرص ہی میں اسرائیلی سفیر کی رہائش گاہ میں بم کا خوفناک دھماکہ ہوا جس سے مکان مکمل طور پر تباہ

ہوگیا مگر خوش قسمتی سے اسرائیلی سفیر بمع فیملی اس وقت گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد فلسطینیوں کے دو گروپ جو الگ الگ جیپوں میں سوار تھے۔ قبرص انٹرنیشنل ائرپورٹ کے حفاظتی آہنی جنگلے توڑتے ہوئے اندر داخل ہوگئے۔ انہوں نے رن وے پر کھڑے اسرائیلی ائرلائن ELAL کے ایک طیارے پر سب مشین گنوں سے فائرنگ شروع کردی۔ طیارے کے سکیورٹی گارڈز نے بھی جوابی فائرنگ کھول دی۔ بیس منٹ کی اس شوٹ آؤٹ میں ایک فلسطینی کمانڈو ہلاک اور دو شدید زخمی ہوگئے۔ باقی پر پولیس نے قابو پالیا۔

چھ اپریل 1973ء پانچ مرد اور ایک خوبرو دوشیزہ لندن، پیرس اور روم سے علیحدہ علیحدہ پروازوں میں بیروت انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچے۔ اُن کے پاس بوگس برطانوی اور فرنچ پاسپورٹ تھے اور وہ عام سیاحوں کے بھیس میں تھے۔ وہ ائرپورٹ سے سیدھا ساحل سمندر پر واقع ایک کئی منزلہ فیشن ایبل ہوٹل گئے جہاں انہوں نے اپنے لیئے الگ الگ کمرے بک کئے۔ دوسرے دن انہوں نے پی ایل او کے ہیڈکوارٹر کے متعلق خفیہ معلومات اکٹھی کیں۔ ہیڈکوارٹر کی طرف جانے والی سڑکوں کا مشاہدہ کیا۔ انہوں نے ایک ویران سمندری ساحل کا بھی معائنہ کیا۔ انہوں نے شہر کی ایک Rent-a-car ایجنسی سے کچھ کاریں (mercedes, Buicks, Renault & Plymouths) کرائے پر حاصل کیں۔ اس کے بعد اُن میں سے ایک شخص نے بیروت کے سنٹرل پوسٹ آفس سے فرانس میں ایک ایڈریس پر ایک خفیہ ٹیلیگرام بھیجا کہ سب کچھ تیار ہے۔

نو اپریل کی رات ڈیڑھ بجے، گہری تاریکی میں بیروت کے ایک غیر آباد ساحل سے ایک میل دور کھلے سمندر میں یک اسرائیلی میزائل بوٹ سے ربڑ کی چھ کشتیاں رسیوں کی مدد سے سمندر پر اتاری گئیں۔ ان کشتیوں میں موساد کے تیس پیشہ ور کمانڈوز جدید ترین خودکار ہتھیاروں سے لیس سوار ہوئے۔ ساحل پر ایک مرد اور ایک عورت پہلے سے اُن کے انتظار میں کھڑے تھے۔ اُن کے قریب چار لینڈ کروزر بھی تیار کھڑے تھے۔

کشتیاں جونہی ساحل پر پہنچیں تو وہ کمانڈوز پانچ پانچ افراد کی ٹولیوں میں تقسیم ہوکر ان گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد وہ تین تین منٹ کے وقفے سے وسطی بیروت کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ بیروت کے نائٹ کلب ایریا سے گذرتے ہوئے خالد بن ولید سٹریٹ میں یک سات منزلہ عمارت کے سامنے جا رُکے۔ اس بلڈنگ میں جارج حباش کی پی ایف ایل پی (PFLP) کے ممبر مقیم تھے جبکہ اس کے ساتھ ہی ایک دوسری گلی الخرطوم میں ایک سہ منزلہ عمارت میں یاسر عرفات کا دست راست اور بلیک ستمبر کا انچارج یوسف النجار، اُس کا معاون کمال ادوان اور پی ایل او کا ترجمان کمال ناصر رہائش پذیر تھے۔

پی ایل او کے یہ تینوں بڑے لیڈر اس لمحے اپنے اپنے گھروں میں گہری نیند کی آغوش میں تھے۔ اسرائیلی کمانڈوز کیلئے اُن کے مکان تلاش کرنا بے حد آسان تھا کیونکہ اُن سے پہلے ہی خفیہ اہل کاروں نے ان پر مخصوص نشانات لگادیے تھے۔ بلڈنگ کے گیٹ پر متعین مسلح محافظوں کو مشین گن کے ایک ہی برسٹ سے ختم کرکے وہ دوسری منزل پر چڑھ گئے۔ انہوں نے یوسف النجار کے دروازے پر فائر کرکے اس کا لاک توڑ دیا اور مکان کے اندر گھس گئے۔ انہوں نے یوسف کو مشین گن کے پے در پے کئی برسٹ مار کر ہلاک کردیا۔ اُس کے بیوی بچے اس ناگہانی آفت کو دیکھ کر بُری طرح چیخنے لگے۔ یوسف النجار کی بیوی نے اپنے شوہر کو بچانے کی کوشش کی تو اُسے بھی گولیوں سے چھلنی کردیا گیا۔ فائرنگ کی خوفناک آوازیں

کر پاس والی ایک عورت سے ایک اطالوی عورت نے اپنی کھڑکی سے صرف جھانکا ہی تھا کہ اسرائیلی کمانڈوز نے اُسے بھی گولی ماردی۔ اس کے بعد وہ کمال ناصر کے اپارٹمنٹ میں دروازہ توڑ کر داخل ہوئے جہاں وہ اپنے ڈیسک پر یاسر عرفات کیلئے کوئی تقریر لکھ رہا تھا۔ اُسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔

عین اسی دوران پی ایل او کے کمانڈوز موقع پر پہنچ گئے، انہوں نے پریشانی کے عالم میں نیچے گلی میں اِدھر اُدھر فائرنگ شروع کر دی۔ جبکہ حملہ آوروں نے بلڈنگ کی تیسری منزل سے اُن پر جوابی فائرنگ شروع کی جس کے نتیجے میں کئی فلسطینی گولیوں کا نشانہ بنتے گئے۔ اسی دوران موساد کے ایک ایجنٹ نے لبنانی پولیس کے چیف کو فون پر اطلاع دی کہ فلسطینی آپس میں لڑ رہے ہیں جس سے عام لوگوں کی جانیں خطرے میں پڑ گئی ہیں۔ ایجنٹ کو پتہ تھا کہ پولیس چیف کا اس معاملے میں ردِعمل کیا ہوگا۔ پولیس چیف نے فوراً اپنے موبائل فورس کے میجر کو حکم دیا کہ وہ اپنے آدمیوں کو اس جگہ سے دور ہی رکھے، اگر فلسطینی ایک دوسرے کو مارنے ہی پر تلے ہوئے ہیں تو اس میں لبنانی پولیس کا کیا کام ہو سکتا ہے۔ یوں اسرائیلی کمانڈوز بے فکر ہو کر اپنا کام مکمل کرنے لگے۔ اسرائیلی ڈاکٹروں کی بھی ایک ٹیم موقع پر پہنچ گئی اُنہوں نے زخمی کمانڈوز کو طبی امداد دینا شروع کی۔ کچھ اسرائیلیوں نے عمارت کے اندر اور باہر ڈائنامائٹ جگہ جگہ بکھیر دیا۔ موساد کے چھ اہلکار جو عربی زبان پر عبور رکھتے تھے قتل شدہ فلسطینی لیڈروں کی الماریوں سے اُن کی حساس فائلیں نکالنے میں مصروف ہو گئے۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد اُنہوں نے ڈائنامائٹ کی تاروں کو ماچس کی تیلی دکھائی اور چند لمحوں بعد خوفناک دھماکوں سے پوری عمارت زمین بوس ہو گئی۔

اس کے بعد اُنہوں نے دوسری عمارت میں موجود فلسطینی کمانڈوز کیساتھ زبردست فائرنگ کا تبادلہ شروع کیا۔ تھوڑی دیر کی شوٹ آؤٹ کے بعد اس عمارت پر اسرائیلی کمانڈوز نے قبضہ کر کے بڑی تعداد میں فلسطینی کمانڈوز کو گولیوں سے اُڑا دیا۔ موساد نے اس عمارت میں بھی چھاپہ لگاتے ہوئے تمام اہم اور خفیہ دستاویزات اپنے قبضے میں لے لئے۔ کچھ دیر بعد مشن کی تکمیل کیساتھ ہی اسرائیلی کمانڈوز تیزی سے عمارت کی حدود سے باہر نکلے تو وہ عمارت بھی ڈائنامائٹ سے اڑا دی گئی۔ اس کے بعد وہ اس ایریا کے شمالی حصے کی طرف بڑھے جہاں بڑے بڑے گوداموں میں پی ایل او کا اسلحہ اور دھماکہ خیز مادہ پڑا ہوا تھا تھوڑی ہی دیر بعد ان گوداموں میں خوفناک دھماکوں سے پورا بیروت لرز اُٹھا۔ آپریشن کے ایک گھنٹے بعد موساد کے ایک افسر نے وائرلیس پر ساحل کے قریب کھڑے دو اسرائیلی ہیلی کاپٹروں کو زخمی کمانڈوز اٹھانے کی درخواست کی۔ اس کے ساتھ ہی لبنانی پولیس کے سربراہ کو بھی بظاہر اپنے آرمی چیف کی طرف سے ٹیلیفون پر اطلاع ہوئی کہ لبنانی آرمی دو ہیلی کاپٹر بھیج چکی ہے جو متعلقہ متاثرہ مقام کا جائزہ لے رہے ہیں۔ بیروت کی ساحلی کمان کو بھی اسی قسم کا پیغام موصول ہوا۔ دونوں اسرائیلی ہیلی کاپٹر نیچی پرواز کرتے ہوئے جائے واردات کے قریب اُترے۔ زخمی کمانڈوز کو سٹریچروں پر ڈال کر ہیلی کاپٹر میں پہنچایا گیا۔ وہ زخمیوں کو لیکر دوبارہ فضاء میں بلند ہوئے۔ ایک ہیلی کاپٹر نے جائے وقوع کی طرف جانے والی شاہراہ پر بڑی تعداد میں نوک دار لوہے کی کیلوں کی بارش کر دی تاکہ پولیس کی گاڑیاں بروقت موقع پر نہ پہنچ سکیں۔

موساد کی ٹیلیفون کالز سے لبنانی پولیس اور آرمی کے درمیان اس قدر غلط فہمی اور کنفیوژن پیدا ہوئی کہ کسی نے بھی اس اطلاع کو کنفرم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کمانڈو فورس اپنا کام ختم کر کے موساد کے چھ خفیہ اہلکاروں کے ہمراہ دوبارہ اُن کاروں میں پوری رفتار کیساتھ ساحل کے مقررہ مقام پر پہنچے جہاں سے وہ کشتیوں میں بیٹھ کر گہرے سمندر میں لنگر انداز میزائل بوٹ تک پہنچے۔ چند گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ بحفاظت تل

ایبب کی بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ اس ایکشن کے دوران دو اسرائیلی حملہ آور ہلاک ہوئے جبکہ دوسری طرف سو سے زیادہ فلسطینی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ موساد کی دوسری بڑی کامیابی وہ قیمتی فائلیں تھیں جو پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر میں تلاشی کے دوران اُن کے ہاتھ آئی تھی۔ موساد کے ماہرین نے ان فائلوں کا بغور مطالعہ کر کے مستقبل میں پی ایل او کے اسرائیل کے خلاف کئی خطرناک منصوبوں کو بے نقاب کیا۔ ان میں بالخصوص اسرائیل کی سلور جوبلی کے موقع پر تل ابیب میں خوفناک تباہی مچانے کا منصوبہ اسرائیلیوں کے رونگٹے کھڑے کرنے کیلئے کافی تھا۔ موساد نے امریکی سی آئی اے کے علاوہ تمام یورپی اور عرب انٹیلی جنس اداروں کو یہ فائلیں دیکھنے کی دعوت دی۔ اسرائیل نے خصوصی طور پر عرب ممالک کے صدور اور بادشاہوں کو ان فائلوں کی ایک جھلک دکھائی کہ کس طرح پی ایل او ان کے خلاف تخریبی عزائم رکھتے ہیں۔ ان دستاویزی ثبوت کو بنیاد بناتے ہوئے اسرائیل نے تمام عرب دنیا کے ذہنوں میں فلسطینی فدائین کے خلاف شکوک و شبہات کے بیج بوئے۔

ان فائلوں کی مدد سے کم از کم ایک اسرائیلی ایجنٹ کی بھی جان بچ گئی جو کافی عرصے سے پی ایل او کے اندر موساد کیلئے کام کر رہا تھا۔ وہ فلسطینی انٹیلی جنس کی نظر میں آ گیا تھا۔ اُس پر اُنہوں نے ایک فائل بنانا شروع کی تھی جو اب موساد کے ڈیسک پر پڑی تھی۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اِس خفیہ ایجنٹ کو بیروت سے نکال کر واپس تل ابیب پہنچا دیا گیا۔

۵ اگست 1973ء

ایتھنز کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر ٹرانس ورلڈ ائر لائن کے ایک مسافر بردار بوئنگ میں ابھی ایندھن بھرا جا رہا تھا۔ یہ طیارہ چند لمحوں بعد تل ابیب کیلئے پرواز کرنے والا تھا۔ اس کے مسافر ائر پورٹ کے لاؤنج میں آپس میں خوش گپیوں سے دل بہلا رہے تھے۔ ان میں زیادہ تر مسافر یورپی یہودی تھے جو اسرائیل میں آباد کاری کی غرض سے جا رہے تھے۔ اچانک لاؤنج میں بھگدڑ مچ گئی اور لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ عورتیں اور بچے زور زور سے چلانے لگے۔ اتنے میں دو نوجوان فلسطینیوں نے سٹین گن کے فائر سے سب کو خاموش کر دیا۔ مسافر سہم کر ایک کونے میں جمع ہو گئے۔ ائر پورٹ کی انتظامیہ نے فوراً ہنگامی صورت حال کا اعلان کر کے پولیس کو مدد کی درخواست کی۔ چند لمحوں بعد یونانی پولیس کی بھاری جمعیت موقع پر پہنچ گئی۔ اُنہوں نے چاروں طرف سے لاؤنج کو گھیرے میں لے لیا۔ اِدھر دونوں فلسطینیوں نے پولیس کو دیکھ کر دھمکی دی کہ گر انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ تمام مسافروں کو ختم کر دیں گے۔ آخر تھوڑی دیر بعد اُنہوں نے فلسطینیوں کے ساتھ گفت و شنید شروع کی۔ اُنہوں نے فلسطینیوں کو ہتھیار پھینکنے کا مشورہ دیا۔ پولیس ابھی اُنہیں سمجھانے بجھانے میں مصروف تھی کہ اچانک اُن فلسطینیوں نے مسافروں پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی جس سے پانچ یہودی موقع ہی پر گولیوں سے چھلنی ہو گئے۔

پولیس نے بھی جوابی کارروائی میں اُن پر فائر کھول دیا۔ آخر تھوڑی بعد اُنہوں نے ہتھیار پھینک کر خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ وہ دونوں نوعمر فلسطینی طالب علم تھے۔ شفیق اور طلال جن کی عمریں بالترتیب اکیس اور بائیس سال تھیں، نے پولیس کو حراست کے دوران بتایا کہ اُن کا تعلق بلیک ستمبر سے ہے اور وہ بیروت میں اسرائیلیوں کے ہاتھ شہید ہونے والے فلسطینیوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

23 جنوری 1974ء کو کراچی کے ساحل پر لنگر انداز ایک یونانی کارگو جہاز کو تین فلسطینی گوریلوں نے ہائی جیک کر لیا۔ اُنہوں نے

یونان میں قید ان دونوں ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا، ساتھ ہی اُنہوں نے دھمکی دی کہ اگر مقررہ وقت کے اندر اندر اُن کے مطالبات تسلیم نہیں کیے گئے تو وہ پورے جہاز کو بم سے اُڑا دیں گے۔ بالآخر پاکستان، مصر اور شام نے ملکر یونانی حکومت کو دونوں فلسطینیوں کی سزائے موت میں تخفیف کرنے پر راضی کر لیا۔

اسرائیلی ہٹ ٹیم W O G کی فہرست پر علی حسن سلامے کا نام ابھی باقی تھا۔ موساد کیلئے سلامے کو ہلاک کرنا بے حد مشکل ہو چکا تھا کیونکہ ڈاکٹر بہروپ بدل کر دنیا کے مختلف ملکوں میں پھرتا رہتا تھا۔ اُس کے ٹھکانوں کا پتہ چلانا آسان کام نہیں تھا۔ گولڈا میئر ہر بار موساد کے سربراہ سے علی حسن سلامے کے بارے پوچھتی رہتی تھی کہ وہ کیوں ابھی تک ختم نہیں ہوا۔

تل ابیب 18 جولائی 1973ء۔ ہٹ ٹیم کے چھ بہترین کمانڈو طلوعِ فجر سے ذرا پہلے ایک سُرخ رنگ کی ویگن میں بیٹھ کر بن گوریاں انٹرنیشنل ائیرپورٹ کیلئے روانہ ہوئے۔ انہیں اطلاع ملی تھی کہ علی حسن سلامے ناروے میں ایک اسرائیلی ائیرلائن کے طیارے کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ یہ تمام کمانڈوز عام مسافروں کے بھیس میں تھے۔ انہیں ائیرپورٹ کے وی وی آئی پی لاؤنج میں بیٹھایا گیا جو آج کے دن دوسرے مسافروں کیلئے out of bound تھا۔ تھوڑی دیر بعد مسافروں کے اسی لاؤنج میں اس کے پبلک ایڈریس سسٹم پر ایک نسوانی آواز میں پہلے عبرانی اور پھر انگریزی میں اعلان ہوا ELAL کی پرواز نمبر 237 آسلو جانے کیلئے تیار ہے۔ مسافروں سے التماس ہے کہ وہ جہاز پر تشریف لے جائیں شکریہ۔ کمانڈوز دوسرے مسافروں کیساتھ جہاز میں سوار ہو گئے۔ اس آپریشن کا نظریہ تھا Chase for Red Prince تھا۔

21 جولائی کو انہوں نے ناروے کے ایک چھوٹے سے قصبے لائل ہیمر Lillehammer میں واقع وکٹوریہ ہوٹل میں قیام کیا۔ اُن کی اطلاع کے مطابق حسن سلامے اسی قصبے میں موجود تھا۔ لائل ہیمر میں سرِشام ہی لوگ اپنے گھروں میں گھس جاتے ہیں اور دوکانیں بھی جلد بند ہو جاتی ہیں اور سڑکیں سنسان ہو جاتی ہیں۔ دوسرے دن شام کے وقت WOG کا ہدف اپنی نارویجن بیوی کے ہمراہ سینما پر انگریزی فلم where Eagles Dare دیکھ کر پیدل اپنے گھر کی طرف ایک فٹ پاتھ پر جا رہا تھا کہ پیچھے سے دو کاریں تیزی سے عین اسکے قریب آ کر رُکیں۔ دو اشخاص نے کار کی کھڑکی سے پستول نکال کر اُسکا نشانہ لیا اور پے در پے بارہ فائر کر دیے، گولی لگنے سے پہلے اُس نے حملہ آوروں کو دیکھکر صرف No ہی کہا تھا۔ گولیاں اُس کے سر، گردوں اور پھیپھڑوں کو چیرتی ہوئی پاس ایک دوکان کے بند دروازوں پر جا لگیں۔ اُس کی بیوی جو چھ ماہ کی حاملہ تھی یہ منظر دیکھ کر زور زور سے چلانے لگی۔ اتنے میں موبائل پولیس بھی موقع پر پہنچ گئی۔ انہوں نے اُسے فوراً ہسپتال پہنچایا مگر وہ راستے ہی میں دم توڑ چکا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ موساد جسے علی حسن سلامے سمجھ رہی تھی وہ اصل میں احمد بوشکی تھا، جو مراکش کا رہنے والا تھا اور ایک مقامی ہوٹل میں ویٹر تھا۔

ہٹ ٹیم کے کمانڈوز ایک سنسان جگہ اپنی کاریں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ کچھ دیر تک دوڑ دھوپ کے بعد پولیس کو یہ کاریں نظر آ گئیں۔ یہ کاریں ایک Rental firm کی ملکیت تھیں وہ اسرائیلی ایجنٹوں نے چند گھنٹوں کیلئے کرائے پر لے رکھی تھیں۔ پولیس نے فرم کے رجسٹر میں درج ایڈریس سے احمد بوشکی کے قاتلوں کا سُراغ لگا لیا۔ اور زبردست تگ و دو کے بعد اُنہیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اسکے بعد نارویجن گورنمنٹ نے اُن چھ اسرائیلیوں پر کھلی عدالت میں احمد بوشکی کے قتل کا مقدمہ چلایا۔ موساد کی تاریخ میں لائل ہیمر کا یہ واقعہ بدترین ناکامی تھی۔ پوری دنیا میں اسرائیل پہلے سے زیادہ سخت بدنامی اور تنقید کا نشانہ بنا۔ اگرچہ اسرائیلی حکومت نے ناروے پر کافی دباؤ ڈالا کہ وہ یہ معاملہ خاموشی سے نبٹا کر ختم کر دے۔ لیکن

ناروے کی عدالت نے انہیں مختلف معیاد کی قید سنا کر جیل بھیج دیا۔ موساد علی حسن سلامے کے کھوج میں برابر لگی رہی۔ علی حسن سلامے کافی عرصہ موساد کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہا۔ اُس کا قتل اسرائیل کیلئے ایک چیلنج بن چکا تھا۔

ایک دن اُس نے بڑے فخر سے کسی کو کہا I am a ghost who haunts Israelis لیکن وقت کے گذرنے کیساتھ اُس کی طرز زندگی میں تبدیلی آنا شروع ہوئی، اب وہ پہلے کی طرح حد سے زیادہ محتاط نہیں رہتا تھا۔ اُس کی تباہی کے آثار 1978ء سے نظر آنے لگے تھے جب اُس نے پہلی بیوی اور بچوں کے ہوتے ہوئے لبنانی حسینہ عالم Georgina Rizk سے شادی کر لی۔ اُس نے اپنی اس دوسری بیوی کو بیروت میں ایک شاندار فلیٹ لیکر دیا۔ سلامے اپنا زیادہ تر وقت جارجینہ کے پاس گذارنے لگا۔ اُس کا جارجینہ کیساتھ گھومنا پھرنا اب ایک معمول بن گیا تھا اور یہی معمول اُسے لے ڈوبا۔

1978ء کے اواخر میں مسز سلامے کے فلیٹ سے ملحقہ ایک دوسرے فلیٹ میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت کہیں سے شفٹ ہو کر وہاں رہنے لگی۔ اس عورت کے پاس برٹش پاسپورٹ تھا اور اپنا نام Penelope بتاتی تھی۔ وہ بلیاں پالنے کے علاوہ مصوری کا شوق رکھتی تھی۔ وہ سارا دن اپنی کھڑکی میں بیٹھی اردگرد کے مناظر پینٹ کرتی نظر آتی تھی۔

Penelope نے جارجینہ کیساتھ قریبی مراسم استوار کر لیے تھے وہ اکثر اُسے اپنی بنائی ہوئی Paintings گفٹ کیا کرتی تھی۔ جنوری 1979ء میں پیٹر سکرائیور بیروت کے انٹرنیشنل ائر پورٹ پہنچا، اُس نے امیگریشن کو اپنا برٹش پاسپورٹ دیکھایا جس پر اُس کا پیشہ Techincal consultant درج تھا۔ ائر پورٹ سے وہ میڈیٹرینین ہوٹل گیا جہاں اُس نے اپنے لئے ایک کمرہ بک کیا۔ پیٹر نے ایک Rent-a-car ایجنسی سے ایک نئے ماڈل کی فوکس ویگن بھی کرائے پر حاصل کی۔

دو دن بعد Ronald Kolberg نام کا ایک اور شخص بیروت پہنچا۔ اس کے پاس کینیڈین پاسپورٹ تھا۔ اُس نے رائل گارڈن ہوٹل میں قیام کیا۔ بعد میں جب پولیس نے میگریشن ریکارڈ کی جانچ پڑتال کی تو اُن دونوں کے پاسپورٹ جعلی نکلے Penelope کے سلامے فیملی کیساتھ تعلقات اس قدر گہرے ہو چکے تھے کہ اُس پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اسرائیل کی خفیہ ایجنٹ ہے۔ سلامے ایک سیاہ رنگ کی شیورلیٹ کار میں روزانہ پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر آتا جاتا تھا۔ کار کے آگے پیچھے مسلح سکیورٹی گارڈ کی جیپیں ہوتی تھیں۔ وہ بیروت کے ایک خوبصورت چوک سے تقریباً روزانہ گذرتا تھا یہ چوک Penelope کی کھڑکی سے صاف دیکھائی دیتا تھا۔

ایک دن Penelope نے جارجینہ سے نظریں بچا کر سلامے کی شیورلیٹ کے نچلے حصے کیساتھ ایک چھوٹا سا مقناطیسی آلہ چپکا دیا۔ یہ آلہ دراصل ایک طاقتور ریڈیو ٹرانسمیٹر تھا جو مخصوص قسم کے شارٹ رینج سگنل خارج کرتا تھا۔ پیٹر سکرائیور نے اپنی فوکس ویگن میں ایک انتہائی تباہ کن دھماکہ خیز مادہ Plastic explosive بھر کر گاڑی کی چابیاں Kolberg کے حوالے کر دی اور خود ایک دوسرے بوگس پاسپورٹ کے ذریعے اُسی دن لبنان سے پرواز کر گیا۔

22 جنوری 1979ء بوقت شام 3:35 سلامے زندگی میں آخری مرتبہ اُس خوبصورت چوک پہنچا جہاں سے وہ ہر روز گزرتا تھا۔ اُس کے ھمراہ چار مسلح محافظ بھی تھے۔ چوک کے ایک کنارے پر ایک فوکس ویگن کھڑی تھی۔ سلامے کی شیورلیٹ جونہی فوکس ویگن کے قریب سے

گذرنے لگی تو شیورلیٹ کے نچلے حصے کیساتھ منسلک ریڈیو ٹرانسمیٹر سے ایک Signal خارج ہوا جس سے فوکس ویگن میں ایک ڈی ٹونیٹر چل پڑا، ورزدار دھماکہ ہوا کہ آس پاس کی بلند وبالا عمارتوں کے شیشے دور دور تک ٹوٹ کر بکھر گئے اور سلامے اپنے چار ساتھیوں سمیت موقع ہی پر ہلاک ہو گیا۔ اس دھماکہ میں چار راہگیر بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

پنی ووپ اپنے فلیٹ کی کھڑکی سے علی حسن سلامے کو موت کے منہ میں جاتے دیکھتی رہی۔ اُسی روز اسرائیلی وزیر اعظم کو موساد کے ہیڈ کوارٹر سے ایک مختصر ٹیلیگرام موصول ہوا Munich has been avenged

ہم نے میونخ کا بدلہ لے لیا ہے۔

اگلے دن مسز گولڈا میئر نے اسرائیلی پارلیمنٹ میں خطاب کے دوران اسی بات کا انکشاف کرتے ہوئے کہا

We kil ed the murderers who were planning to kill again

یعنی ہم نے قاتلوں کو ختم کر دیا ہے جو دوبارہ قتل پر آمادہ تھے۔

اردو ٹائپنگ سروس

اگر آپ اپنی کہانی، مضمون، مقالہ یا کالم وغیرہ کسی رسالے یا ویب سائٹ پر شائع کروانا چاہتے ہیں لیکن اُردو ٹائپنگ میں دشواری آپ کی راہ میں حائل ہے تو ہماری خدمات حاصل کیجئے۔

- ☆ ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر سکین کیجئے اور ہمیں بھیج دیجئے یا
- ☆ اپنی تحریر رومن اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیج دیجئے یا
- ☆ اپنا مواد اپنی آواز میں ریکارڈ کر کے ہمیں ارسال کر دیجئے یا
- ☆ مواد زیادہ ہونے کی صورت میں بذریعہ ڈاک بھی بھیجا جا سکتا ہے

اردو میں ٹائپ شدہ مواد آپ کو ای میل کر دیا جائے گا۔ آپ دنیا میں کہیں بھی ہوں، ہماری اس سروس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ادائیگی کے طریقہ کار اور مزید تفصیلات کے لئے رابطہ کریں۔

فون نمبر 0092-331-4262015, 0300-4054540

ای میل harfcomposers@yahoo.com

ویب سائٹ http://pktypist.com

بلیو پرنٹس آف میراج

Blue Prints of Maraj

1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد فرانس کے صدر جنرل ڈیگال نے اچانک اسرائیل کو ہر قسم کے فوجی ساز و سامان کی فروخت پر پابندی (Arms Embargo) عائد کر دی۔ فرانس جو کسی وقت اسرائیل کا زبردست حامی اور مددگار رہا تھا، اس کا یہ فیصلہ اسرائیل کیلئے نہایتی غیر متوقع اور تباہ کن تھا۔ اس پابندی سے اسرائیلی ائر فورس کو زبردست دھچکا لگا، کیونکہ وہ فرانسیسی میراج سسٹم پر قائم تھی۔ سرائیل کے میراج فاضل پرزوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے Serviceable بھی نہیں رہے تھے پھر فرانس نے تل ابیب سے اپنے تمام ٹیکنیشن واپس بلا کر اسرائیلیوں کو ایک عجیب پریشان کن حالات سے دوچار کر دیا۔

اسرائیل نے کچھ عرصہ قبل پچاس میراج II طیاروں کیلئے فرانس کیساتھ ایک سمجھوتے پر دستخط کئے تھے بلکہ پیشگی رقم بھی ادا کر چکا تھا۔ فرانس نے اس کنٹریکٹ کو بھی کالعدم قرار دیکر اسرائیل کو اپنی رقم لوٹا دی۔ اس کشمکش میں موساد نے اسرائیلی وزیراعظم کو مشورہ دیا کہ وہ پچاس طیارے فرانس سے اغوا کر لئے جائے لیکن ماہرین نے اس خیال کو رد کر دیا کیونکہ فاضل پرزوں کی عدم دستیابی میں ان طیاروں کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا۔ آخر سرائیل کابینہ نے اپنے ایک ہنگامی اجلاس میں ایک متفقہ فیصلہ کیا کہ حکومت اپنی طیارہ ساز فرم کو ریسرچ کیلئے وافر مقدار میں سرمایہ فراہم کرے گی تاکہ وہ از خود جدید تر کا طیارے بنائے جو کم از کم میراج کا نعم البدل ثابت ہوں۔

مگر اسرائیلی ائر کرافٹ انڈسٹری کا جواب مایوس کن تھا۔ اُن کے بقول ایک خالصتاً اسرائیلی جیٹ کی تیاری کیلئے انہیں کم از کم دس سال کا عرصہ درکار ہوگا جبکہ اس عرصہ میں فرانسیسی، برطانوی یا امریکی طیارے ترقی کی کئی منزلیں طے کر چکے ہوں گے۔ اس پر ایک اسرائیلی وزیر نے ائر کرافٹ انڈسٹری کے ایک ماہر کو کہا آپ اسرائیلی ائر فورس کے زیر استعمال ایک میراج طیارے کو لیں اور اس کے ایک ایک پرزے کو کھول کر دیکھیں اور اس کی نقل کر کے خود ہی ایک جدید طیارہ بنا لیں" اس پر وہ ماہر مسکرایا اور کہنے لگا "ایک جدید فائٹر دس لاکھ سے زائد پرزوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور اس کے ہر پرزے کی تیاری اور ٹیسٹ کیلئے علیحدہ علیحدہ مشینیں اور اوزار ہوتے ہیں۔ ان پرزہ جات کی دوبارہ تیاری کیلئے اُن کے Blue Prints کی ضرورت ہوتی ہے جن میں تمام تکنیکی معلومات درج ہوتی ہیں۔ ایک میراج طیارے کے بلیو پرنٹس سینکڑوں ٹن وزنی ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے انجینئر نے بھی اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ جیٹ فائٹر انسانی جسم کی طرح پیچیدہ ہوتے ہیں۔ سینکڑوں سالوں سے ڈاکٹر انسانی جسم کو چیرتے پھاڑتے رہے ہیں۔ وہ اس کے ایک ایک عضو کو اچھی طرح پہچانتے اور جانتے ہیں مگر پھر بھی اُس جیسا دوسرا عضو بنا نہیں سکتے ہیں گویا اُن کے پاس اس کا " اوریجنل بلیو پرنٹ" دستیاب نہیں ہے۔

فرانس نے یورپ میں صرف سوئٹزر لینڈ کی ایک فرم Sulzer Brothers کو میراج جیٹ فائٹر بنانے کا لائسنس دے رکھا تھا۔ سوئس گورنمنٹ اس بات کی پابند تھی کہ وُہ یہ ٹیکنالوجی کسی دوسرے ملک منتقل نہیں کرے گی۔ اسرائیلیوں نے سوئس گورنمنٹ پر بھی بڑا زور لگایا کہ وُہ انہیں میراج کے سپیئر پارٹس فراہم کرے مگر اُنہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ الفرڈ فراؤنیخت (Alfred Frauenknecht) سُلزر برادرز (Sulzer Brothers) میں چیف انجینئر تھا۔ وہ سوئس میراج لڑاکا طیاروں کی تیاری کے کام کی نگرانی پر مامور تھا۔ فرانس میں یہی طیارے بنانے والی فرم کا Dassault araments firm تھا۔ الفرڈ چونکہ اپنی فرم کا انتہائی ذمہ دار افراد میں سے تھا، وُہ اکثر اُس فرانسیسی فرم کے ماہرین کیساتھ میٹنگ کیلئے پیرس آتا رہتا تھا، جہاں کئی بار اُس کی ملاقات اسرائیلی انجینئروں کیساتھ ہوئی۔ اُن میں اکثر کیساتھ اُس کی گپ شپ بھی پیدا ہوگئی تھی۔ الفرڈ کو شروع ہی سے اسرائیلیوں کیساتھ ہمدردی رہی تھی۔ دوم جنگ عظیم میں ہٹلر کے کنسنٹریشن کیمپوں میں لاکھوں یہودیوں کی ہلاکت پر اُسے ہمیشہ بہت افسوس ہوتا تھا۔

صدر ڈیگال کی جانب ہتھیاروں کی فروخت پر پابندی سے اسرائیل کو جن مشکلات کا سامنا تھا، اس سے الفرڈ کو بہت دُکھ ہوا تھا۔ وُہ اکثر نجی محفلوں میں فرانسیسی حکومت پر طعن تعن کرتا رہتا تھا۔ اُس کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ اسرائیل کی مدد کر سکے۔ ایک دن اپریل 1968ء کی ایک شام پیرس میں اسرائیلی سفارت خانے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ سوئچ بورڈ آپریٹر نے معمول کے مطابق ریسیور اٹھا کر عبرانی میں "شلوم" یعنی سلام کہا تو دوسری طرف سے ایک شخص نے فرانسیسی میں zvi Allon کے بارے میں پوچھا۔ خاتون آپریٹر نے کہا کہ وُہ چھٹی کر کے اپنی رہائش گاہ جا چکا ہے۔ کیا آپ صبح اُنہیں فون کر سکتے ہیں؟

جناب میں زیورخ سے بول رہا ہوں، میرا اُس کیساتھ انتہائی ضروری بلکہ فوری کام ہے، مجھے ہر حال میں اُس سے بات کرنی ہے۔

آپریٹر لڑکی موقع کی نزاکت فوراً بھانپ گئی۔ چند ہی لمحوں میں اُس نے لائن zvi allon کے گھر سے جوڑ دی۔

Zvi allon نے جونہی فون اٹھایا تو اُس نے ایک شخص کے صرف دو جملے سنے۔

I am Alfred I would like to see you soon please اور اس کے بعد لائن کٹ گئی۔

اُسی رات اس فون کے بعد سفارت خانے میں بڑی گرما گرمی دیکھی گئی۔ کرنل Zvi Allon پیرس میں موساد کا کیس آفیسر تھا۔ سفارت خانے میں موساد کا باقاعدہ ایک الگ ونگ تھا۔ انہیں الفرڈ کی حیثیت کا اچھی طرح سے پتہ تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ الفرڈ اسرائیل کیلئے نیک جذبات رکھتا ہے۔ آدھی رات کے قریب پیرس سے موساد کے سٹیشن چیف نے اپنے ہیڈ کوارٹر (تل ابیب) کو ہائی فریکوئینسی ریڈیو پر الفرڈ کے ٹیلیفون کال کی اطلاع دی۔ چند ہی گھنٹوں بعد کرنل Zvi زیورخ کی فلائٹ پکڑنے پیرس کے Orly ائرپورٹ کی طرف ایک گاڑی میں رواں دواں تھا۔ اس کے علاوہ موساد کا ایک دوسرا افسر بھی روم سے زیورخ روانہ ہو چکا تھا۔ وہ دونوں سمجھ رہے تھے کہ الفرڈ شاید اُنہیں میراج کے سپیئر پارٹس دلانے والا ہے۔ اُس نے غالباً سوئس حکومت کو اس بات پر راضی کر لیا ہوگا وغیرہ۔

وُہ دونوں اسرائیلی الفرڈ کیساتھ زیورخ کے ایمپیسڈر ہوٹل میں ملے۔ بغیر کسی تمہید کے الفرڈ نے اصل بات شروع کرتے ہوئے کہا۔ تم

لوگ خواہ مخواہ سپیئر پارٹس کیلئے اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ میں تمہیں مکمل میراج دلوا سکتا ہوں۔ اس پر کرنل Zvi نے فوراً کہا۔ یہ ہمارے لئے ناممکن ہے بھلا ہم تمہارے سوئس میراج کیسے چُرا سکتے ہیں؟ ہمیں تو پتہ ہے کہ ڈہ طیارے کوہ الپس Alps میں بنائے گئے سُرنگوں میں محفوظ رہتے ہیں، جن کے آہنی دروازے اس قدر مظبوط ہیں کہ ڈہ ایٹمی دھماکے سے بھی شاید نہ ٹوٹ سکے۔ بہرحال اگر یہ ہمارے لئے ممکن بھی ہوتا تو بھی ہم ایسا نہیں کرتے کیونکہ ہمارے سوئس حکومت کیساتھ بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ الفرڈ نے ناک سکیڑتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اُس کی بات کو روکتے ہوئے کہا۔ رے نہیں نہیں تم غلط سمجھے ہو۔ میں کبھی اپنے ملک کیساتھ غداری کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ موساد کے دونوں اہل کاروں نے خالی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا شاید وہ سوچ رہے تھے کہ الفرڈ نے مفت میں اُن کا وقت ضائع کیا ہے۔

الفرڈ نے اُن کی پریشانی بھانپتے ہوئے مُسکرا کر کہا۔ میں میراج کے پلان (Blue Prints) کے بارے میں سوچ رہا ہوں ان کی مدد سے تمہارے انجینئر خود ہی یہ طیارہ اسرائیل میں بنالیں گے، میں تمہاری طیارہ ساز انڈسٹری کے صدر Al Schwimmer کو خوب جانتا ہوں۔ ڈہ انتہائی ذہین شخص ہے، یقیناً وہ ان پیپر پلان کو سامنے رکھ کر یہ جدید طیارہ بنائے گا۔ میں سمجھتا ہوں اگر آپ کے پاس میراج کے تمام بلیو پرنٹ ہاتھ آ جائیں تو آپ لوگ نہ صرف یہ طیارہ بنالیں گے بلکہ اس کے تمام سپیئر پارٹس بھی تیار کرلیں گے جن کی اس وقت آپ کو سخت ضرورت ہے۔

دونوں اسرائیلی بڑے انہماک سے الفرڈ کے ایک ایک لفظ کو سُن رہے تھے۔ پھر کچھ دیر توقف کے بعد الفرڈ نے کہا۔ آپ لوگ ضرور سوچ رہے ہوں گے کہ اس کام کیلئے میں کتنا معاوضہ لوں گا۔ میں اسے مذہبی فریضہ سمجھ کر ادا کر رہا ہوں۔ میں اسرائیل کی مدد کر کے اپنی روح کو تسکین پہنچانا چاہتا ہوں۔ لیکن پھر بھی مجھے کچھ رقم کی ضرورت ہوگی تاکہ اگر میں گرفتار ہو جاؤں تو میری بیوی معاشی مسائل سے دوچار نہ ہو جائے۔ میں آپ کو واضح کر دینا چاہتا ہوں، میں جو کام آپ کی خاطر کرنے والا ہوں وہ انتہائی خطرناک اور مشکل ہے۔ مطلوبہ Blue Prints کا وزن اور حجم اتنا زیادہ ہے کہ وہ بمشکل ریل کے ایک ڈبے میں سما سکیں گے۔ بہرحال مجھے اس کام کیلئے دو لاکھ ڈالر چاہئے باقی مرضی آپ لوگوں کی ہے۔

اس پر موساد کے دونوں آدمیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، رقم یقیناً اتنی بڑی نہیں تھی۔ ڈہ تو سمجھ رہے تھے الفرڈ دس ملین ڈالر سے کم ایک پیسہ قبول نہیں کرے گا۔ اسرائیلی میراج کے حصول کیلئے کسی بھی قیمت سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔ اس کے بعد الفرڈ فوراً اپنی کرسی سے اُٹھا اور اسرائیلیوں کیساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے کہنے لگا۔ میں آپ لوگوں کیساتھ دوبارہ رابطہ کروں گا۔ اور ڈہ تیزی سے ہوٹل سے نکل کر زیورخ کی بھیڑ میں گم ہو گیا۔

جہاز کے صرف فریم اور انجن کی تیاری کا طریقہ کار ایک لاکھ پچاس ہزار بلیو پرنٹس (Blue prints) میں درج تھا۔ جہاز کی مینوفیکچرنگ میں استعمال ہونے والے خصوصی اوزار (tools) اور مشینوں کے ڈیزائن اور بلیو پرنٹس پینتالیس ہزار صفحات پر مشتمل تھے۔

اِن تمام کاغذات کا مجموعی وزن دو ٹن کے لگ بھگ تھا۔ الفرڈ نے اسرائیلیوں کو صاف کہہ دیا تھا کہ ڈہ ایک سال کے عرصے میں تمام بلیو پرنٹس اُن تک پہنچا دے گا۔ یہ بلیو پرنٹس بڑے بڑے کریٹوں میں محفوظ تھے اور Solzer فیکٹری کے ایک وسیع گودام میں پڑے ہوئے تھے۔

1968ء میں سٹلور برادرز نے میراج کی مینوفیکچرنگ عارضی طور پر بند کر دی تھی۔ الفرڈ نے ایک روز فیکٹری کے ایم ڈی کو کہا کہ اُس کے پاس ایک ایسا منصوبہ ہے جس سے فیکٹری کو سالانہ ایک لاکھ فرانک کی بچت ہو سکتی ہے۔ ایم ڈی نے حیرت سے پوچھا وہ کیسے؟ الفرڈ نے کہا میراج کے بلیو پرنٹس جو فی الحال ہمارے استعمال میں نہیں ہیں مگر فیکٹری میں کافی قیمتی جگہ گھیرے ہوئے ہیں۔ فیکٹری کا دیگر سامان سٹور کرنے کیلئے ہم خواہ مخواہ اِدھر اُدھر گودام کرائے پر حاصل کر کے اپنا قیمتی سرمایہ ضائع کر رہے ہیں، کیوں نہ ان بلیو پرنٹس کی مائیکرو فلمیں بنا کر انہیں ضائع کر دیں۔ اس سے ہمیں جگہ کیساتھ ایک لاکھ فرانک سالانہ کی بچت ہوگی۔ فیکٹری کا ایم ڈی الفرڈ کے اس منافع بخش خیالات سے بے حد متاثر ہوا۔

اس کے بعد فرم نے الفرڈ کو اس آپریشن کا انچارج بنا دیا۔ الفرڈ نے بلیو پرنٹس کی مائیکرو فلمنگ کیلئے خصوصی مشین خریدی تمام بلیو پرنٹس کو سخت حفاظتی اقدامات میں فیکٹری کے ایک الگ تھلگ کمرے میں لیجا کر اُن کی مائیکرو فلمیں بنائی جاتی تھی۔ اس کے بعد انہیں خصوصی کریٹوں میں پیک کر کے بذریعہ وین شہر کی ایک آتشی بھٹی (Incinerator) پہنچا کر سوئس پولیس اور خفیہ ایجنسیوں کے اہل کاروں کی نظروں کے سامنے نذر آتش کرتا تھا۔

الفرڈ کا فیکٹری میں نہایت شاندار پیشہ ورانہ ریکارڈ رہا تھا۔ فرم اُس پر حد درجے اعتماد کرتی تھی۔ سوئس انٹیلی جنس ایجنسی نے بھی اُس پر ایک فائل بنائی تھی جس میں درج تھا کہ "اس شخص پر ہر طرح سے مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے اس کی نجی اور پیشہ ورانہ زندگی بالکل بے داغ ہے۔ وہ ایک وفادار شہری ہے۔ اُس کی گھریلو زندگی نہایت پرسکون ہے۔ وہ کسی مالی مسائل کا شکار نہیں ہے۔ چرچ باقاعدگی کیساتھ جاتا رہتا ہے۔ وہ کبھی کسی مالی یا پیشہ ورانہ بے قاعدگی کا مرتکب نہیں ہوا ہے۔

اس آپریشن سے بہت پہلے الفرڈ نے آتشی بھٹی کو جانے والے راستے میں اپنے لیے ذاتی طور ایک بڑا گیراج کرائے پر لے لیا تھا۔ اس گیراج کا فیکٹری میں کسی کو علم نہیں تھا۔ اس دوران الفرڈ کو پتہ چلا کہ برن (Berne) میں سوئس فیڈرل پیٹنٹ آفس (SFPO) اپنا پچاس سال پرانا کاغذی ریکارڈ ردی میں فروخت کرنا چاہتا ہے الفرڈ فوراً اندر آفس پہنچا۔ اُس نے متعلقہ کلرک کو کہا کہ وہ سکریپ کا تاجر ہے اور اُن کے دفتر کا تمام متروکہ کاغذی سکریپ خریدنا چاہتا ہے۔

کلرک نے فوراً الفرڈ کو آفس انچارج سے ملوا کر سودا طے کیا۔ الفرڈ نے وہ تمام ردی خریدی جس میں مختلف قسم کے بلیو پرنٹس، ورڈ ایا گرامز تھے۔ اس کے بعد الفرڈ نے ایک فرم کو سپیشل کارٹن بنانے کا آرڈر دیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ سٹلور برادرز نے بھی اسی فرم کو بلیو پرنٹس کی پیکنگ اور ٹرانسپورٹیشن کیلئے کارٹن بنانے کا آرڈر دے رکھا تھا۔ الفرڈ نے اپنے کارٹن کا سائز اور رنگ ہو بہو سٹلور برادرز کی طرح رکھا تھا۔

فیکٹری سے آتشی بھٹی (Incinerator) تک بلیو پرنٹس کے کریٹ ایک وین میں لیجائے جاتے تھے۔ الفرڈ نے وین کو چلانے کیلئے خود ایک بااعتماد شخص کو منتخب کیا جو در اصل اُس کا کزن تھا۔ وہ شخص میونسپل ٹرانسپورٹ اتھارٹی میں بطور ڈرائیور ملازم تھا۔ جمعرات کے دن اُس کی چھٹی ہوا کرتی تھی۔ لہٰذا الفرڈ نے اُسے اسی دن کیلئے ریکروٹ کرایا۔

مقررہ تاریخ پر فیکٹری کی حدود کے اندر ایک کمرے میں میراج کے بلیو پرنٹس کی مائیکرو فلمنگ کا طویل اور تھکا دینے والا سلسلہ شروع ہوا۔

اس عمل کے دوران سوئس انٹیلیجنس کے کئی اہل کار نگرانی کیلئے آس پاس کھڑے رہتے تھے۔ تاکہ بلیو پرنٹس کی صرف ایک نقل بنائی جائے۔ ورا ور بجنل باقاعدہ کریٹوں میں پیک ہو کر ایک فاکس ویگن پر لوڈ کیے جائیں۔ الفرڈ نے مواد کے انتہائی حساس ہونے کے پیش نظر وین کے ہر پھیرے میں ساتھ جانے کو ترجیح دی۔ الفرڈ نے حکام سے ایک درخواست یہ بھی کی تھی کہ لوڈنگ اور ان لوڈنگ کے وقت سخت حفاظتی اقدامات کا بندوبست کیا جائے۔

آخر پہلے روز وین میں کریٹوں کو لاد دیا گیا۔ الفرڈ اور اُس کا کزن جو ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ سُلور بر ورز کی فیکٹری سے شہری آتشی بھٹی کیلئے روانہ ہوئے۔ اُنکے آگے پیچھے سکیورٹی انتظامات جان بوجھ کر نہیں کیے گئے تھے۔ کیونکہ اس طرح سے عام لوگوں کی توجہ اُنکی طرف ہو سکتی تھی۔ یہی الفرڈ کی خوش قسمتی تھی۔ وہ فیکٹری سے نکل کر سیدھا اپنے گودام گیا۔ وین عمارت کے اندر داخل کر کے اُس میں سے کریٹ اتارے گئے۔ پھر پہلے سے تیار کریٹ جن میں جعلی بلیو پرنٹس پیک تھے، وین میں رکھ دیے گئے۔ ان کریٹوں پر بھی Top Secret کی مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ سب کام اتنی سرعت اور مہارت سے کیا گیا کہ جب وین مقررہ بھٹی پہنچی تو کسی نے محسوس ہی نہیں کیا کہ وین راستے میں کہیں رُکی ہوگی۔

بھٹی پر موجود خفیہ پولیس کی نگرانی میں تمام کریٹ اتارے گئے پھر الفرڈ نے چار ذمہ دار افراد سے رسید وصول کی۔ پھر جا کر انہوں نے تمام کریٹ شعلوں کے حوالے کر دیے۔ یوں ایک سال کے اندر اندر الفرڈ نے میراج کے تمام بلیو پرنٹ کے کارٹن اپنے پاس خفیہ گودام میں جمع کر لئے۔ آتشی بھٹی میں بر بر جعلی مواد جلتا رہا اور سوئس انٹیلیجنس کو پتہ ہی نہیں چلا۔ اب موساد کو اصل مسئلہ ان کریٹوں کو اسرائیل منتقل کرنے کا درپیش تھا۔ آمد و رفت کے تمام راستے اس کام کیلئے غیر محفوظ تھے۔ سرحدی چوکیوں پر سوئس کسٹم انتہائی چوکس تھی۔ لیکن یہ مواد سوئس سرحد سے جرمنی باآسانی داخل ہو سکتا تھا بشرطیکہ کسٹم والوں کی چیکنگ سے بچ جائے۔

موساد کے چار اہل کاروں نے سوئس جرمن باڈر کا بغور مشاہدہ کیا۔ اب اُنہیں ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو بلیو پرنٹس کے اُن کریٹوں کو گاڑی میں رکھ کر جرمنی بحفاظت پہنچا دے۔ آخر دو ہفتوں کے اندر اندر انہیں مطلوبہ شخص مل گیا۔ ہینز سٹر یکر ایک جرمن باشندہ تھا۔ اُس نے زندگی کا بیشتر حصہ مشرقی برلن میں گذارا تھا۔ گذشتہ ایک سال سے وہ سوئٹزر لینڈ کی ایک ٹرانسپورٹ فرم (Rotzinger & co) میں بطور رابطہ افسر ملازم تھا۔ فرم کے ٹرک مختلف مال تجارت لیکر اکثر جرمنی آتے جاتے تھے۔ ہینز کا کام ان ٹرکوں کی کلیئرنس کیلئے کسٹم لوازمات پورے کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سرحد پر سوئس کسٹم کے اکثر افراد کیساتھ اُس کے قریبی روابط تھے۔

وہ اُن کے لئے کبھی کبھار بیئر کے ڈبے تحفے میں لاتا رہتا تھا۔ کسٹم والے بھی اکثر ہینز کی خاطر Rotzinger & co کے مال بردار ٹرک بغیر چیکنگ کے کلیئر کر دیتے تھے۔ آخر ایک روز ہینز کو موساد کے ایک اہل کار نے کچھ کریٹ سرحد پار جرمنی پہنچانے کے عوض ایک لاکھ ڈالر کی پیش کش کی۔ ہینز نے اتنی رقم کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا لہٰذا وہ فوراً راضی ہو گیا۔ یہ کام کئی مہینوں میں مکمل ہونے والا تھا، وجہ یہ تھی کہ بیک وقت تمام کریٹوں کی نقل و حرکت خطرے سے خالی نہیں تھی۔

پروگرام کیمطابق الفرڈ ہر ہفتے کے دن جب Rotzinger & co کے ورکر چھٹی پر ہوا کرتے تھے، اپنی وین میں کچھ کریٹ رکھکر اسی فرم کے ایک گودام پہنچا تا تھا۔ الفرڈ نے گودام کی چابی ہینز کو دے دی تھی۔ دوسرے دن ہینز اس گودام سے وہی کریٹ نکال کر انہیں سیاہ رنگ کی

مرسیڈیز کے ٹرنک میں رکھکر جرمن سرحد کی طرف روانہ ہو جاتا تھا۔ چیک پوسٹ پر حسب معمول کسٹم حکام مسکرا کر اُسے جانے کا اشارہ کر دیتے اور وہ بحفاظت مغربی جرمنی کی سرحد میں داخل ہو جاتا تھا۔ پھر وہ شمال مشرق کی جانب بلیک فارسٹ سے ہوتا ہوا ایک مضافاتی شہر Stuttgart پہنچتا جہاں ایک چھوٹے سے پرائیوٹ ائرفیلڈ پر موساد کے چند آدمی اُس سے وہ کریٹ وصول کر کے رن وے پر کھڑے ایک سیسنا طیارے میں رکھ دیتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد یہ طیارہ پرواز کر کے اٹلی کے ایک شہر پہنچتا۔ جہاں سے اسرائیلی ائرلائن کی معمول کی ایک پرواز اسے لیکر تل ابیب روانہ ہوتی۔ تل ابیب کے لاڈ ائرپورٹ پر جونہی یہ مال پہنچتا تو چند افراد اسے ایک بکتر بند گاڑی میں رکھ کر براہ راست ائرکرافٹ انڈسٹری پہنچا دیتے تھے۔

بلیو پرنٹس کی پہلی کھیپ پانچ اکتوبر 1968 کو اسرائیل پہنچی۔ اور یوں ہر ہفتے پچیس کلو کے حساب سے یہ کاغذات، سرائیل منتقل ہوتے رہے۔ ایک سال تک یہ سلسلہ بغیر کسی حادثے کے چلتا رہا مگر ایک روز ہمبز کی معمولی سی غلطی نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ وہ حسب معمول ایک ہفتہ کو اسی گودام سے بلیو پرنٹ کے کریٹ اپنی کار میں لوڈ کر رہا تھا کہ ایک عام شہری کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ وہ اپنے ٹھتے کو چھٹی قدمی کرار ہا تھا۔ اُسے یونہی شک ہو گیا کہ سنیچر کو تو فرم میں عام تعطیل ہوتی ہے مگر یہ شخص گودام سے کریٹ نکال رہا ہے۔ اُس نے فوراً فرم کے ڈائریکٹر کو اطلاع کر دی۔

ڈائریکٹر فوراً اپنی گاڑی میں اس گودام پہنچا جہاں ہمبز ابھی تک مصروف تھا۔ ڈائریکٹر نے حیرانگی میں ہمبز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ہمبز یہ کیا کر رہے ہو؟ مگر ہمبز نے جونہی اپنے ڈائریکٹر کو پاس کھڑے دیکھا۔ اُس نے فوراً کار سٹارٹ کی اور تیزی سے فرار ہو گیا۔ ڈائریکٹر فوراً گودام کے اندر گھسا جہاں ہمبز عجلت میں ایک کریٹ چھوڑ چکا تھا۔ اُس نے جونہی کریٹ کھولا تو اندر پہلے ہی صفحے پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا

Top Secret Property of The Swiss Military Department.

ڈائریکٹر نے اُسی وقت مقامی پولیس اسٹیشن میں اس واقعے کی رپورٹ درج کروا دی۔ چند لمحوں بعد پولیس نے پورے ملک میں جگہ جگہ ناکہ بندی کر کے بڑی سرگرمی سے ہمبز کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن سوئس پولیس کی بدقسمتی تھی کہ ہمبز کب کا بارڈر عبور کر کے مال Stuttgart پہنچ چکا تھا اور پھر یہی مال لیکر دو انجن والا سسنا جہاز کافی دیر پہلے اٹلی پرواز بھی کر چکا تھا۔

اسرائیلی جو ہمبز پر نظر رکھے ہوئے تھے، انہیں جونہی آپریشن کی تباہی کا پتہ چلا تو اُسی وقت انہوں نے ٹیلیفون پر الفرڈ کو خفیہ اطلاع دی "The flowers have been spoiled" اس کا مطلب تھا کہ فوراً ملک سے نکلنے کی کوشش کرو، راز فاش ہو گیا ہے۔ اس واقعے کے بہتر (72) گھنٹے بعد پولیس نے الفرڈ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ الفرڈ کے چہرے پر کسی قسم کا خوف یا پریشانی عیاں نہیں تھی۔ پولیس اُسے گرفتار کر کے جیل لے گئی۔ پوچھ گچھ کے دوران الفرڈ نے پولیس کو ایک عجیب پیشکش کرتے ہوئے کہا۔ دیکھیں میں ایک عزت دار شہری ہوں۔ آپ لوگوں نے مجھے ایسے افراد کے سامنے ہتھکڑیاں پہنائی ہیں جو مجھے اچھی طرح جانتے ہیں لیکن میں اس بے عزتی کو نظر انداز کرنے پر تیار ہوں اگر آپ مجھے خاموشی سے چھوڑ دیں ورنہ یہ معاملہ دنیا بھر میں مشہور ہو جائے گا اور فرانسیسی تو بالخصوص آگ بگولہ ہو جائیں گے اگر میں نے انکشاف کر دیا کہ میراج کے تمام پرزہ جات اسرائیلیوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ اس سے ہماری حکومت اور فرانس کے درمیان کس قدر کشیدگی پیدا ہو جائے گی۔ بہرحال تمام بلیو پرنٹس کی مائیکروفلمیں اب بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ بلیو پرنٹس جو غائب ہو چکے ہیں، اُن کی اہمیت فی الحال قطعی ضرورت نہیں تھی کیونکہ

ہم مستقبل قریب میں کوئی جہاز سازی کرنے والے نہیں تھے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ قانوناً میں نے ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ لیکن اخلاقی طور پر میں بالکل بے گناہ ہوں۔ میں نے سوئٹزر لینڈ کو کم از کم کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ میں نے اپنے ضمیر کی آواز پر اسرائیل کی مدد کی ہے، کیونکہ اُن کی بقاء خطرے میں پڑ گئی تھی۔ ہمیں وہ دن نہیں بھولنا چاہئے جب آش وز میں جرمنوں نے لاکھوں یہودیوں کو گیس چیمبرز میں دھکیلا تھا۔

آپ مجھے خاموشی سے رہا کر دیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ فرانسیسیوں کو بھی اس واقعہ کا علم نہیں ہونے دوں گا۔ مگر سوئس حکام الفرڈ کے پُر کشش بیان سے قطعی متاثر نہیں ہوئے، قانون پھر بھی قانون تھا اُسے بہرصورت عدالت کے روبرو پیش کرنا ہی تھا۔ بالآخر 23 اپریل 1971ء کو ایک سوئس عدالت نے اُس پر صنعتی جاسوسی اور عسکری راز چوری کرنے کا جرم ثابت کرتے ہوئے ساڑھے چار سال قید بامشقت کی سزا سنائی۔ بعد میں الفرڈ نے تسلیم کیا کہ وہ کم از کم بیس سال قید کی توقع کر رہا تھا۔ سوئس گورنمنٹ کو سلور برادرز نے الفرڈ کے آپریشن کی مکمل رپورٹ پیش کی جس کے مطابق ایک سال کے عرصے میں اُس نے میراج کے انجن کے متعلق 2000 ڈرائنگز ایک لاکھ کے لگ بھگ (Jigs) کے بارے میں، آلات کے متعلق پینتالیس ہزار، سو کے قریب جہاز کے فریم اور اس کے علاوہ پندرہ ہزار بلیو پرنٹس سپیئر پارٹس اور مینٹیننس Maintenance سے متعلق اسرائیل سمگل کرائی۔

لیکن ستمبر 1972ء میں سوئس حکومت نے اچانک نامعلوم وجوہات کے تحت اُسے رہا کر دیا۔ ڈھائی سال بعد اپریل 1975ء میں وہ اپنے ایک دوست کی دعوت پر بیوی کے ہمراہ اسرائیل گیا۔ جہاں اُس نے ایک خصوصی تقریب میں شرکت کی اور اسرائیل کے پہلے جدید ترین لڑاکا بمبار طیارے کی آزمائشی پرواز دیکھی۔ اسرائیل ائیر کرافٹ انڈسٹری کے تیار کردہ اس سپر سانک جیٹ کو Kfir کا نام دیا گیا تھا۔ جس کا مطلب شیر کا بچہ ہے۔ اس اسرائیلی طیارے کی آزمائشی پرواز دیکھنے کیلئے دنیا بھر سے ملٹری اور سول معززین کو مدعو کیا گیا تھا۔

Kfir ہو بہو فرانسیسی میراج III کی طرز پر ڈیزائن کیا گیا تھا۔ طیارہ جونہی گرجتا ہوا مہمانوں کے سروں کے اوپر سے گذرا تو ایک جرمن ملٹری ایکسپرٹ نے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک فرانسیسی کو کہنی مارتے ہوئے ہنس کر کہا۔ دیکھو Son of Mara کو! الفرڈ جو عین اُن کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اس بات پر ہلکا سا مسکرایا۔ صرف اُسے ہی اندازہ تھا کہ فرانسیسی مبصر کو یہ مذاق کس قدر کڑوا لگا ہوگا۔ طیارے نے ایک بار پھر تل ابیب کی فضاء میں چکر لگاتے ہوئے ایک غوطہ کھایا تو خوشی سے الفرڈ کا دل دھک دھک کرنے لگا شاید وہ سوچ رہا تھا کہ اسرائیلیوں نے کس قدر جلد اُسکے جاسوسی کارنامے کو بیسویں صدی کے ایک شاہکار میں تبدیل کر دیا ہے۔

اسرائیل آنے سے قبل اُس کا خیال تھا کہ تل ابیب ائیر پورٹ پر اُس کا زبردست استقبال ہوگا، اُسے ہار پہنائے جائیں گے اور 'سرکاری مہمان کی حیثیت دی جائے گی۔ مگر یہ اُس کی خوش فہمی ہی رہی، اسرائیلی حکام نے اُسے کوئی لفٹ نہیں دی حتیٰ کہ اُس کے ہوائی ٹکٹ کا کرایہ بھی کسی نے ادا نہیں کیا۔ کسی اخبار یا رسالے نے اُس کے کارنامے کا ذکر تک نہیں کیا۔ الفرڈ نے بڑے افسردہ لہجے میں جب ایک اسرائیلی اعلیٰ عہدیدار کو اس ستم ظریفی کا گلہ کیا تو جواب میں اُس نے وضاحت کی کہ موساد یا کوئی بھی سرکاری ایجنسی اُس کی خدمات کا یوں کھلم کھلا اظہار کر کے بالواسطہ طور سوئٹزر لینڈ کے خلاف اپنی جاسوسی سرگرمیوں کا اعتراف کبھی نہیں کر سکتی۔ ویسے بھی جاسوسوں کی بدقسمتی ہے کہ ان کے کارناموں کو کبھی بیان نہیں کیا جاتا۔ وہ ہمیشہ کیلئے تاریخ کے اندھیروں میں گم ہو جاتے ہیں۔

آج کل الفرڈ اپنی بیوی ایلزبتھ کے ساتھ سوئٹزرلینڈ کے ایک خوبصورت گاؤں میں آرام سے زندگی کے بقیہ ایام پورے کر رہا ہے۔ اُسکے چھوٹے سے مکان کو ہمسائے Little Israel کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکان کا ایک کمرہ اسرائیلی کتابوں رسالوں اور سوینئر (Souvenirs) سے بھرا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ اُسے اسرائیلی مداحوں اور دوستوں نے بھیجا ہے۔ اسرائیلی ائرفورس کا ارسال کردہ ایک خوبصورت البم بھی ایک میز پر پڑا ہوا ہے، جس میں Kfir کی مختلف زاویوں میں لی گئی تصاویر ہیں۔ الفرڈ اس البم کو کبھی کبھار بڑی چاہت سے دیکھتا رہتا ہے۔ جیل سے چھوٹنے کے بعد اُس نے ایک الیکٹرانک کمپنی میں ایک اعلیٰ منصب پر کام کیا۔ لیکن آج کل وہ اپنی ایجادات سے روزی کما رہا ہے۔ اُس کا تیار کردہ کم قیمت ائرکنڈیشنگ یونٹ جو چھوٹی کاروں میں نصب ہوتا ہے بہت کامیاب ہے۔ لیکن اُسکی ایک اور دلچسپ اختراع ایک آلہ ہے جسے Document discarding device کہتے ہیں۔ یہ آلہ کسی بھی دفتر میں متروکہ فائلیں اور کاغذات، کشتی کر کے خود بخود جلا دیتا ہے۔ صرف سوئٹزرلینڈ میں ایک ہی مہینے میں اس آلے کے پندرہ ہزار یونٹ فروخت ہوئے۔ کچھ عرصہ قبل الفرڈ نے یہی آلہ فرانس کی وزارت دفاع کو بھی تحفے میں بھیجا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے نہ تو اس آلے کو سراہا اور نہ ہی واپس بھیجا۔ شاید انہیں ابھی تک میراج کے بلیو پرنٹس کے چوری ہونے کا دکھ تھا۔

دجال (شیطان کا بیٹا)

انگریزی ادب سے درآمد ایک خوفناک ناول۔ علیم الحق حقی کا شاندار انداز بیاں۔ شیطان کے پجاریوں اور پیروکاروں کا نجات دہندہ شیطان کا بیٹا۔ جسے بائبل اور قدیم صحیفوں میں بیسٹ (جانور) کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ انسانوں کی دُنیا میں پیدا ہو چکا ہے۔ ہمارے درمیان پرورش پا رہا ہے۔ شیطانی طاقتیں قدم قدم پہ اسکی حفاظت کر رہی ہیں۔ اسے دُنیا کا طاقتور ترین شخص بنانے کے لیے مکروہ سازشوں کا جال بنا جا رہا ہے۔ معصوم بے گناہ انسان، دانستہ یا نادانستہ جو بھی شیطان کے بیٹے کی راہ میں آتا ہے، اسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

دجال یہودیوں کی آنکھ کا تارہ جسے عیسائیوں اور مسلمانوں کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کرنے کا مشن سونپ جائے گا۔ یہودی کس طرح اس دُنیا کا ماحول دجال کی آمد کے لیے سازگار بنا رہے ہیں؟ دجالیت کی کس طرح تبلیغ اور اشاعت کا کام ہو رہا ہے؟ دجال کس طرح اس دُنیا کے تمام انسانوں پر حکمرانی کرے گا؟ 666 کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب آپ کو یہ ناول پڑھ کے ہی ملیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ اس ناول کو شروع کرنے کے بعد ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ دجال ناول کے تینوں حصے کتاب گھر پر دستیاب ہیں۔

Menachem Begin (Israeli Prime Minister)

Golda Meir (Israeli Prime Minister)

Menachem Begin (Israeli Prime Minister)

Leila Khalid
(The Palestinian Hijaker)

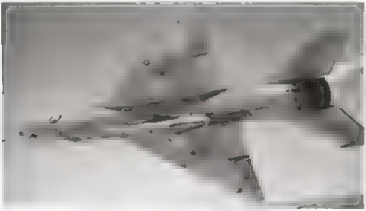

The Iraqi Mig Flown to Israel by Munir Redfa

Adolf Eichmann
(The Minister of Death)

Isser Harel
(First Chief of Mossad)

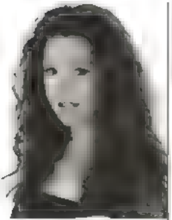
Georgina Rizk
(Salameh's wife)

Isser Harel (The first Chief of Mossad

George Habash (PLO Leader)

George Habash
(PLO Leader)

Golda Meir (Israeli Prime Minister)

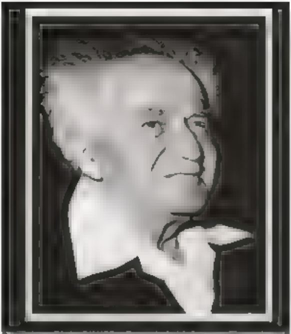

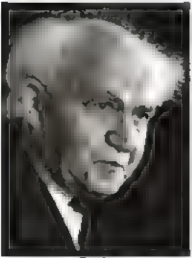

Begin
(Israeli Prime Minister)

Adnan Khashoggi
(The Saudi Bilinior and Weapon Dealer)

Ali Hasan Salameh (PLO Commando)

Abu Jehad (PLO Leader)

Abu Jehad (PLO Leader)

Munich Olyinpic
(Israeli Athelets Killed by Black September)

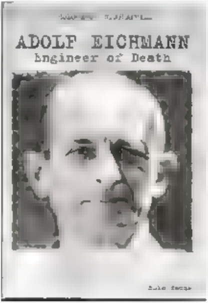

چربوغ کی میزائل بوٹس کا اغوا

مصر میں متعین موساد کے ایجنٹ وولف گینگ لوٹز نے 1962ء میں اپنے ہیڈکوارٹرز کو اطلاع دی تھی کہ بہت جلد سوویت یونین مصری نیوی کو komar اور osa میزائل بردار کشتیاں فراہم کرنے والا ہے۔ ان میں سے ہر کشتی پر سام میزائل جن کی مار 25 میل تک تھی نصب تھے۔ اور ان سے اسرائیل کے گنجان آباد شہر حیفہ اور تل ابیب با آسانی نشانہ بنائے جاسکتے تھے۔

اُس زمانے میں اسرائیلی بحریہ کے پاس دو انتہائی قدیم برطانوی ساختہ آب دوزوں، دس بارہ تارپیڈو بوٹس اور دو بھاری بھرکم سست رفتار ڈسٹرائر کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا جبکہ مصر کے پاس بارہ جدید ترین آب دوزیں، دس فریگیٹس، چھ destroyer اور پچاس کے لگ بھگ تارپیڈو بوٹس تھیں۔ اور اب روسی میزائل بوٹس سے اس کی طاقت میں مزید اضافہ ہونے والا تھا۔

اس خطرے کے پیش نظر اسرائیلی ملٹری ایکسپرٹس نے فیصلہ کیا کہ اُنہیں بھی اپنی نیوی میں اسی قسم کے تیز رفتار کشتیاں شامل کرنی چاہیے۔ ان دنوں جرمنی جگوار نامی جدید میزائل بوٹس تیار کر رہا تھا جس کی رفتار 45 میل فی گھنٹہ تھی۔ اسرائیل اسے حاصل کرکے اس پر اپنا Gabr el میزائل نصب کرکے مصری نیوی کا خوب مقابلہ کرسکتا تھا۔

1962ء کے آخر میں جرمنی نے مذکورہ کشتیاں اسرائیل کے ہاتھ فروخت کرنے کا معاہدہ کرلیا۔ جرمنی کی درخواست پر عربوں کی برہمی کے پیش نظر اسے انتہائی خفیہ رکھا گیا۔ اسی سلسلے میں 1964ء میں اسرائیل کو تین کشتیاں حوالے کی گئی۔

لیکن یہ بات جرمن انتظامیہ کے ایک فرد نے نیویارک ٹائمز کو لیک کردی، یہ شخص ماضی میں نازی پارٹی کا حامی رہ چکا تھا اور اب بھی یہودیوں کا سخت مخالف تھا۔ جب یہ خبر امریکی جریدے کے صفحہ اول پر شائع ہوئی تو عرب دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ بون گورنمنٹ پر عربوں کی طرف سے اس قدر پریشر پڑا کہ بالآخر جرمنی نے فیصلہ کیا کہ مزید کشتیاں اسرائیل کے لئے اب تیار نہیں کی جائے گی۔

لیکن درپردہ جرمنی نے اسرائیل کو تسلی دی کہ یہی کشتیاں کسی اور یورپی ملک میں بھی تیار کی جاسکتی ہیں۔ آخر فرانس نے اس کے لئے حامی بھری۔ فرانس کے شہر چربوغ کے شپ یارڈ میں ان کی پروڈکشن شروع ہوئی۔ اُس زمانے میں ویسے بھی فرانس اسرائیل کو 75% عسکری سازوسامان فراہم کررہا تھا۔

چند مہینوں میں دوسو کے قریب اسرائیلی ٹیکنیشن اور انجینئرز اس شپ یارڈ میں کام پر لگ گئے۔ وہ اپنے فرانسیسی ہم کاروں کے ہمراہ کشتیاں تیار کرنے لگے جو کبھی جرمنی میں تیار ہوا کرتی تھیں۔ اس آپریشن کا سربراہ بریگیڈیئر (Mordechai limon) تھا۔ اُس کا سمندر اور سمندری جہازوں سے متعلق بیس سالہ تجربہ تھا وہ 1950ء میں اسرائیل نیوی کا کمانڈر ان چیف رہ چکا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ محض 26 سال

کی عمر میں اس عہدے پر فائز ہوا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ امریکہ چلا گیا جہاں اس نے بزنس ایڈمنسٹریشن ڈگری حاصل کی۔ بعد میں اسے اسرائیل کے نئے بیرون ملک فوجی ساز و سامان کی خریداری کیلئے خصوصی نمائندہ مقرر کیا گیا۔

اپریل 1967ء میں چربوغ کے شپ یارڈ نے اسرائیل کیلئے پہلی میزائل بوٹ تیار کر کے ان کے حوالے کی تو Limon نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک مقامی ہوٹل میں ایک تقریب منعقد کی، جس میں انہوں نے شمپین اور وائن کی بوتلیں پی کر خوشی کا اظہار کیا اس کے بعد دوسری بوٹ بھی تیار ہو کر حیفہ روانہ کر دی گئی۔

1967ء کی عرب اسرائیل جنگ شروع ہونے سے پہلے 2 جون کو فرانس کے صدر جنرل ڈیگال نے اسرائیل کو تمام فوجی ساز و سامان کی ترسیل پر پابندی عائد کر دی، جس سے اسرائیلی ائرفورس کو زبردست دھچکا لگا کیونکہ اس کے زیر استعمال فرانسیسی ساختہ میراج سسٹم سپیئر پارٹس اور دیگر ضروری آلات کی عدم موجودگی میں ناکارہ ہو کر رہ گیا۔

پیرس میں Limon نے ایک وفد کے ہمراہ فرانسیسی حکومت سے بات چیت بھی کی کہ وہ پابندی اٹھائے مگر فرانس اس وقت عربوں کو خوش کرنے کے موڈ میں تھا۔

لیکن چربوغ میں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس پابندی (Embargo) کے بارے میں سنا ہی نہیں تھا۔ دو اور کشتیاں تیار ہو کر اسرائیل روانہ ہوئیں۔ اسرائیلی اب بھی اپنے فرانسیسی ساتھیوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے تھے۔

لیکن اسی سال دسمبر میں حالات نے ایک دم پلٹا کھایا۔ اسرائیلی کمانڈوز کی ایک ٹیم نے اچانک بیروت کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر حملہ کر کے وہاں کھڑے تیرہ کمرشل طیاروں کو بموں سے تباہ کر دیا۔ یہ کارروائی اس قدر منظم طریقے سے کی گئی کہ ایک بھی انسانی جان ضائع نہیں ہوئی اور کمانڈوز بھی بحفاظت تل ابیب پہنچ گئے۔

جنرل ڈیگال تو ویسے بھی اسرائیلیوں کو جارح قرار دے چکا تھا۔ اس واقعے سے تو وہ اور بھی برہم ہوا۔ اپنی کابینہ کو اعتماد میں لئے بغیر اس نے کسٹم حکام کو ہدایت جاری کر دی کہ اسرائیل کو کسی قسم کا عسکری ساز و سامان جانے نہ پائے۔

اس دفعہ تجارتی پابندی مکمل طور پر لاگو ہو چکی تھی۔ مارسیلز کے ہوائی اڈے پر ایک اسرائیلی جہاز میں لوڈ کریٹ اتار لئے گئے، جن میں میراج کے فاضل پرزے تھے۔ اس کے علاوہ ایک اسرائیلی بوئنگ جو پرواز کیلئے رن وے پر تیار کھڑا تھا، فرنچ کسٹم نے اسے روک کر تلاشی لی اور وافر مقدار میں الیکٹرانک آلات اپنے قبضے میں لے لئے۔ چربوغ میں تمام کشتیاں جو تیاری کے مختلف مراحل میں تھیں منجمد کر دی گئیں۔

چربوغ کی بندرگاہ پر میزائل بوٹس جو تیار ہو چکی تھیں اس کے عرشے پر آکسیجن کے سلینڈرز، اوزار، کافی کے فلاسک اور شراب کی خالی بوتلیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ یہ سب کچھ فرانسیسی ٹیکنیشن چھوڑ کر گئے تھے۔

چار جنوری 1969ء صبح منہ اندھیرے اسرائیلی ملاح شپ یارڈ میں داخل ہوئے۔ شپ یارڈ بالکل ویران تھا۔ کیونکہ کاریگر ہفتہ وار چھٹی پر تھے۔ بغیر کسی عجلت کے انہوں نے تین گھنٹے لگا کر تین کشتیوں کو سمندری سفر کیلئے تیار کیا۔ جب سب کچھ تیار ہو گیا ور کشتیوں کے انجن گرم ہو گئے

تو انہوں نے بڑی جراءت سے اسرائیلی پرچم اوپر چڑھائے۔ کسی نے بھی انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بڑے آرام کے ساتھ اسرائیل روانہ ہو گئے۔

اس واقعے کی خبر جب پیرس پہنچی تو وہاں کھلبلی مچ گئی۔ فرانسیسی وزیر دفاع نے اسرائیلی ٹیم کے سربراہ Limon سے جب اس سلسلے میں وضاحت طلب کی تو اس نے نہایت مختصر الفاظ میں جواب دیا۔

"They were given orders to sail for Haifa They belong to us"

یہ عجیب اتفاق تھا کہ چربورغ نیول حکام اور کسٹم کا عملہ حکومت کی عائد کردہ تجارتی پابندی سے لاعلمی کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ کشتیاں اسرائیل روانہ ہونے کے دو دن بعد انہیں اس پابندی کے احکامات موصول ہوئے تھے۔ اس دعوے کو تقویت دینے کیلئے انہوں نے مقامی پوسٹ آفس سے دستاویزی ثبوت بھی مہیا کئے۔ بقول اُن کے یہ سارا قصور ناقص ڈاک سسٹم کا تھا۔

ایک دو ہفتوں تک تو پیرس سے مختلف اداروں کو سخت سرزنش کی چٹھیاں ملتی رہیں۔ کئی اعلیٰ اور اہم عہدیداروں کی جواب طلبیاں ہوتیں رہیں۔ تاہم اس دوران باقی ماندہ پانچ کشتیوں پر کام مسلسل جاری رہا۔ اُدھر تل ابیب سے اسرائیلی ٹیم کے چیف Limon کو ارجنٹ پیغام ملا "باقی کشتیاں بھی اسرائیل کو فوراً درکار ہیں" لیکن اب تو چربورغ کے کسٹم والے اور کوسٹ گارڈ مکمل چوکنا ہو کر پہرہ داری کر رہے تھے۔

نومبر 1969ء میں Limon کو واپس تل ابیب بلایا گیا۔ اس ماہ موشے دایان نے ایک اہم میٹنگ طلب کی جس میں Limon، موساد کے اعلیٰ عہدیداروں اور ملٹری انٹیلی جنس والوں نے شرکت کی۔ انہوں نے کشتیوں کے حصول کے لئے مختلف طریقوں پر غور کیا۔ صحیح طریقہ تو یہی تھا کہ فرنچ گورنمنٹ کو سفارتی سطح پر مجبور کیا جائے کہ وہ ان کشتیوں کو بلا تاخیر ریلیز کر دے جسکے لئے دونوں حکومتوں کے درمیان معاہدہ ہو چکا تھا اور رقم بھی ادا ہو چکی تھی مگر Limon کو پتہ تھا کہ کم از کم یہ طریقہ کار اب ناممکن تھا۔ ایک دوسرا راستہ بھی تھا مگر سے رد کر دیا گیا کیونکہ اسرائیل ایک بار ارجنٹینا میں اس سے ملتی جلتی حرکت کر چکا تھا۔ ایڈولف ایشمین کے اغواء سے اس کی بڑی بدنامی ہوئی تھی۔ آخر کئی دنوں کی پلاننگ کے بعد ایک زبردست سکیم بنائی گئی۔ موساد کے ماہرین کو پتہ تھا کہ یہ پلان انتہائی مشکل تھا کیونکہ اس میں تجربہ کار ایجنٹوں کی بجائے ٹیکنیشن اور ملاح شامل تھے۔ جو جاسوسی کی دنیا کے کاموں سے قطعی بے خبر تھے۔ لیکن Limon نے انہیں تسلی دی کہ اس کے زیر کمان تمام افراد اپنا پارٹ انتہائی ہوشیاری سے ادا کریں گے۔ اس خفیہ کارروائی کا نام "آپریشن کشتی نوح" (Operation,Noahs Ark) رکھا گیا۔

Limon تل ابیب میں دس روز قیام کے بعد واپس پیرس پہنچ گیا۔ اس نے اگلے ہی روز چربورغ شپ یارڈ کے انچارج کو اطلاع دی کہ اسرائیلی حکومت نے باقاعدہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ان کشتیوں کے لئے اب مطالبہ نہیں کریں گے۔ لیکن فرانس انہیں بیچ کر اسرائیل کو پیشگی ادا شدہ رقم واپس کر دے۔ شپ یارڈ انچارج مسٹر فیلکس کو یہ بات بے حد معقول لگی اور اس نے فوراً اپنے افسروں سے بات چیت کر کے اسے منظور کروا لیا۔

اس کے محض دو دن بعد فیلکس کو ایک شخص دفتر میں ملا جو اپنا نام مارٹن بتا رہا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ تعمیراتی فرم کا مالک اور ایک نارویجن شپنگ کمپنی Starboat and well کا ڈائریکٹر ہے۔ یہ شخص پہلے بھی ایک مرتبہ فیلکس سے پیرس میں مل چکا تھا۔ "آپ کا تعلق، وسوسے ہے

تا" Felix نے ہاتھ ملاتے ہوئے اُس سے پوچھا،"تعلق ایک لحاظ سے ہے بھی اور نہیں بھی، میری کمپنی پانامہ میں رجسٹرڈ ہے لیکن میں ناروے کو اپنا گھر سمجھتا ہوں" مارٹن نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اس نے Felix کو کہا کہ وہ ان اسرائیلی کشتیوں کو خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ہماری کمپنی جو الاسکا کے ساحلوں کے قریب تیل کی تلاش کر رہی ہے اس قسم کی کشتیوں کو استعمال کرتی ہے۔ ہمارا مسئلہ وقت کی کمی کا ہے لہٰذا ہمیں یہ کشتیاں جلد از جلد درکار ہیں۔

دونوں افراد کے درمیان چند ہی لمحوں میں معاہدہ ہو گیا۔ فیلکس کو اس بات پر بے حد خوشی ہوئی کہ چلو اس ذہنی عذاب سے نجات مل گئی جو ایک عرصے سے اس کے حواس پہ چھایا ہوا تھا۔ فرانسیسی حکومت کو بھی اس سودے پر اعتراض نہیں تھا۔ کیونکہ کشتیاں جنگی ساز و سامان سے لیس نہیں تھی۔ اور ناروے مشرق وسطیٰ میں بھی واقع نہیں تھا لہٰذا وہ فرانس کی عائد کردہ تجارتی پابندی کے زیر اثر نہیں تھا۔

فرانس نے یہ سودا اس قدر عجلت میں کیا تھا۔ اگر وہ ذرا بھی عقل سے کام لیتے تو انہیں پتہ چل جاتا کہ مذکورہ شپنگ کمپنی (Starboat and we ll) پانامہ کی قانونی فرم تھی لیکن محض چند روز قبل ہی وجود میں آئی تھی۔ وہ کم از کم اس بات کو تو شک کی نظر سے دیکھ سکتے تھے کہ آخر تیل کی تلاش کیلئے اتنی ہائی سپیڈ کشتیاں اس کمپنی کو کیوں درکار ہیں۔

لیکن فرانسیسیوں نے سکھ کا سانس یہ کہ چلو ان کشتیوں سے جان چھوٹ گئی۔ سول سروس کے حکام نے تیزی سے تمام کاغذی کاروائی مکمل کی اور چربوگ کے شپ یارڈ کو ہدایات جاری کر دیں کہ کشتیوں کو مذکورہ کمپنی کے حوالے کر دیا جائے۔

اس دوران میں چربوگ کے شپ یارڈ میں ایک بار پھر رونق لوٹ آئی۔ نوجوان سیلرز کی ایک ٹیم ناروے سے پہنچ گئی۔ یوں لگ رہا تھا کہ کشتیاں جلد ہی روانہ ہونے والی ہیں۔

شپ یارڈ میں ایک چھوٹا سا سٹور تھا جہاں سگریٹ شراب اور دیگر ضروری استعمال کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں۔ اس سٹور کا مالک خوب پیسے کما تا تھا۔ وہ ان دنوں نارویجن سیلروں کی آمد سے بھی بہت خوش تھا کیونکہ وہ سگریٹ کے کارٹن کے کارٹن خرید رہے تھے۔ پینٹرز کشتیوں پر عبرانی جیسے اور نشانات مٹا کر اس پرنئی کمپنی کے نام اور نشانات پینٹ کر رہے تھے۔

اسرائیلی ملاح اور ٹیکنیشن جو اب بھی چربوگ میں موجود تھے۔ یہ تماشا خاموشی سے دیکھ رہے تھے دراصل وہ اسرائیل واپسی کیلئے پیک اپ میں مصروف تھے۔ چربوگ کے ایک قمار خانے میں جہاں اسرائیلی ملاح باقاعدگی سے جاتے تھے مقامی لوگوں نے ایک ملاح کے رویے میں غیر معمولی تبدیلی محسوس کی تھی۔ وہ جوئے کی بازی میں عموماً معمولی رقم داؤ پر لگاتا تھا مگر اس بار وہ اچانک بڑی رقم پھینک رہا تھا۔ اس پر ایک فرانسیسی نے مذاق میں اس کی وجہ دریافت کی تو اسرائیلی کہنے لگا اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا ہم ویسے بھی چند ہی دنوں میں رخصت ہونے والے ہیں۔ اس بات پر اس کے ساتھ کھڑے دوسرے اسرائیلی سیلروں نے عبرانی میں اسے ٹوکا کہ فضول بکواس کر رہے ہو جس پر اس نے معذرت بھی کی۔ اس کے علاوہ مقامی لوگوں نے تو ان نارویجن سیلروں کو کئی بار عبرانی الفاظ ادا کرتے ہوئے بھی سنا جو یقیناً غیر متوقع بات تھی۔

Ezra Kedem کا متعدد بار شپ یارڈ میں آنا جانا بھی شک سے خالی نہیں تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے کچھ عرصہ قبل پہلی میزائیل

بوٹ چربوغ کے ساحل سے تل ابیب روانہ کی تھی۔ مگران تمام معنی خیز سرگرمیوں کو فرانسیسیوں نے بھی محسوس نہیں کیا۔

کرسمس کو ابھی چند دن باقی تھے۔ لوگ تیاریوں میں مصروف ہو چکے تھے۔ اسرائیلی سیلرز بھی اپنے فرانسیسی ساتھیوں سے کہہ رہے تھے۔ کہ وہ کرسمس پیرس میں منائیں گے۔ انہوں نے پیرس کے ایک ریسٹورانٹ Cafe du theatre میں ستر آدمیوں کیلئے کرسمس ڈنر کا بھی پیشگی آرڈر بھی دیا۔

18 اور 23 دسمبر کے درمیان "ناروبجن کمپنی کے ٹیکنیشن" دن رات کشتیوں کے انجن ٹیسٹ کرنے میں مصروف رہے۔ وہ جلد از جلد لمبے سمندری سفر پر روانہ ہونے والے تھے۔ جونہی کرسمس کا دن شروع ہوا سفر کی تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں۔

اس صبح Limon نے پیرس میں اپنی بیوی راخیل بیٹی ملی اور بیٹے یوکا کو الوداع کہا اور فوراً چربوغ کی طرف روانہ ہوا۔

اس روز Ezra Kedem کو کئی لوگوں نے دیکھا کہ وہ ایک طاقتور دوربین کی مدد سے سمندر کا مشاہدہ کر رہا تھا یا بندرگاہ کی حدود کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ سمندر کے مشرقی راستے کی طرف خاص دلچسپی سے دیکھ رہا تھا جس سے سال کے شروع میں تیں میزائیل بوٹس اسرائیل گئی تھیں۔ اس سمندری چینل کا ایک فائدہ یہ تھا کہ اس میں زیادہ تر Blind spots یعنی ایسے مقامات تھے جہاں ساحلی ریڈار کسی جہاز کی نقل و حرکت کو محسوس نہیں کر سکتے تھے۔

آپریشن کشتی نوح (op. Noah's ark) اپنے آخری اور خطرناک مرحلے میں داخل ہو رہا تھا۔

Limon شام چار بجے چربوغ کے ہاربر ایریا پہنچا جہاں Ezra Kedem اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ انہوں نے کشتیوں کا معائنہ کیا۔ ہر کشتی پر 20 اسرائیلی سیلرز (ناروبجن باشندوں کے بھیس میں) موجود تھے۔

انہیں سمندر کی ناموافق ہواؤں نے پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ بلکہ تھوڑی دیر بعد تو بہروں میں طوفان بھی امنڈ آیا تھا۔ ایسے حالات میں سفر خطرے سے خالی نہیں تھا مگر وہ آج رات بہرحال فرانس کے ساحل سے نکلنا چاہتے تھے بلکہ ایسا موقع بھی پھر انکے ہاتھ نہیں آتا۔

اگلے چند گھنٹے اسرائیلیوں نے نہایت مصروف گزارے۔ ہر کشتی کے عملے نے سفر کے لئے اپریشن اور دیگر ضروری آلات چیک کئے۔ ایندھن کے ٹینک مکمل لبریز کر دیے گئے۔ اسکے علاوہ اضافی تیل بھی سٹور کر دیا گیا تھا۔

Ezrab Kedem جس نے سب سے اگلی کشتی میں سفر کرنا تھا نے آخری لمحے تک سمندر کی موسمی صورت حال پر گہری نظر رکھی۔

رات کے ٹھیک نو بجے کشتیوں کے انجن چالو کر دیے گئے۔ ادھر چربوغ کے ٹاؤن میں لوگ کرسمس ڈنر کے مزے لوٹ رہے تھے۔ شمپین کی بوتلیں کشاخ پٹاخ کھل رہی تھیں۔ انہوں نے بھی ان میزائیل بوٹس کے انجن کی گڑگڑاہٹ سنی تھی مگر انہوں نے دھیان اسلئے نہیں دیا کہ یہ بندرگاہ میں روزانہ کا معمول تھا۔ مگر ایک جگہ بڑی پریشانی پیدا ہوئی Cafe due theatre جہاں کچھ ہی روز قبل ان اسرائیلی سیلروں نے کرسمس ڈنر کے لئے بڑی بڑی میزیں بک کی تھیں وہ اب تک خالی پڑی تھیں۔

موساد کا بنایا ہوا یہ پلان انتہائی رازداری کے ساتھ جاری تھا مگر بقول فرانسیسی سیکرٹ سروس، انہیں کچھ شک ہو چکا تھا جب ناروبجن سیلرز

کبھی کبھی عبرانی الفاظ استعمال کرتے۔ مگر یہاں بھی لاپرواہی ہوئی، اعلیٰ حکام نے اسکا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ آدھی رات کو میزائل بوٹس کے انجن پوری قوت کیساتھ چل رہے تھے، یہ شور گرجا گھروں کے گھنٹوں اور ساحل پر لنگر انداز دوسرے بحری جہازوں کے سائرن کی آوازوں میں مدغم ہو رہا تھا۔ جو بوغ کرسمس منا رہا تھا۔ پانچ منٹ بعد اسرائیلی کشتیوں نے لنگر اٹھائے اور آہستہ آہستہ ایک لمبے بحری سفر پر روانہ ہوئے وہ جونہی انگلش چینل (English channel) میں داخل ہوئے تو کشتیوں کی رفتار تیز تر کر دی گئی۔

ساحل پر کھڑے دو افراد نے کشتیوں کو رخصت ہوتے دیکھا تھا۔ ایک Limon اور دوسرا Felix Amiot تھا۔ کشتیاں جونہی نظروں سے اوجھل ہوئی تو دونوں نے گرم جوشی کیساتھ ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ اس کے بعد وہ نہایت عجلت میں علیحدہ علیحدہ پیرس کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں ان کی فیملیاں کرسمس کے موقع پر ان کا انتظار کر رہی تھی۔

ایڈمرل Limon اپنی رہائش گاہ پر مسلسل ریڈیو سے موسمی رپورٹ سنتا رہا اور وہ اس انتظار میں بھی تھا کہ اچانک ریڈیو سے میزائل بوٹس کی پراسرار روانگی کے بارے میں خبر نشر ہو جائے گی۔ لیکن فی الحال تو وہ اپنے سو بہادر سیلروں کی زندگی کے بارے میں پریشان تھا جو کھلے سمندر میں اسرائیل کی جانب رواں دواں تھے۔

دوسرے روز 26 دسمبر کو ایک اخبار کو اس واقعے کا علم ہو گیا اور یوں دنیا بھر کے پریس اور الیکٹرانک میڈیا پر یہ بات آ گئی کہ موساد نے بڑی صفائی کیساتھ کشتیاں غائب کر دی ہیں۔ بس پھر کیا تھا، حکومتی سطح پر بوکھلاہٹ کی سی کیفیت چھا گئی۔ سب حیران اور پریشان تھے کہ دو مرتبہ فرانسیسی گورنمنٹ کو بے وقوف کیسے بنایا گیا۔ ادھر فرانس کی وزارت دفاع ٹیلیفون کالوں کی یلغار میں پھنس چکی تھی۔ لوگ طرح طرح کے سوالات کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ کیا فرانس نے تجارتی پابندی اٹھا لی ہے؟ کس نارویجن کمپنی نے یہ کشتیاں خریدی ہیں؟ وہ کمپنی تیل کی تلاش کیلئے میزائل بوٹس کیوں استعمال کر رہی ہیں؟ کیا واقعی اس لیے وہ کشتیاں الاسکا Alaska کی طرف بڑھ رہی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

پیرس میں دوسری طرف ایڈمرل Limon کے گھر بھی اخباری رپورٹر اسی قسم کے سوالات کر رہے تھے مگر وہ نہایت خندہ پیشانی کیساتھ سن رہا تھا اس نے کہا" کاش میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا، مجھے تو فرنچ گورنمنٹ کے حوالے سے پتہ چلا ہے کہ وہ کشتیاں کسی نارویجن کمپنی کے ہاتھ فروخت ہوئی ہیں مجھے اس وقت اس کمپنی کا نام ٹھیک طرح سے یاد نہیں آ رہا۔ اچھا ہوگا اگر آپ لوگ حکومت سے اس بارے میں پوچھ لیں۔ اسی روز شام کو دوسری خبر آئی کہ کشتیاں جبل الطارق کی طرف رواں دواں ہیں یعنی الاسکا ان کی منزل نہیں ہے۔

صدر جارج پومپیڈو (George Pompidou) اپریل میں جنرل ڈیگال کے استعفیٰ کے بعد فرانس کا نیا صدر منتخب ہوا تھا وہ اس واقعے پر سخت برہم تھا کیونکہ گزشتہ حکومت کی طرح وہ بھی عربوں کیساتھ خیر سگالی کے تعلقات برقرار رکھنے کا حامی تھا۔ تاہم وہ حقیقت پسند تھا اس نے اپنے وزیر خارجہ Mounce Schomann کو کہا "میزائل بوٹس کو اس وقت نارویجن یا اسرائیلی یا پانامہ کے قزاق چلا رہے ہیں اب ہم کیا کر سکتے ہیں کیا تم چاہتے ہو کہ انہیں بم یا تارپیڈو سے تباہ کر دیں" دوسرے طرف فرنچ نیول حکام نے بھی کسی قدر شرمندگی سے جواب دیا کہ ان کے پاس ایسی کوئی تیز رفتار کشتی میسر نہیں ہے جو ان کا پیچھا کر سکے۔ وزیر خارجہ نے سخت غصے کی حالت میں اسرائیلی سفیر کی رہائش گاہ فون کیا کہ وہ فوراً

دفتر خارجہ میں حاضر ہو کہ وضاحت کرے مگر اتفاق سے وہ اس وقت زیورخ میں دوستوں کے ساتھ گپ شپ لگا رہا تھا وہاں اس کا ایڈریس بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ وزیر خارجہ نے مطالبہ کیا کہ اگر سفیر موجود نہیں ہے تو سفارت خانے کا کوئی اور ذمہ دار فرد اسے فوراً ملے۔

دوسرے روز اسرائیلی سفارت خانے کے دو معمولی ڈپلومیٹ Schomann کے دفتر میں حاضر ہوئے۔ وزیر خارجہ نے آگ بگولہ ہوتے ہوئے ان سے مطالبہ کیا۔ "میزائیل بوٹس کا تم لوگوں نے کیا کیا ہے؟ اگر وہ اسرائیل پہنچائی گئی تو اس کے سخت نتائج کی ذمہ داری ان پر ہو گی۔

ادھر یروشلم میں پرائم منسٹر مسز گولڈا میئر نے اپنی کابینہ کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا فرانس نے بذات خود یہ کشتیاں ناروے کی ایک شپنگ کمپنی Star boat &well کے ہاتھ فروخت کی ہیں۔ ہو سکتا ہے اب اس کمپنی نے یہ کشتیاں کسی اسرائیلی فرم کو کرائے پر دی ہوں۔ تا ہم ہم معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ کون سی فرم ہے۔ اسی دن وزیر اعظم کا یہ پیغام فرانسیسی سفیر کے حوالے کیا گیا۔

اسی دوران میں مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے قذافی سے ملاقات کی اور تجویز پیش کی کہ ان کشتیوں کو کسی طرح راستے میں ہی ڈبو دیا جائے۔ اس کے بعد مصر کی ایک آب دوز اس مشن پر روانہ کی گئی مگر اسرائیلی پہلے ہی سے چوکس ہو چکے تھے۔ انہوں نے حفاظت کے لئے دو جنگی جہاز بھیج دیے تھے۔ لہٰذا مصری آب دوز کو واپس لوٹنا پڑا۔

فرانس کے میراج طیاروں نے ان کشتیوں پر کئی بار نیچی پروازیں کیں، سوویت یونین سے کئی بحری جہازوں نے انکی تصویریں اتاریں اور تھوڑی دیر اسکے اردگرد چکر لگا کر انہیں ڈرانے کی کوشش بھی کی۔

قبرص کے قریب تو ایک روسی جہاز اسرائیلی کشتی کے اتنے قریب آ گیا تھا کہ خوفناک تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا۔ میزائیل بوٹس جونہی اسرائیل کے قریب پہنچی تو اسرائیلی ائرفورس کے جنگی طیارے جو پہلے ہی سے فضا میں گردش کر رہے تھے۔ اب کشتیوں کے اردگرد پرواز کرنے لگے Ezrakedem نے بعد میں کہا کہ اس نے جونہی اسرائیلی طیاروں کو دیکھا تو اس کے دل میں تحفظ کا احساس بیدار ہوا۔ کچھ دنوں بعد جب یہ کانوائے حیفہ کی بندرگاہ پہنچا تو لوگوں نے اس کا والہانہ استقبال کیا۔

پیرس میں اس کا ردعمل اتنا جذباتی نہیں تھا مگر نیوی کے دو فور سٹار جرنیل جنہوں نے نارویجن فرم کے ہاتھ ان کشتیوں کی فروخت کی منظوری دی تھی کو اپنی نوکریوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ایڈمرل Limon کو فرانس سے فوراً نکل جانے کا حکم دیا گیا اس نے جاتے ہوئے کوئی سرکاری بیان دینے سے انکار کر دیا تاہم ائرپورٹ کے لاؤنج میں ایک اخبار والے نے جب ان سے دریافت کیا "سر کیا آپ نے کبھی اس قسم کے میزائیل بردار کشتی کی کمان کی ہے" ؟ Limon نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا "بالکل نہیں" "یہ میرے لئے بے حد چھوٹی ہے۔ ویسے مجھے تیل کی تلاش میں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔"

ویسے چربوغ کے متعدد اعلیٰ نیول حکام نے درپردہ اسرائیلیوں کی بہت مدد کی تھی۔ یہ تاثر قطعی طور بے بنیاد ہے کہ موساد نے یہ سب کچھ انتہائی رازداری میں سرانجام دیا۔

چربوغ کے ایک باشندے کو اسرائیلیوں سے سخت گلہ تھا اور وہ اس کیفے کا مالک تھا جہاں اسرائیلی سیلروں نے کرسمس ڈنر کیلئے بکنگ کی تھی۔

74 افراد کا کھانا تیار ہو چکا تھا مگر نہ تو کوئی اسے کھانے آیا اور نہ ہی کسی نے رقم ادا کی لیکن اس کا غصہ دو ہفتے بعد خود بخود ٹھنڈا پڑ گیا۔ جب اسرئیل سے ایک لفافے میں چیک آیا جس کے ساتھ ایک معذرت نامہ بھی تھا۔

اگرچہ کیفے کے مالک کو کبھی پتہ نہیں چلا کہ وہ چیک موساد کے ہیڈ کوارٹر میں سائن ہوا تھا۔

کیا آپ کتاب چھپوانے کے خواہش مند ہیں؟

اگر آپ شاعر مصنف موئلف ہیں اور اپنی کتاب چھپوانے کے خواہش مند ہیں تو ملک کے معروف پبلشرز "علم و عرفان پبلشرز" کی خدمات حاصل کیجئے، جسے بہت سے شہرت یافتہ مصنفین اور شعراء کی کتب چھاپنے کا اعزاز حاصل ہے۔ خوبصورت دیدہ زیب ٹائٹل اور اغلاط سے پاک کمپوزنگ، معیاری کاغذ، اعلیٰ طباعت اور مناسب دام کے ساتھ ساتھ پاکستان بھر میں پھیلا کتب فروشی کا وسیع نیٹ ورک۔ کتاب چھاپنے کے تمام مراحل کی مکمل نگرانی ادارے کی ذمہ داری ہے۔ آپ بس مسٹر (مواد) دیجئے اور کتاب لیجئے

خواتین کے لیے سنہری موقع سب کام گھر بیٹھے آپ کی مرضی کے عین مطابق

ادارہ علم و عرفان پبلشرز ایک ایسا پبلشنگ ہاؤس ہے جو آپ کو ایک بہت مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے کیونکہ ادارہ ہذا پاکستان کے کئی ایک معروف شعراء/مصنفین کی کتب چھاپ رہا ہے جن میں سے چند نام یہ ہیں

عمیرہ احمد	ماہ ملک	فرحت اشتیاق	رخسانہ نگار عدنان	قیصرہ حیات	انجم انصار
نازیہ کنول نازی	نگہت عبداللہ	رفعت سراج	نبیلہ عزیز	نگہت سیما	میمونہ خورشید علی
اقراء صغیر احمد	ہاشم ندیم	طارق اسماعیل ساگر	ایم۔اے۔راحت	افتخار ساجد	شیما مجید (تحقیق)
محی الدین نواب	علیم الحق حقی	امجد جاوید	جاوید چوہدری	ایس۔ایم۔ظفر	

مکمل اعتماد کے ساتھ رابطہ کیجئے۔ علم و عرفان پبلشرز، اُردو بازار لاہور ilmoirfanpublishers@yahoo.com

منسٹر آف ڈیتھ

(Minister of Death)

تیئس مئی ۱۹۶۰ء کو یروشلم کی گلیوں اور بازاروں میں خبر گرم تھی کہ شام کو وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان پارلیمنٹ (Knesset) کے ایک اہم اجلاس میں کوئی اہم انکشاف کرنے والے ہیں۔ لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ وزیراعظم آخر کیا کہنے والا ہے۔

اسرائیلی پارلیمنٹ کا اسمبلی ہال مقررہ وقت سے پہلے ہی لوگوں سے کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ شام کے ٹھیک چار بجے جب بن گوریان ڈائس پر نمودار ہو تو ہال میں ایک دم ایسی خاموشی چھا گئی جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

چند لمحوں بعد اس نے اپنے ماتھے پر گرے ہوئے برف جیسے سفید بالوں کی لٹ کو ہٹاتے ہوئے مائیک پر تقریر شروع کی

" I have to inform the Knesset that a short time ago one of the greatest Nazi w criminal, Adolf Eichmann who together with other Nazi Leaders collaborated in so-called "final solution" of Jewish qestion, namely the extermination of six mil European jews was found by the Israeli secret service He is already under arrest Israel and he will shortly be brought to trial in Israel under the Nazi Collabora (Punishment) Law of 1950"

اس دھماکہ خیز انکشاف کیساتھ ہی پورا ہال مسلسل کئی منٹ تک تالیوں کے بے ہنگم شور سے گونجتا رہا، اور دوسرے ہی لمحے یہ خبر دنیا کہ ہر زبان کے اخباروں میں شہ سرخی بن چکی تھی۔

اس رات باوجود زبردست کوشش کے، اخباری نمائندے اس سلسلے میں وزیراعظم تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔

آخر انہوں نے اسرائیلی پولیس کے سربراہ سے التجا کی کہ وہ ایڈولف ایشمین کی گرفتاری کے بارے میں تفصیلات بتائے کہ وہ کیسے اور کہاں سے پکڑا گیا اور پھر اسے اسرائیل کیسے لایا گیا وغیرہ۔ پولیس آفیسر نے اخباری نمائندوں کے سب سوالوں کا جواب دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔ "ایشمین جہاں سے بھی گرفتار ہوا ہے اس کے متعلق ہم ابھی کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ ایشمین نے ہم سے درخواست کی ہے ان تفصیلات کو منظر عام پر نہ لایا جائے کیونکہ اس سے اسکی بیوی بچوں کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

ایڈولف ایشمین ۱۹۰۶ء میں جرمنی کے ایک شہر میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں وہ اپنے والدین کے ہمراہ آسٹریا منتقل ہوا جہاں اس کے باپ نے ایک کمپنی میں بطور کلرک ملازمت اختیار کی۔ ایشمین سکول کے زمانے میں کوئی ذہین طالب علم نہیں رہا تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ ایک ٹیکنیکل سکول سے ڈراپ کیا گیا تو اس نے ایک آئل کمپنی میں بطور سیلز مین نوکری شروع کی۔

۱۹۳۲ء میں اس نے جرمن سیکرٹ پولیس گستاپو (Gestapo) جوائن کر کے ایک نیا کیریئر شروع کیا۔ وہ ترقی کرتے کرتے کرنل کے عہدے پر پہنچا۔

جرمنی میں یہودیوں کے خلاف نفرت کی تاریخ بیسویں صدی میں شروع ہوئی تھی مگر ہٹلر کے برسراقتدار آتے ہی اس میں انتہائی شدت پیدا ہو گئی۔

۱۹۳۱ء میں یہودیوں کی مردم شماری کر کے انہیں باقی جرمن شہریوں سے الگ مختلف علاقوں میں منتقل کر دیا گیا۔

شہر کے ان محلوں کو جہاں یہودیوں کو رہنے پر مجبور کیا گیا Ghetto کہا جاتا تھا۔

یہودیوں کی شناخت کیلئے گورنمنٹ نے حکم جاری کیا کہ چھ سال سے اوپر عمر والے تمام یہودی مرد اور عورتیں اپنے گلے میں پیلے رنگ کا چھ کونوں والا ستارہ (Star of David) پہنے۔ وہ اپنے مخصوص محلوں سے بغیر سپیشل پاس کے کہیں نہیں جا سکتے تھے۔ شام کے بعد تو ان جگہوں میں مکمل کرفیو نافذ کر دیا جاتا تھا اس کے بعد ایک اور اعلان ہوا کہ یہودی پبلک ٹرانسپورٹ اور ٹیلیفون استعمال نہیں کریں گے۔

۱۹۴۲ء میں ہٹلر کی حکومت نے منظم طریقے سے یہودیوں سے تمام برقی آلات ٹائپ رائٹرز اور بائی سائیکلیں چھین لیں۔ دکانداروں کو تنبیہ کی گئی کہ وہ ان یہودیوں کے ہاتھ گوشت، انڈے، دودھ اور مچھلی وغیرہ ہرگز فروخت نہ کرے۔ ستمبر ۱۹۳۹ء میں جب ہٹلر نے پولینڈ پر چڑھائی کی تو تمیں لاکھ یہودی نازیوں کے رحم و کرم میں آئے انہوں نے وارسا اور اردگرد کے شہروں میں بڑے بڑے Concentration Camps بنائے جہاں ان یہودیوں کو زبردستی ٹھونسا گیا ان کیمپوں کے اردگرد بڑی بڑی دیواریں چنوا دی گئی کیمپ کے چاروں طرف مسلح جرمن گارڈز متعین ہوئے اس دوران گورنمنٹ نے ایک اور قانون نافذ کیا جس کی رو سے ایک شخص کا اگر دادا یا پردادا بھی یہودی گزرا ہو تو وہ بھی یہودی کہلائے گا اگرچہ اسکا موجودہ مذہب جو بھی ہو۔ جوں جوں جرمن فوجیں یورپ کو روندتی گئی تو وہاں کے یہودیوں کے برے دن آتے گئے۔

ایڈولف ایشمین انہی دنوں گستاپو کے Jewish Section کا انچارج مقرر ہوا۔ ویسے نازیوں نے پولینڈ پر حملے سے بہت پہلے ہی یہودیوں کے خلاف ایک منظم کارروائی شروع کر دی تھی۔ گورنمنٹ نے یہودیوں کے خلاف پہلا سوشل بائی کاٹ یکم اپریل ۱۹۳۳ء میں شروع کیا۔ اخباروں اور اشتہاروں کے ذریعے لوگوں سے اپیل کی گئی کہ وہ یہودی دکانداروں، وکیلوں اور ڈاکٹروں کا مکمل بائیکاٹ کریں۔ اکثر جرمن باشندوں نے حکومت کی اپیل کا مثبت جواب دیتے ہوئے وہی کچھ کیا۔ سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں سے بڑی تعداد میں یہودی طلباء کو بغیر کسی وجہ کے نکالا جانے لگا۔ ۱۹۳۵ء میں Nuremberg Laws کے نفاذ کے ساتھ ہی یہودیوں کے ساتھ شادی بیاہ کرنا خطرناک جرم قرار دیا گیا۔ اس قانون کا مقصد خالص جرمن نسل کی برتری ثابت کرنا تھا۔ صرف ۱۹۳۶ء میں جب اولمپک گیمز جرمنی میں منعقد ہوئے تو ہٹلر نے دنیا کو دکھانے کیلئے

(Anti-Semitic Policy) میں کچھ ماہ کیلئے نرمی کی۔ ۱۹۳۷ء سے کسی بھی یہودی صنعت کار کی کمپنی بغیر کسی قانونی جواز کے بند کر دی جاتی تھی۔

۹ جون ۱۹۳۸ء کو میونخ کے سب سے بڑے یہودی عبادت خانے (Synagogue) کو گورنمنٹ نے ہزاروں تماشائیوں کے سامنے بلڈوز کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے شہروں میں بھی یہی عمل دہرایا گیا۔ اسی سال ایک اور قانون کے مطابق یہودیوں کو پاسپورٹ کی سہولت سے محروم کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد جرمنی میں صدیوں سے مقیم پولش نسل کے سترہ ہزار یہودیوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔

۱۹۳۹ء کے آغاز میں گورنمنٹ نے یہودیوں سے تمام قیمتی اشیاء چھیننا شروع کی۔ گرمیوں میں رات ۹ بجے و سردیوں میں ۸ بجے کے بعد کسی یہودی کو اپنے گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔

۲۰ جنوری ۱۹۴۲ء کو ہٹلر نے جرمنی میں ایک اہم کانفرنس طلب کی جس میں ایڈولف ایشمین سمیت کابینہ کے ۱۵ اہم شخصیات نے شرکت کی۔ یہ سپیشل اجلاس بعد میں (Wansee Conference) کے نام سے مشہور ہوا اس کانفرنس میں فیصلہ ہوا کہ یورپ کے ۳۴ ممالک میں بکھرے ہوئے ۱۱ ملین یہودیوں کو اکٹھا کر کے ان کا "Final Solution" (آخری حل) نکالا جائے یعنی انہیں یکسر صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ یہودیوں کے قتل عام کیلئے نازی اکثر طنزیہ اصطلاحات استعمال کرتے تھے۔ جیسے Final Solution, Liquidation, Special treatment, extermination, Re-settelment وغیرہ وغیرہ۔

اس کانفرنس میں متفقہ فیصلہ ہوا کہ یورپ کو یہودیوں سے مکمل طور پر پاک بر اعظم بنایا جائے گا۔ ہٹلر کے اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ایڈولف ایشمین کو اس کا Chief Executor مقرر کیا گیا۔ اس کے ساتھ وعدہ کیا گیا کہ جنگ میں جرمنی کی فتح کے بعد اسے Bohemia میں بہت بڑی جاگیر عطا کی جائیگی اور ساتھ ہی اسے Jewish affairs کا ورلڈ کمیسار (World Commissar) بنا دیا جائیگا۔ ایڈولف ایشمین اس کے بعد دن رات "Final Solution" کو تیزی سے مکمل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے موت کو باقاعدہ انڈسٹری بنا کر پیش کیا اسکے قائم کردہ ڈیتھ فیکٹریوں کی یومیہ پیداوار بیس بیس ہزار یہودیوں کی لاشیں تھیں۔

ایشمین نے یورپ کے مختلف ممالک سے جن پر جرمن فوجیں قبضہ جما چکی تھی، یہودی خاندانوں کو ٹرینوں میں لاد کر، نئی پولینڈ منتقلی شروع کیں۔ ان ملکوں میں فرانس ہنگری، سلواکیہ، ہالینڈ، ناروے، یونان اور اٹلی وغیرہ شامل تھے۔ ان کے لئے پولینڈ میں Auschwitz کے مقام پر دنیا کا سب سے بڑا Concentration Camp قائم کیا گیا۔ اس میں بیک وقت لاکھوں قیدیوں کے رکھنے کی گنجائش تھی۔ اس کیمپ کے ارد گرد ایک اونچی دیوار جس پر بجلی کی تاریں لگی ہوئی تھی بنائی گئی۔ ہزاروں یہودیوں کو لے کر جب ٹرین وارسا پہنچی تو اسٹیشن ہی پر ان کی گنتی کا کام شروع ہو جاتا عمر اور جنس کے حساب سے نئی درجہ بندی کر دی جاتی۔ کمسن بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کو علیحدہ کر لیا جاتا اور بعد میں انہیں ٹرکوں میں لاد کر ایک ویران جنگل میں گولیوں سے اڑا دیا جاتا، جبکہ کام کرنے کے قابل مرد اور عورتوں کو کیمپ میں قائم جنگی ساز و سامان پیدا کرنے والی فیکٹریوں میں لگا دیا جاتا۔ ایک کیمپ کمانڈر ان افراد کو واضح کر دیتا کہ اگر وہ فرار ہونا چاہے تو وہ صرف ایک راستے سے ہو سکتے ہیں اور وہ کیمپ میں قائم آتشی بھٹیوں کی چمنیاں ہیں مطلب یہ کہ وہ جل مر کر دھوئیں میں تبدیل ہو کر ہی آزاد ہو سکتے ہیں۔

ایشمین نے اس جتمائی قتل عام کے بارے میں اپنی ایک ڈائری میں کچھ یوں ذکر کیا

" It was really terrible but quite necessory. Anyhow the Fuhrer (Hitler) ordered it and did not have anything to do with the annihilation. I was not a killer but a man w executed orders I did the same thing as an Allied Transport Officer did when tranfered bombs to the air-field without knowing if those bombs would be dropped troops or on bridge or woman and children"

ایڈولف ایشمین عموماً یہودیوں کے قتل عام کے وقت خود موجود رہتا تھا اس قسم کے ایک اور واقع کے متعلق وہ لکھتا ہے ۔

اس روز انتہائی سخت سرد اور کہرآلود موسم تھا ہم ۱۵۰ یہودیوں کو جن میں بچے، بوڑھیں۔ مرد اور عورتیں شامل تھیں ایک ویرانے میں لے گئے وہاں ایک بہت بڑی جتمائی قبر پہلے ہی سے کھودی گئی تھی۔ قیدیوں کو پہلے مکمل برہنہ کر کے انہیں سخت سردی میں ٹھٹھرنے دیا گیا پھر سب کو قبر میں اترنے کو کہا گیا وہ لوگ اس قدر بے حس ہو چکے تھے کہ ان میں سے کسی نے بھی مزاحمت نہیں کی اچانک میری نظر ایک نوعمر لڑکی پر پڑی جس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ تھا۔ وہ لڑکی بچہ میری طرف کھسکا کر منت ساجت کر رہی تھی کہ اسے بچا لو میں اس منظر کو دیکھ کر بے حد اداس ہوا میں نے آگے بڑھ کر اس سے بچہ لینا چاہا مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ ہماری کمانڈوز نے ان پر مشین گن کے برسٹ شروع کر دیے تھے کچھ گولیاں اس بچے کے سر پر لگی جن سے اُس کا دماغ اڑ کر میرے کوٹ کو آلودہ کر گیا۔ اس کے بعد میں فوراً اپنے ڈرائیور کے ہمراہ وہاں سے چلا گیا۔ گھر پہنچ کر میں نے وہ خون آلود کوٹ دھلائی کے لئے دیا اس کے بعد میں نے اعلیٰ حکام سے درخواست کی کہ قیدیوں کو ختم کرنے کے لئے کوئی دوسرا مہذب طریقہ اپنایا جائے۔ حکومت نے گولیوں سے قتل عام کا طریقہ واقعی بعد میں ترک کر دیا کیونکہ جنگ میں ایمونیشن کی سخت ضرورت تھی نازی کیسٹوں نے اسکے بجائے ایک اور نہایت ارزاں اور آسان طریقہ متعارف کروایا۔

ہر کیمپ میں بڑے بڑے Gas Chambers قائم کئے گئے۔ جن میں بیک وقت پندرہ ہزار قیدیوں کو بند کر کے Cyclone-B گیس چھوڑ دی جاتی تھی۔ یہ گیس اس قدر خوفناک تھی کہ محض چند سیکنڈ میں وہ تمام کے تمام قیدی دروازوں اور کھڑکیوں پر ماتیں اور گھونسے برساتے اور چیخنے چلانے لگتے تھوڑی دیر بعد معاً ٹھنڈا ہو جاتا اس کے ٹھیک ۲۵ منٹ بعد برقی پمپوں کے ذریعے ان چیمبرز سے زہریلی گیس کھینچ لی جاتی پھر قیدیوں کا ایک گروپ لوہے کے کھنڈوں کے ذریعے لاشوں کو باہر گھسیٹ لیتے پھر ان لاشوں کی تلاشی کے دوران سونے کے دانت نکال لئے جاتے قیدیوں کو گیس چیمبر میں دھکیلنے سے پہلے انہیں مکمل برہنہ کر دیا جاتا تھا ان سے تمام قیمتی اشیاء چھین کر کیمپ کے سٹور میں جمع کر دی جاتی تھیں۔ آش وز کیمپ میں اس قسم کے پانچ بڑے بڑے گیس چیمبرز بنائے گئے تھے۔ دوسرا مرحلہ ان لاشوں کے ڈسپوزل disposal کا ہوتا تھا۔ اس کے لئے پانچ آتشی بھٹیاں بنائی گئی تھی۔ یہاں پہلے لاشوں کو چیر کر گرم کیا جاتا جس سے ان کی چربی پگھل کر بڑے بڑے برتنوں میں جمع ہو جاتی یہ چربی بعد میں صابن کی صنعت میں استعمال کی جاتی تھی پھر تمام لاشوں کو بھڑکتی آگ کے حوالے کر دیا جاتا۔ ایک آتشی بھٹی دن میں 17280 لاشوں کو

راکھ بناتی ۔ راکھ بعد میں دریا برد کر دی جاتی ۔ پھر ہڈیوں کو اکٹھا کر کے ایک Grinding machine میں باریک پیس لیا جاتا تھا پھر اس سے زرعی کھاد بنائی جاتی تھی ۔اسی کھاد کے متعلق ایک کیمپ کمانڈر نے اپنی ڈائری میں لکھا۔اس کھاد کے استعمال سے میرے کھیتوں میں گندم کی پیداوار جرمنی بھر میں سب سے زیادہ ہوئی ہے۔

ہلاکت کا ایک اور طریقہ " Ride in Death Car " کہلاتا تھا اس کے متعلق بھی ایشمین نے اپنی ڈائری میں لکھا۔ 100 کے قریب قیدیوں کو ایک بڑے ٹرک کے کیبن میں بٹھایا گیا وہ سمجھے کہ انہیں کسی کیمپ میں منتقل کیا جا رہا ہے ٹرک کے دروازے خود بخود بند ہو گئے ۔میں ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پھر ڈرائیور نے ٹرک سٹارٹ کیا اور ایک سڑک پر چلنے لگا میں نے مڑ کر کیبن کے شیشے میں دیکھا قیدی آرام سے اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ڈرائیور نے ایک بٹن دبا دیا جس سے قیدیوں کے کیبن میں ایک مہلک گیس چھوٹنا شروع ہوئی میں نے دیکھا وہ تمام قیدی بری طرح چیخنے لگے پھر تڑپنے لگے۔ پندرہ منٹ بعد جب ٹرک ایک آتشی بھٹی کے قریب کھڑا ہوا، تو تمام قیدی دم توڑ چکے تھے۔

مئی ۱۹۴۳ء میں ایڈولف ایشمین نے اجتماعی قتل عام کے تمام شواہد اور نشانات مٹانے کا حکم دیا کیونکہ کثیر بڑی بڑی قبروں کو سرسری طور پر مٹی سے بھر کر چھوڑ دیا گیا تھا وہ تمام قبریں دوبارہ کھود کر لاشوں پر تیز کیمیائی مادے اور تیزاب ڈال کر انہیں گلایا گیا حتیٰ کہ وہ مکمل طور پر تحلیل ہو گئیں۔

انہی ایام میں آش وز کے کیمپ میں ایڈولف ایشمین نے وبائی امراض پر قابو پانے کیلئے Josef Mangle نامی ایک ڈاکٹر کو مقرر کیا ڈاکٹر Josef Mangle نے ۱۹۳۵ء میں میونخ سے ڈاکٹری پاس کرنے کے بعد بشریات میں پی ایچ ڈی کی۔وہ Genetics میں بے حد دلچسپی رکھتا تھا بعد میں اس نے اپنا سیاسی کیریئر شروع کر کے نازی پارٹی کی رکنیت حاصل کی جوزف مینگل بھی شدید ترین anti-semetic (یہودی مخالف) نظریات رکھتا تھا۔

۱۹۴۳ء میں آش وز کیمپ میں ٹائیفائیڈ کی وبا کو کنٹرول کرنے کیلئے ڈاکٹر جوزف نے ہزاروں افراد کو مروایا حالانکہ انہیں انفیکشن سرے سے ہوا نہیں تھا۔ایک دفعہ خورک کی شدید کمی ہوئی تو اس نے چار ہزار عورتوں کو ہلاک کر کے اس پر قابو پایا۔جوزف چونکہ ماہر جینیات تھا لہٰذا اسے Race and Resettlement سیکشن کا سربراہ مقرر کیا گیا۔اس شعبہ میں یہودیوں کی نسلیاتی چھان بین کی جاتی تھی۔ اگر کسی شخص کی چھٹی یا ساتویں پشت میں دادا پردادا یہودی رہا ہو تو اسے یہودیت کا سرٹیفکیٹ دے کر آش وز روانہ کر دیا جاتا تھا۔

ڈاکٹر جوزف نے کیمپ کے ہزاروں بچوں پر اپنے سائنسی تجربات کئے ان میں زیادہ تر جوڑواں (twins) بچے تھے۔ تجربات کے دوران ڈاکٹر جوزف ان بچوں کو بڑے اطمینان کے ساتھ چیر پھاڑ دیتا تھا۔ایک بار اس نے پچاس کے قریب بچوں کی آنکھوں کا رنگ بدلنے کے لئے بذریعہ سرنج ان کی آنکھوں میں مصنوعی رنگ ڈالنے کی کوشش میں ان سب کی آنکھوں کو اندھا کر دیا تھا۔ڈاکٹر جوزف پر کبھی کبھار تو ایسی جنونی کیفیت طاری ہو جاتی تھی کہ اپنے ہاتھوں سے بچوں کا گلا دبا کر انہیں ہلاک کر دیتا تھا۔

۱۹ جنوری ۱۹۴۵ء کو جب روسی فوجیں آش وز (پولینڈ) پہنچیں تو جرمن فوجی اپنی جان بچا نے ادھر ادھر فرار ہونے لگے ڈاکٹر جوزف بھی اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ ایک کار میں فرار ہو گیا۔اس نے کار میں اپنے تجربات کا پورا ریکارڈ ساتھ رکھا تھا۔اس دن کے بعد وہ کبھی نظر نہ آیا جنگ کے

خاتمے کے بعد امریکیوں نے اسے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر اس کا کہیں سراغ نہ ملا۔

جنگ عظیم دوم کے اختتام تک ایڈولف ایشمین کی نگرانی میں بقول اسرائیلی اعداد و شمار ساٹھ لاکھ کے قریب یہودی "Final Solution" کے بھینٹ چڑھے۔

ایشمین نے ایک روز بڑے فخر سے کہا:

" I will jump into my grave laughing because I have the death of five million Jews my concience, which gives me extraordinary satisfaction "

جرمن فوجوں کی پے در پے شکست کے بعد ایشمین کو یقین ہو گیا تھا کہ ہٹلر کا ایک وسیع جرمن سلطنت کا خواب کبھی پورا نہیں ہو سکے گا۔ ورنہ ہٹلر نے تو دعویٰ کیا تھا کہ وہ جس جرمن سلطنت کی بنیاد رکھنے والا ہے وہ ایک ہزار سال تک قائم رہے گی۔ جوں جوں اتحادی فوجوں کی پیش قدمی بڑھتی گئی جرمن فوجیں ہر محاذ پر پسپا ہوتی گئیں۔ ہٹلر کے تمام ساتھی یا تو مارے گئے یا زیر زمین روپوش ہو گئے۔ ادھر روسی فوجیں جب ہالینڈ پر چڑھ دوڑیں تو آشوز کیمپ کے نگران عجلت میں باقی قیدیوں کا صفایا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ایڈولف ایشمین کا آشوز کیمپ کے کمانڈر کو ایک آخری سرکاری حکم نامہ ملا جس میں لکھا ہوا تھا

" No one will walk out of Auschwitz.There is only one way they will leave through the Chimney"

ایشمین نے گسٹاپو (سیکرٹ پولیس) کا تمام خفیہ ریکارڈ ضائع کرنا شروع کیا۔ اس نے جرمن جیوی انڈسٹری میں بیگار کرنے والے یہودیوں کو چار ٹرینوں میں لاد کر آشوز بھیجنے کی کوشش بھی کی مگر روسیوں کی پیش قدمی اس قدر تیز تھی کہ وہ ٹرینیں کبھی اپنی منزل پر نہ پہنچ سکیں۔

اس نے آخری مرتبہ اپنے سٹاف کو اپنے دفتر میں بلایا مسلسل کئی راتوں کی بے خوابی سے اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اس نے اپنے تمام ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو جائیں ورنہ اتحادی انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اسکے بعد اس نے تمام ساتھیوں سے ہاتھ ملا کر انہیں رخصت کیا۔

ایشمین کچھ دیر اپنے کمانڈنٹ کے ساتھ باتیں کرتا رہا باہر اس کے لئے سٹاف کار تیار کھڑی تھی لیکن وہ دفتر کے پچھلے دروازے سے نکل کر رات کی تاریکی میں گم ہو گیا۔ اور وہ آئندہ پندرہ سال تک لاپتہ رہا۔

ایڈولف ہٹلر نے اپنی ذات اور ساتھیوں کی حفاظت کیلئے ایک خصوصی کمانڈو یونٹ بنائی تھی جسے ایس ایس S S کے نام سے جانا جاتا تھا۔ شروع شروع میں یہ دو ہزار افراد پر مشتمل فورس تھی۔ جو بڑھتے بڑھتے 25 لاکھ افراد تک پہنچ گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ایس ایس کے فرائض میں ہٹلر اور اسکے ساتھیوں کی حفاظت کے علاوہ اسپیشل ٹاسک شامل کیے گئے جن میں ملکی دفاع اور براعظم یورپ سے تمام یہودی نسل کو ختم کرنا تھا۔

اسکے کئی شعبے تھے جن میں Gestapo (سیکرٹ پولیس) اپنی خوفناک سرگرمیوں کی وجہ سے تاریخ میں بے حد مشہور ہوگئی۔ ایس ایس میں تمام افراد کے بازوں پر سکا بلڈ گروپ اور ایس ایس نمبر کھدا ہوتا تھا۔

ہٹلر کے خوفناک عزائم کی تکمیل میں ایس ایس نے جنگ عظیم دوئم میں قریباً چودہ ملین انسانوں کو براہ راست یا بلواسطہ مروایا جن میں ساٹھ لاکھ تو صرف یہودی تھے اسکے علاوہ پچیس لاکھ روسی، بیس لاکھ پولش باشندے، دو لاکھ پچیس جرمن اور آسٹرین کو ہلاک کیا۔

جنگ کے خاتمے سے پہلے ہی ایس ایس کے اعلیٰ عہدیدار زیر زمین چلے گئے وہ جاتے جاتے اپنے ساتھ بھاری مقدار میں سونا اور کرنسی بھی لے گئے۔ ایس ایس کے افراد نے یہ دولت یورپ کے مختلف بینکوں میں فرضی ناموں کے ساتھ محفوظ کر لی۔ وہ جعلی کاغذات کے ذریعے دنیا کے مختلف ممالک میں سرایت کر گئے۔

جب اتحادیوں نے جرمنی پر قبضہ کیا تو ایس ایس کے تمام اعلیٰ حکام روپوش ہو چکے تھے۔ جرمنی سے فرار ہونے سے پہلے ہی ایس ایس کے اعلیٰ عہدیداروں نے ایک خفیہ تنظیم ODESSA کے نام سے بنائی۔ اوڈیسہ Odessa جرمن زبان کے کچھ الفاظ کا مخفف تھا۔ جسکے معنی "Organization of former member of S S." تھا۔ اس تنظیم نے ہزاروں سابقہ نازیوں کو جو اتحادیوں کو جنگی جرائم کے سلسلے میں مطلوب تھے یورپ سے جنوبی امریکہ اور مشرق وسطیٰ خفیہ طور پر منتقل کیا۔

Odessa کے جنوبی امریکہ، مصر، شام اور عراق میں خفیہ مراکز تھے جو ان سابقہ نازیوں کو ان ملکوں میں جانے کیلئے استعمال ہوتے تھے۔ ارجنٹینا کے صدر نے خفیہ ذرائع سے اوڈیسہ کو سات ہزار ارجنٹینی پاسپورٹ بھیجے تاکہ اہم نازی افراد اسکے ذریعے پولیس آئرز پہنچ سکے اوڈیسہ نے لاکھوں جرمن مارک اور سونا سمگل کر کے بینکوں میں محفوظ کر لیا تھا۔ ایڈولف ایشمین نے بھی اس تنظیم کے ساتھ رابطہ کیا ایشمین اور اسکے دو قریبی ساتھیوں کو اس تنظیم نے روم سمگل کر دیا جہاں ایشمین نے ایک مسیحی خانقاہ میں پناہ لی اس خانقاہ نے یہودیوں، نازیوں اور عیسائیوں کو بیک وقت پناہ دی تھی۔ خانقاہ کی پالیسی تھی کہ جو بھی پناہ مانگے اسے بلا کسی نسلی تفریق کے پناہ دے دی جائے۔ کچھ دنوں بعد اوڈیسہ نے ایشمین کو سفر کے جعلی کاغذات مہیا کئے۔ جسمیں اسکا نیا نام Ricardo Klementt درج تھا۔ اس کے بعد ایشمین کے لئے ویٹی کن (Vetican) سے ریفیوجی پاسپورٹ بنوایا گیا۔ ویٹی کن ان دنوں انٹرنیشنل ریڈ کراس کے ساتھ شانہ بشانہ کام کر رہا تھا۔ ایشمین اسی پاسپورٹ پر اٹلی سے دمشق روانہ ہوا کیونکہ وہاں سابقہ نازیوں کا بڑا پرتپاک خیر مقدم ہو رہا تھا۔ دمشق پہنچ کر اس نے اپنی بیوی Veronica کو ایک خط لکھا۔ جس میں اس نے لکھا کہ وہ یہ افواہ پھیلا دے کہ وہ جنگ کے آخری ایام میں مارا گیا تھا۔ ویرونیکا نے بالکل ویسے ہی کیا اس دعوے کو مزید تقویت دینے کیلئے ویرا ایشمین ڈسٹرکٹ کورٹ گئی جہاں اس نے باقاعدہ حلفیہ بیان دیا کہ اس کے شوہر کو چھ مئی ۱۹۴۵ء میں پراگ میں امریکیوں نے گولی ماری دی تھی۔ ڈسٹرکٹ جج نے اسکی تصدیق کر کے ایشمین کا کیس ہی ختم کر دیا تھا۔ دمشق میں ایشمین نے اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ اسلحہ بیچتے تھے۔ وہ آسٹریلیا، جرمنی، چیکوسلواکیہ اور پولینڈ سے خفیہ طور پر اسلحہ خرید کر عربوں کے ہاتھ بیچتے۔ یہ کاروبار بھی دراصل اوڈیسہ کے زیر سرپرستی چل رہا تھا۔

ایشمین نے دو سال دمشق میں گزارے اس دوران وہ اپنی بیوی کو برابر خط بھیجتا رہا۔ مگر امریکی اور جرمن انٹیلی جنس ان خطوط سے اسکا نہ

پتہ معلوم نہیں کر سکے کیونکہ ایشمین ہمیشہ خفیہ کوڈ میں لکھ کرتا تھا اور فرضی نام استعمال کرتا آخر وہ دمشق سے Genoa گیا جہاں اس نے ارجنٹینا کے سفارت خانے میں ویزے کیلئے اپنا پاسپورٹ جمع کرایا۔ جون ۱۹۵۰ء میں اسے ویزا جاری کیا گیا اور وہ ایک بحری جہاز کے ذریعے بیونس آئرز روانہ ہوا۔ ۱۴ جولائی ۱۹۵۰ء کو "Ricardo Klement" بیونس آئرز کی بندرگاہ پر اپنے جہاز سے اترا۔ ان دنوں بیونس آئرز میں سینکڑوں نازیوں نے گورنمنٹ کے زیر پرستی پناہ لے رکھی تھی۔ ایشمین کو بھی اپنا مستقبل یہاں محفوظ دکھائی دیا۔ کچھ دنوں بعد ایشمین کو ایک دھات کاری کے کارخانے میں بطور مکینک ملازمت مل گئی وہ ویسے بھی سخت محنتی اور ماہر شخص تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اسے فورمین بنا دیا گیا۔

اگست ۱۹۵۰ء میں اس نے ارجنٹینی شناختی کارڈ کے لئے درخواست دی اس نے فارم میں فرضی کوائف درج کئے

نام	ریکارڈو کلیمنٹ
ولدیت	اینا کلیمنٹ آف آسٹریا
تاریخ پیدائش	23 مئی 1913ء
ازدواجی حیثیت	غیر شادی شدہ
مذہب:	کیتھولک عیسائی
پیشہ:	مکینک

اسی سال اکتوبر میں اسے ارجنٹینی شناختی کارڈ جاری ہوا اور یوں اس نے ایک محفوظ اور آزاد زندگی کا آغاز کیا۔

اب وہ بغیر کسی خوف کے ارجنٹینا کے ہر شہر اور قصبے میں گھوم پھر سکتا تھا۔ تاہم اسے ہمیشہ ایک ڈر رہتا تھا کہ کہیں آشوز کے Concentration Camp سے زندہ بچ جانے والے مہاجر اسے پہچان نہ لے۔ ان دنوں بیونس آئرز میں ہزاروں یہودی مہاجر مقیم تھے۔ جون ۱۹۵۲ء میں ویرا ایشمین اپنے تین بیٹوں (Dieter - Klaus, Horst) کے ہمراہ آسٹریا سے ایک سمندری جہاز میں بیونس آئرز پہنچ کر اپنے شوہر سے جا ملی۔

ایشمین اپنی چھوٹی سی فیملی کے ہمراہ بیونس آئرز کے ایک مضافاتی قصبے میں پرسکون زندگی گزارنے لگا اب وہ اپنے ذاتی مکان میں رہ رہا تھا۔ جو اس نے ویرا کے آتے ہی تعمیر کیا تھا۔ وہ گلی جہاں وہ رہائش پذیر تھا Garibaldi Street کہلاتی تھی۔ اس مکان میں اسکا چوتھا بیٹا ریکارڈو فرانسکو کلیمنٹ پیدا ہوا۔ تاہم ایشمین نے بیونس آئرز میں اپنے قیام کا تمام عرصہ اسی خوف میں گزارا کہ کہیں اسے کوئی پہچان نہ لے اسے کوئی اغوا یا قتل نہ کرے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ زیادہ عرصہ ایک ملازمت میں نہیں گزارتا تھا۔

ایشمین کو ۱۹۵۹ء میں بیونس آئرز میں واقع مرسڈیز بینز فیکٹری میں ایک معقول جاب مل گئی۔ یہاں بھی وہ محنت کرتا ہوا سپروائزر کے عہدہ تک پہنچ گیا۔

1948ء میں اسرائیل کے قیام کے فوراً بعد موساد نے سابقہ نازیوں کی بڑی شدت کے ساتھ تلاش شروع کر دی تھی، جو جنگ کے

خاتمے کے بعد زیادہ تر لاطینی امریکہ اور مشرقِ وسطیٰ میں روپوش ہو چکے تھے۔ موساد اس مشن کو Nazi - Hunt کہتے تھے۔

۱۹۵۲ء میں (Isser Harel) اسر ہیرل اس خفیہ ادارہ کا ڈائرکٹر بنا تو اس نے نازی ہنٹ کو مزید تیز کیا۔ ایشمین کے متعلق اطلاع کہ وہ زندہ ہے اور بیونس آئرز میں آرام سے زندگی گزار رہا ہے ۱۹۵۷ء کے اواخر میں موساد کو ویسٹ جرمن انٹیلی جنس سروس کے ذریعے موصول ہوئی۔ اس اچانک اطلاع کے ملتے ہی اسر ہیرل نے جرمن خفیہ سروس سے رابطہ کیا کہ انہیں یہ خبر کہاں سے ملی ہے۔ جرمن حکام کو دراصل یہ اطلاع بیونس آئرز سے ایک اندھے یہودی وکیل نے دی تھی جو جرمنی سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہوا تھا۔ موساد نے فوراً اپنا ایک کیس آفیسر اس یہودی وکیل کے پاس ارجنٹینا (بیونس آئرز) روانہ کیا۔ وہ اسرائیلی افسر بتائے ہوئے پتہ پر اس شخص کے گھر پہنچا۔ اس نے جرمن حکام کی طرف سے اسے ایک خط دکھایا۔ جس میں اندھے وکیل سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ ایشمین کے متعلق اسے تفصیل سے بتائے۔ لوتھر ہرمین کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ تھی وہ اپنی بیوی اور ایک بیس سالہ بیٹی کے ہمراہ کافی عرصے سے بیونس آئرز میں رہ رہا تھا۔ لوتھر نے اطمینان کے ساتھ اس دریافت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا "دراصل ایشمین کے دریافت میں میری بیٹی کا نہایت اہم رول ہے۔ اٹھارہ ماہ قبل میری بیٹی ایک بیس بائیس سالہ لڑکے کے ساتھ بیونس آئرز میں ملی جو اپنا نام نکولس ایشمین بتاتا تھا۔ آہستہ آہستہ ان دونوں کے درمیان دوستی ہوگئی۔ اسکے بعد وہ میری بیٹی سے ملنے اکثر ہمارے گھر آنے لگا۔ نکولس کو علم نہیں تھا کہ ہم یہودی ہیں۔ یہی وجہ تھی وہ اکثر کھل کر یہودی کے خلاف بولتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ کہنے لگا کہ اچھا ہوتا اگر ہٹلر یہودی نسل کو ہی صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر اس نے بڑے فخر کے ساتھ کہا کہ اسکا باپ جنگ کے زمانے میں جرمن آرمی میں افسر تھا اور اس نے مادرِ وطن کی خوب خدمت کی تھی مجھے اسکے نام اور باتوں سے شک ہو گیا کہ وہ ضرور ایڈولف ایشمین کا بیٹا ہے میں نے فوراً فرنکفرٹ میں اپنے ایک دوست وکیل کو ایک خط میں اپنے شکوک کا اظہار کیا میرے اس دوست نے یہ اطلاع اسی روز جرمن سیکرٹ سروس کو پہنچا دی۔

سیکرٹ سروس نے مجھے ایشمین کی کچھ تصاویر اور حلیہ کے بارے میں تفصیلات بھیجی تاکہ اس کی بناء میں کنفرم کرسکوں کہ واقعی یہ شخص ایشمین ہی ہے۔ حالانکہ میں ابھی تک اس سے ملا نہیں تھا ایک مسئلہ یہ تھا کہ نکولس صرف میری بیٹی سے ملنے ہمارے گھر آتا تھا لیکن وہ کبھی اسے اپنے گھر نہیں لے کر گیا تھا۔ لہٰذہ ہمیں اسکی رہائش گاہ کا بالکل پتہ نہیں تھا۔ جرمن حکام کے ساتھ خط وکتابت کے بعد تو مجھے بے حد تجسس ہو گیا تھا۔ میں اپنی بیٹی کو لے کر بیونس آئرز کے ایک قصبے گیا جہاں بیٹی کو شک تھا کہ ایشمین فیملی وہاں رہتی تھی۔

بیٹی نے اپنے ایک اور دوست سے کہا کہ وہ نکولس کا گھر ڈھونڈنے میں مدد کرے۔ ہم نے آخرکار ایک دروازے پر دستک دی تھوڑی دیر بعد ایک عورت نے دروازہ کھولا تو بیٹی نے جرمن میں پوچھا کہ ایشمین فیملی یہاں رہتی ہے۔ وہ عورت ابھی بولنے ہی والی تھی کہ ایک ادھیڑ عمر آدمی جس نے چشمہ پہن رکھا تھا اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا بیٹی نے اس سے پوچھا کہ نکولس گھر پر ہے اس نے نفی میں صرف سر ہلایا بیٹی نے پھر پوچھا کہ کیا وہ نکولس کے باپ ہے اس پر اُس شخص نے قدرے ہلکلاتے ہوئے جواب دیا کہ ہاں اس کے بعد ہم واپس آگئے لیکن ہم نے چپکے سے انکا پتہ نوٹ کر لیا تھا۔ دوسرے روز موساد کے آدمی نے لوتھر ہرمین کے کہنے پر اس مکان کا ایک خفیہ چکر لگایا۔ مگر اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس مکان میں اب کوئی نئے کرایہ دار آ چکے تھے۔

مارچ ۱۹۶۰ء میں موساد نے اپنا ایک انتہائی ذہین افسر Yousef Kenet کو بیونس آئرز میں ایشمین کیس نپٹنے کیلئے روانہ کیا۔ وہ جونہی بیونس آئرز میں اپنے ہوٹل پہنچا تو اس نے شہر کی ٹیلیفون ڈائرکٹریاں چھاننی شروع کیں لیکن ان میں ریکارڈو کلیمنٹ نامی کسی شخص کا سراغ مل نہ سکا۔ اس کے بعد اس نے اس ایریا کو دوبارہ دیکھا۔ جہاں ریکارڈو کلیمنٹ پہلے رہتا تھا۔ اس نے وہاں رہنے والے کچھ افراد سے پوچھ گچھ کی کہ ریکارڈو کلیمنٹ نامی شخص یہ مکان چھوڑ کر اب کہاں منتقل ہوا ہے ہمسائیوں نے صرف اتنا کہا کہ واقعی یہ شخص یہاں رہتا تھا۔ وہ گھر میں جرمن بولتا تھا اور اس کے تین بیٹے اور ایک بیوی تھی لیکن وہ یہاں سے کچھ عرصے پہلے چلے گئے تھے۔ ہمیں پتہ نہیں کہ وہ اب کہاں رہتے ہیں۔

ان میں سے ایک شخص نے Kenet کو اچانک کہا ہاں میں تو بھول ہی گیا تھا ریکارڈو کلیمنٹ کا ایک بیٹا قریب ہی ایک موٹر ورکشاپ میں کام کرتا ہے آیئے میں آپکو اس سے ملواتا ہوں یہ کہہ کر وہ Kenet کو اس ورکشاپ لے گیا ورکشاپ میں متعدد ٹیکنیشن اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے ایک کونے میں ایک اٹھارہ انیس سال کا سنہرے بالوں والا لڑکا بھی کسی کار کے انجن میں سر جھکائے ہوتا تھا اس شخص نے Kenet کو اشارہ سے بتایا کہ یہی وہ لڑکا ہے Kenet فوراً اسکے قریب گیا اور اسکے ساتھ علیک سلیک کی اس نے لڑکے کو ایک خط دکھاتے ہوئے کہا کہ میں تمہارے والد کے نام ایک خط پہنچانے آیا ہوں لیکن آپ لوگ شائد اس علاقے سے کہیں اور شفٹ ہو چکے ہیں۔ ہاں ہم لوگ اب یہاں نہیں رہتے ہیں لڑکے نے جواب دیا۔ Kenet نے ایک خط اور پارسل دکھاتے ہوئے کہا میں آپکے والد کو ذاتی طور یہ چیزیں دینا چاہتا ہوں لڑکے نے پوچھا کہ کس نے یہ چیزیں بھیجی ہیں Kenet نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ مجھے ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ایک شخص نے دی ہے۔ میں خود اس ہوٹل میں کام کرتا ہوں وہ شخص شاید فارغ نہیں تھا اس لئے اس نے مجھ سے درخواست کی۔ لڑکے نے گھبراتے ہوئے کہا میں پھر بھی آپ سے پوچھوں گا کہ آخر کس نے یہ چیزیں میرے والد کے نام بھیجی ہیں Kenet نے کہا بھئی آپ خط اور پارسل کھول کر دیکھ لیں خود ہی آپ کو پتہ چل جائے گا کہ کس نے بھیجی ہیں ویسے آپ مجھے ساتھ لے جائیں میں خود آپکے والد کو یہ دینا چاہتا ہوں لیکن لڑکے نے کہا کہ نہیں میں خود ہی دوں گا۔

Kenet نے کہا ٹھیک ہے اور یہ کہہ کر وہ جانے کیلئے مڑا۔ جاتے جاتے اس کی نظر پاس کھڑے پرانے ماڈل کی سکوٹر پر پڑی وہ جرمن لڑکا اس پر بیٹھ کر ایک گلی میں غائب ہو گیا اب اس کے پاس ورکشاپ کا پتہ اور جرمن لڑکے کا سکوٹر نمبر تھا۔ یہ لڑکا جس کا نام Dieter تھا ایشمین کا تیسرا بیٹا تھا۔ اب دوسرے مرحلے میں ایشمین کی رہائش گاہ کا صحیح پتہ لگانا تھا وہ ایک چوراہے پر ایک طرف اپنی کار میں انتظار کرنے لگا کیونکہ Dieter ورکشاپ سے چھٹی کر کے اسی راستے سے گزرتا تھا آدھے گھنٹے بعد Dieter اپنے سکوٹر پر وہاں سے جونہی گزرا تو اسرائیلی ایجنٹ نے اسکا پیچھا شروع کیا وہ سان فرنانڈو ایریا میں ایک گلی میں مڑ گیا۔ گلی کے کونے میں ایک تختی پر Garibaldi street لکھا ہوا تھا۔ وہ ایک خستہ سے مکان کے سامنے اپنا سکوٹر کھڑا کر کے اندر گھس گیا۔

موساد کے ایجنٹ نے رات کی تاریکی میں اس مکان کی دیوار پر ہلکی سی نشانی لگا دی اسکے بعد دوسرے ایجنٹ نے مکان کی مختلف زاویوں سے تصاویر اتاریں۔ مکان انتہائی خستہ حالت میں تھا اور بجلی کی سہولت سے بھی محروم تھا۔ دیواروں پر پلاسٹر بھی نہیں ہوا تھا مکان کے قریب ہی ریلوے لائن تھی جو قدرے اونچائی پر تھی۔ ریلوے لائن سے مکان کا اندرونی حصہ بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ انہوں نے ریکارڈو کلیمنٹ کو بھی ایک دن

قریب سے دیکھ لیا تھا وہ نظر کی عینک لگاتا تھا اور اس کے سر کے بال کافی حد تک جھڑ چکے تھے وہ مرسڈیز بینز کی فیکٹری سے بس میں بیٹھ کر ٹھیک شام آٹھ بجے گری بالڈی سٹریٹ کے ایک کونے میں اترتا تھا۔ وہ دو تین سو گز کا فاصلہ پیدل طے کر کے اپنے گھر پہنچتا تھا۔ اسرائیل نے اسکی تمام مصروفیات پر کڑی نگاہ نظر رکھی ہوئی تھی۔ موساد اس پر ہاتھ ڈالنے سے قبل ہر لحاظ سے اطمینان کرنا چاہتی تھی کہ وہ واقعی ایڈولف ایشمین ہے جو جنگی جرائم کے سلسلے میں انہیں مطلوب ہے۔

موساد کے پاس ایشمین کی مکمل فائل موجود تھی یہ فائل انہیں جرمن سیکرٹ سروس نے مہیا کی تھی۔ اکیس مارچ ۱۹۶۰ کو موساد کو پہلا ٹھوس ثبوت ملا کہ یہ شخص واقعی ایشمین ہے۔

فائل کے مطابق اکیس مارچ اسکی شادی کی سالگرہ کا دن تھا یہ دیکھنے کیلئے کہ آج کے دن وہ یہ سالگرہ مناتا ہے کہ نہیں۔ ایک ایجنٹ سر شام ہی اسکے گھر کے قریب چھپ گیا اسی ایجنٹ نے بعد میں اپنی کتاب میں اس واقع کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ میں اندھیرا پھیلتے ہی اس ریلوے لائن پر چڑھ گیا جہاں سے ریکارڈو کلیمنٹ کے مکان کا اندرونی حصہ بخوبی نظر آتا تھا۔ آج مکان میں خاصی روشنی کا انتظام کیا گیا تھا۔ ویرونکا ایشمین نے زرق برق لباس پہنا ہوا تھا۔ پاس ہی اسکا چار سالہ بیٹا ریکارڈو انچل کود میں مصروف تھا۔ شام کے ٹھیک آٹھ بجے فیکٹری کے ملازمین والی بس گلی کے کونے میں رکی اس میں سے صرف ریکارڈو کلیمنٹ ہی اترا اور بس چل پڑی وہ پیدل چلتا ہوا اپنے مکان پہنچا۔ آج اسکے ہاتھ میں پھولوں کا ایک بڑا گلدستہ بھی تھا ویرونیکا نے اسکا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اس نے پھول بیوی کو تھمائے اور خود اپنے چھوٹے بیٹے کو گود میں لے کر پیار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اسکا بیٹا ڈائٹر بھی اپنے سکوٹر پہ آ پہنچا۔ اتنے میں موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور میں سر سے پاؤں تک بھیگ گیا۔ بچہ انچل کود چھوڑ کر اب بڑی معصوم نگاہوں سے بارش کو برستا ہوا دیکھ رہا تھا بچہ بے حد خوبصورت تھا وہ بالکل میرے اس بھانجے کی طرح لگ رہا تھا جو اپنی ماں سمیت آشوز کے گیس چیمبر میں ہلاک ہوگیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گھر سے قہقہوں اور گانے کی آوازیں آئیں وہ شادی کی پچیسویں سالگرہ کا کیک کاٹ چکے تھے۔

اسرائیلی ایجنٹ مسلسل کئی ہفتے پراسرار سایوں کی طرح ایشمین کے پیچھے لگے رہے۔ ایشمین کو اسکا احساس تک نہیں ہوا کہ کوئی اس کی خفیہ نگرانی کر رہا ہے۔ موساد کے ہیڈ کوارٹر نے ایشمین پر ہاتھ ڈالنے کا اصولی فیصلہ کر لیا تھا لیکن وزیر اعظم کی اجازت بھی ہوتی تھی۔

صبح دفتری اوقات میں جب وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان اپنے آفس پہنچا تو موساد کا ڈائریکٹر اسرحیرل کا اس کا پہلے سے منتظر تھا۔ ڈیوڈ بن گوریان اور اسرحیرس سخت گیر اور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے کہ وہ بغیر تمہید کے مطلب کی بات کرنے کے عادی تھے۔

اسرحیرل نے کرسی پر بیٹھتے ہی وزیر اعظم کو خبر دی کہ ہم ایشمین کو بیونس آئرز میں دریافت کر چکے ہیں اور اب اسے اغوا کر کے اسرائیل لانا چاہتے ہیں۔

وزیر اعظم نے تھوڑی دیر اسرحیرس کی طرف حیرانگی سے دیکھا اور پھر نہایت مختصر الفاظ میں مخاطب ہوا " O.K. do it "

اسرحیرل فوراً اپنی کرسی سے اٹھا اور جانے کیلئے واپس مڑ گیا اسے وزیر اعظم کی طرف سے اجازت مل چکی تھی۔

ایشمین کو پکڑنے اور پھر آٹھ ہزار میل دور ایک دوست ملک سے اسے اسرائیل سمگل کرنے میں کئی فنی اور سیاسی مسائل حائل تھے بالفرض

اگر یہ مشن ناکام ہوتا تو ارجنٹینا اور اسرائیل کے سفارتی تعلقات سخت متاثر ہوتے۔ یہ آپریشن موساد کی تاریخ میں انتہائی اہم تصور کیا جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسر حیرل (موساد کا سربراہ) اسکی نگرانی کے لئے بذات خود خفیہ طور بیونس آئرز روانہ ہوا۔

آپریشن کے لئے تیاریاں زور و شور سے شروع ہو چکی تھیں۔ اسر حیرل نے اپنے انتہائی معتمد ساتھیوں کی مدد سے ایشمین کو پکڑنے اور پھر اسے اسرائیل لانے کیلئے مکمل منصوبہ بندی کر لی تھی۔ آپریشن کے دوران ممکنہ خطرات سے نپٹنے کے لئے پہلے ہی سے منصوبہ بندی ہو چکی تھی۔

مشن کے لئے اسر حیرل نے خود بہترین کمانڈوز منتخب کئے تھے۔ یہ لوگ اس پہلے عرب ممالک میں خطرات سے کھیل کر اہم آپریشن کر چکے تھے۔ سکواڈ کے زیادہ تر ممبر نازی کیمپوں سے زندہ بچ جانے والوں میں سے تھے یہ ٹیم تیس افراد پر مشتمل تھی لیکن ان میں Active Duty پر صرف بارہ افراد تھے باقی افراد کے ذمے بیونس آئرز میں مختلف انتظامات تھے۔

اپریل ۱۹۶۰ کو موساد نے اس منصوبے کو Operation attlia کے خفیہ نام سے شروع کیا۔

ٹیم کے تمام افراد کیلئے خصوصی طور پر جعلی پاسپورٹ اور سفری کاغذات موساد کی اپنی لیبارٹری میں تیار کئے گئے تھے۔ مقررہ تاریخ پر وہ تمام افراد تل ابیب سے یورپ اور شمالی امریکہ کے لئے پرواز کر گئے۔ انہیں بیک وقت ایک جہاز میں سفر کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ اس کے بعد وہ مختلف تاریخوں میں کینیڈا، لندن، روم اور پیرس، نیویارک سے علیحدہ علیحدہ پروازوں میں بیونس آئرز پہنچے گئے۔

آپریشن کیلئے موساد نے بیونس آئرز کے مختلف حصوں میں سات مکان کرائے پر لئے۔ ان میں سے ایک مکان کو خفیہ نام Maoz (قلعہ) دیکر اسے آپریشن ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ یہاں اسر حیرل وقتاً فوقتاً اپنے ساتھیوں کیساتھ خفیہ میٹنگ کرتا اور انہیں ہدایت دیتا۔ یک دوسرا مکان جس کا خفیہ نام "محل" تھا۔ اس مکان کو ایشمین کے اغوا کے بعد استعمال کرنا تھا۔ اس کے علاوہ باقی مکانات شدید ایمرجنسی کیلئے تیار رکھے گئے یعنی اگر پولیس اچانک ایشمین کی تلاش میں چھاپہ مارے تو اسے آسانی ان مکانات میں چھپایا جا سکے۔

انہوں نے مختلف ایجنسیوں سے درجن کے قریب کاریں بھی کرایہ پر حاصل کیں۔ موساد کے ایجنٹ مختلف اوقات میں ان کاروں میں بیٹھ کر ایشمین کی خفیہ نگرانی کرنے آتے جاتے تھے۔

۱۱ مئی کی تاریخ ایشمین پر براہ راست ہاتھ ڈالنے کیلئے مقرر کر دی گئی تھی اسر حیرل نے ایشمین پر جسمانی طور پر قابو پانے کیلئے چار، انتہائی کہنہ مشق کمانڈوز مقرر کئے۔

مقررہ روز شام ٹھیک سات بجے یہ چاروں کمانڈوز دو کاروں میں گری بالڈی سٹریٹ پہنچے۔ دونوں کاریں ذرا فاصلہ چھوڑ کر سڑک کے کنارے کھڑی ہو گئیں۔ پہلی والی کار سے دو افراد نیچے اُترے اور کار کا بونٹ کھول کر یونہیں انجن کو ٹٹولنے لگے تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ شاید انجن میں کچھ گڑ بڑ ہو گئی ہے کار کے پچھلے سیٹ پر ایک ڈاکٹر بیٹھا ہوا تھا جب کہ دوسری کار سے بھی ایک شخص اتر کر اپنے انجن کی "گڑ بڑ" دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دراصل ایشمین کا انتظار کر رہے تھے جو فیکٹری سے بس میں آنے والے تھا لیکن آج وہ خلاف معمول کافی لیٹ ہو چکا تھا۔ فیکٹری میں دراصل آج ورکروں کا ایک خصوصی اجلاس ہو رہا تھا۔ موساد کے اہلکاروں کو اس کا پتہ چل گیا تھا لیکن کاروں کی یونہی گلی میں زیادہ دیر موجودگی سے

آس پاس گزرنے والے شک میں پڑ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ چاروں اسرائیلی تحت ذہنی دباؤ میں تھے انکے لئے ایک ایک منٹ انتظار بھی بے حد بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ سامنے چوک پر دو بسیں آ کر رکیں اور کچھ مسافر ان سے اترے مگر ان میں ایشمین نہیں تھا انہوں نے ذہنی طور رات 08.30 تک انتظار کرنے کی ٹھان لی۔

بالآخر 08:05 پر ایک اور بس سٹاپ پر رکی تو اس میں سے صرف ایک آدمی برآمد ہوا۔ ایشمین حسب معمول پیدل اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا شاپ اور اسکے مکان کے درمیان ایک فرلانگ کا فاصلہ تھا۔ تمام کمانڈوز اسے دیکھ کر انتہائی چوکس ہو چکے تھے۔ آسمان پر بادلوں کی وجہ سے تاریکی گہری ہو چکی تھی۔ تاہم کبھی کبھی آسمان پر بجلی چمکنے سے کچھ لمحے کیلئے ارد گرد کا ماحول روشن ہو جاتا تھا۔ ایشمین نے سردی سے بچاؤ کیلئے لمبا اوور کوٹ پہن رکھا تھا۔ جسکے کالر اوپر کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

بیونس آئرز میں مئی کے مہینے میں بھی اتنی سردی ہوتی ہے کہ لوگ سرشام ہی گھروں میں گھس جاتے ہیں۔ سڑکیں اور گلیاں سنسان ہو جاتی ہیں۔ آج بھی یہی معاملہ تھا۔ ایشمین لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا اکیلا اپنے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ جونہی سڑک کے کنارے کھڑی پہلے کار کے قریب پہنچا تو اس کی ہیڈ لائٹس یک دم روشن ہو گئیں جس سے ایشمین کی آنکھیں کچھ لمحوں کیلئے چندھیا گئی وہ اپنی آنکھوں پر یک ہاتھ رکھ کر جونہی اپنی گلی کی طرف مڑنے لگا تو عین اسی لمحے پیچھے سے کسی نے ہسپانوی میں آواز دی "Senor, momentito" ایشمین نے جونہی پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک اسرائیلی کمانڈو نے جھپٹ کر اس کو زمین پر پٹخ دیا۔ ایشمین کے منہ سے ایک بے بس درندے کی طرح زوردار چیخ نکلی لیکن دوسرے لمحے اس شخص نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے کار کی طرف گھسیٹنا شروع کیا اتنے میں اس کا دوسرا ساتھی بھی مدد کیلئے پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے تیزی سے ایشمین کو کار کے پچھلے حصے میں نیچے لٹا کر اس پر کمبل ڈالی اور کار سٹارٹ کر کے تیزی سے وہاں سے روانہ ہو گئے دوسری کار بھی پوری رفتار کے ساتھ مین روڈ پر دوڑنے لگی۔ یہ ایکشن صرف ایک منٹ میں مکمل ہو چکا تھا۔

تمام راستے میں ایشمین نے کسی قسم کی مزاحمت کی کوشش نہیں کی کیونکہ اسے یک شخص نے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر وہ ذرا بھی ہلا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ تاہم وہ تمام راستے میں بُری طرح ہانپتا رہا۔

وہ اغوا کے دوران ایشمین کو نشہ آور انجکشن لگانا چاہتے تھے مگر ساتھ بیٹھے ہوئے ایک ڈاکٹر نے منع کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس نے الکحل یا پیٹ بھر کھانا کھایا ہو تو اس سے اسکی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

بالآخر وہ پچیس منٹ بعد اپنی منزل مقصود یعنی Tira (محل) پہنچ گئے جہاں پہلے سے منتظر ایک شخص نے فوراً مکان کا مین گیٹ کھول دیا۔ اور دونوں کاریں اندر داخل ہو گئی۔ ایک کار سیدھا گیراج کے اندر چلی گئی جس سے ایک دروازہ مکان کے طرف کھلتا تھا اس کے فوراً بعد گیراج کا دروازہ بند ہوا اور ایشمین کو سہارا دے کر کار سے نکال کر مکان کے ایک کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔

اندر کمرے میں ایشمین کو یک لوہے کی چارپائی پر لٹا کر اسکی ٹانگوں کو چارپائی کے فریم کے ساتھ باندھ دیا گیا اسکی آنکھوں پر ابھی تک پٹی بندھی ہوئی تھی۔ دوسرے روز صبح سویرے ایک اسرائیلی افسر نے جسکے ہاتھ میں گتے کی ایک پرانی سی فائل تھی ایشمین سے پوچھ گچھ کا سلسلہ

شروع کیا۔ اس فائل میں ایشمین کے تمام ذاتی کوائف درج تھے۔ موساد کے آدمی ایشمین کے بیان کو اس فائل کے ساتھ ٹیلی کر کے اس کی صحیح شناخت کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ ''اپنی شرٹ اتارو'' اسرائیلی نے کرخت لہجے میں حکم دیا۔ قیدی نے فوراً اپنی ٹائی، شرٹ اور کوٹ اتار دیئے۔ اب اپنا بازو اوپر اٹھاؤ۔ ایشمین نے حکم کی تعمیل کی تو تین آدمیوں نے اس کے بغل کے قریب زخم کے ایک پرانے نشان کو غور سے دیکھا۔ انہیں مکمل یقین ہو گیا تھا کہ وہ صحیح آدمی کو پکڑ چکے ہیں۔ ہٹلر کی اسپیشل فورس S S کے تمام اہل کاروں کیلئے ضروری ہوتا تھا کہ انکے بازو کے نیچے لیس۔ ایس کا سرکاری نشان اور انکا ذاتی بلڈ گروپ کھدا ہوا ہو۔ ایشمین کے بغل میں زخم کے نشان سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے وہ مخصوص Tatto تیز دھار آلے سے بگاڑ دیا تھا تاکہ بصورت گرفتاری اسے کوئی شناخت نہ کر سکے۔

اس کے بعد یک ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایشمین کے دو پرانے ایکسرے تھے۔ یک ایکسرے میں اس کے سر کی ہڈی ٹوٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھی جبکہ دوسرے ایکسرے میں اسکی Collar bone فریکچر تھی۔ ڈاکٹر نے ایک ہاتھ اس کے گنجے سر اور سینے پر پھیرتے ہوئے کہا کہ وہ ایکسرے کے مطابق ان جگہوں پر پرانے فریکچر محسوس کر رہا ہے۔

پھر قیدی کو جرمن میں دو تین سطریں لکھنے کو کہا گیا اس کی موجودہ ہینڈ رائٹنگ (hand writting) کو یک ماہر نے ایک پرانی دستاویز کے ساتھ ملا کر دیکھا جو ایشمین کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی دونوں تحریروں میں ذرا بھر فرق نہیں تھا۔

تم ایڈولف ایشمین ہو؟ ایک لمبے اسرائیلی افسر نے جرمن میں پوچھا۔ کیا آپ لوگ امریکی ہیں؟ قیدی نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا'' تم ایڈولف ایشمین ہو''؟ اسرائیلی نے اپنا سوال دہراتے ہوئے پوچھا'' کیا آپ لوگ اسرائیلی ہیں''؟ تم ایڈولف ایشمین ہو؟۔ اس بار، اسرائیلی نے قدرے چیختے ہوئے کہا۔ آپ لوگ یقیناً اسرائیلی ہیں۔ اب قیدی خوف سے بری طرح ہانپ رہا تھا۔

اسرائیلیوں کے علاوہ مجھ میں کسی کو دلچسپی نہیں ہو سکتی مجھے ہمیشہ سے یہی خوف تھا کہ ایک دن میں تم لوگوں کے ہاتھ آؤں گا۔ اسرائیلی نے دوبارہ پوچھ گچھ کا سلسلہ جوڑتے ہوئے کہا۔

تمہاری ٹوپی کا سائز کیا ہے؟

6 7/8

جوتوں کا سائز؟

نو انچ

نازی سوشلسٹ پارٹی میں تمہارے ممبر شپ کارڈ کا نمبر؟

889895

پوچھ گچھ کے اس مرحلے میں بالکل واضح ہو چکا تھا کہ وہ سو فیصد ایڈولف ایشمین ہی تھا کیونکہ اس کی ذاتی فائل میں درج کوائف اور موجودہ بیان بالکل ایک جیسے تھے کسی دوسرے شخص کو ایشمین کے کارڈ نمبر یا اس کی ذاتی اشیاء کے بارے میں اتنی معلومات نہیں ہو سکتی تھی۔

تم ارجنٹینا کب آئے؟

1950ء میں۔

تمہارا نام کیا ہے؟

ریکارڈو کلیمنٹ۔

تمہاری چھاتی پر زخم کے داغ سی روڈ ایکسیڈنٹ کے ہیں جو جنگ کے زمانے میں تمہیں پیش آیا تھا؟

جی ہاں۔اور اس کے ساتھ ہی اس کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو گیا شاید اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ پارٹی ممبر شپ نمبر بتاتے ہی اپنی اصلیت واضح کر چکا تھا۔

اپنا اصلی نام بتاؤ؟

Otto Heninger

اسرائیلی افسر نے تھوڑی دیر خاموشی کے ساتھ اس کی فائل پر ایک اور نظر دوڑانے کے بعد دوبارہ اس سے پوچھا۔

تمہارے ایس۔ایس نمبر 45326 اور 63752 تھے۔

جی ہاں۔

اب ہمارا وقت مزید ضائع مت کرو اور اپنا اصلی نام بتا دو۔ایشمین سمجھ گیا تھا کہ اب جھوٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔لہٰذا اس نے دھیمے لہجے میں کہا میرا نام ایڈولف ایشمین ہے۔اس کے ساتھ ہی کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی اسرائیلیوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے ایک اشارہ پر ہزاروں یہودی گیس چیمبر میں ہلاک کر دیئے جاتے تھے۔تھوڑی دیر بعد ایشمین نے کہا میں اس وقت سخت ٹینشن میں ہوں اگر مجھے تھوڑی سی سرخ شراب مہیا کی جائے تو میں آپ کے ساتھ مکمل تعاون کر سکوں گا۔اسے فوراً ایک گلاس شراب مہیا کر دی گئی وہ اسے ایک ہی گھونٹ میں پی گیا۔ایشمین کی باقاعدہ شناخت ہو چکی تھی۔اسرحیرل اور اس کے ساتھی مسلسل کئی دن سے ذہنی دباؤ کے شکار تھے اب وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے لیکن اب اپریشن کا دوسرا انتہائی مشکل اور خطرناک فیز شروع ہونے والا تھا یعنی ایشمین کا خفیہ طور اسرائیل سمگل کرنا۔

ایک اسرائیلی ڈاکٹر نے ایشمین کا طبی معائنہ کیا وہ بالکل فٹ فاٹ تھا انہوں نے ایشمین کو یقین دلایا اگر وہ انکے ساتھ صحیح تعاون کرے تو اسے اسرائیل میں مقدمے کے دوران تمام تر قانونی مدد فراہم کی جائیگی ایشمین نے تحریری طور پر اپنے مکمل تعاون اور اسرائیل جانے کی یقین دہانی کرائی۔

اسرحیرل نے اسی روز اپنے ایک خفیہ مراسلہ میں اسرائیل کے تین اہم شخصیات کو اس واقع کی اطلاع دی یعنی وزیراعظم ،ڈیوڈ بن گوریان مسز گولڈا میئر اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل Laskov کو۔

انہوں نے مسلسل کئی روز ایشمین کو اس مکان میں رکھا۔کسی کو قیدی کے ساتھ بولنے کی اجازت نہیں تھی۔اسے سرائیل منتقل کرنے کا پلان اس قدر خفیہ تھا کہ سوائے اسرحیرل اور ڈیوڈ بن گوریان کے کسی کو اسکا علم نہیں تھا۔

ایشمین کے اغوا کے بعد اس کے خاندان کا کیا ردعمل تھا اس کے متعلق اسرائیلیوں کو کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ اسر حیرل نے بعد میں اپنی کتاب "The house on Ganbaldi Street" میں لکھا۔ ایشمین کو اغوا کرنے کے بعد جتنے دن ہم نے وہاں گزارے وہ کسی لحاظ سے بھی ہمارے لئے خوشگوار نہیں تھے۔ ہم لوگ نہ صرف ارجنٹینا بلکہ پوری دنیا سے کٹ کر رہ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیں ایشمین کی فیملی کے متعلق اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اسکی تلاش میں کیا کچھ کر رہے تھے۔ وہ اسے خود تلاش کر رہے تھے یا وہ بیونس آئرز کی نازی برادری سے مدد حاصل کر چکے تھے یا وہ پولیس کو اس پر اسرار گمشدگی کی رپورٹ کر چکے تھے۔ اخبارات میں بھی اس کا ذکر تک نہیں آیا تھا۔

لیکن مجھے یک بات کا یقین تھا کہ وہ نجی طور پر ہی تلاش جاری رکھیں گے۔ کیونکہ وہ اعلیٰ حکام کو اطلاع دے کر ریکارڈ ڈوکیمنٹ کی اصلیت آشکارہ کرنے کا خطرہ نہیں مول سکتے تھے اس کے بعد مجھے اور میرے ساتھیوں کو کچھ تسلی ہوئی کہ کم از کم گورنمنٹ اس کی وسیع پیمانے پر تلاش نہیں کر رہی ہوگی ویسے ہم روزانہ ارجنٹینی اخبارات کو کھنگالتے رہتے تھے کہ شاید ایشمین (ریکارڈ ڈوکیمنٹ) کی گمشدگی کی کوئی خبر چھپی ہو لیکن ایسا نہیں ہوا کئی سال بعد میرا یہ نظریہ حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا ایشمین کے بڑے بیٹے نکولیس نے ایک جرمن ہفت روزے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔ ۱۲ مئی کو میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑا تھا کہ میرا چھوٹا بھائی ڈائٹر ہانپتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ بڈھا غائب ہو گیا ہے۔ میرے پاؤں تلے زمین کھسک گئی میرا پہلا شک ہی اسرائیلیوں پر تھا۔ میں نے ڈائٹر کے ساتھ مل کر بیونس آئرز سے لے کر سان فرنانڈو تک کا علاقہ چھان مارا میرے ساتھ ایک سابقہ ایس ایس افسر بھی تلاش میں شریک ہوا۔ وہ میرے والد کا قریبی دوست تھا۔ ہم نے تین دن تک اسے مختلف تھانوں' ہسپتالوں اور مردہ خانوں میں تلاش کیا۔ اس کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اسے ضرور اسرائیلیوں نے غائب کیا ہے پھر ہم نے سابق نازی اور ایس ایس حکام کی خفیہ تنظیم اوڈیسہ سے رابطہ کیا انہوں نے بھی ہمارے خیال کی تائید کی کہ اسے اسرائیلی سیکرٹ سروس نے اغوا کیا ہے۔ اس کے بعد تنظیم نے ملک کی تمام بندرگاہوں، ہوائی اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر نگرانی کیلئے اپنے آدمی متعین کر دیئے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

ویرونیکا ایشمین نے بھی بعد میں ایک انٹرویو میں کہا میں پندرہ سال سے اس خوف میں مبتلا تھی کہ ایک دن اسرائیلی میرے شوہر کو بالآخر ڈھونڈ نکالیں گے۔ ہم نے وہ رات جاگ کر گزاری اور صبح مرسڈیز بینز فیکٹری جہاں وہ ملازمت کرتا تھا سے رابطہ کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ہم نے نجی طور پر اسے خوب تلاش کیا آخر تنگ ہار کر میں نے نکولس کے ساتھ پولیس اسٹیشن میں اسکی پر اسرار گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی لیکن اس وقت تک وہ میرے شوہر کو ارجنٹینی سرحد سے نکال کر اسرائیل پہنچا چکے تھے۔

۱۹ مئی ۱۹۶۰ء کے اسرائیلی اخبارات میں اسرائیلی قومی ائیر لائن ای۔ ایل۔ اے۔ ایل (ELAL) کا ایک اشتہار چھپا کہ ۱۸ مئی سے وہ بیونس آئرز کیلئے ڈائریکٹ سروس شروع کرنے والے ہیں۔ عوامی اور سیاسی حلقوں میں اس پر حیرت کا اظہار کیا گیا کیونکہ ELAL امریکہ اور یورپ کیلئے سروس میں اچھا خاصہ کما رہی تھی جبکہ بیونس آئرز سروس شروع کرنے سے اسے بے حد مالی خسارہ ہو سکتا تھا بقول ایک پارلیمنٹ ممبر کے آخر کتنے اسرائیلی باشندے بیونس آئرز جانا چاہیں گے۔ ایک اور سیاسی شخصیت نے طنزیہ کہا اس بوڑھے آدمی (ڈیوڈ بن گوریان) نے اس مضحکہ خیز فضائی سروس میں کچھ دیکھا ہوگا۔ بہرحال جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن یہ آنیوالے وقت کو پتہ تھا کہ اس پرواز کی یہودی کی تاریخ میں کتنی اہمیت تھی۔ تاہم کچھ

اسرائیلی تاجروں نے ELAL کے دفتر سے رابطہ کیا کہ وہ اس افتتاحی پرواز میں سفر کرنا چاہتے ہیں لیکن ان سے معذرت کی گئی کہ یہ پرواز اس بار صرف ایک سرکاری وفد کو لے جا رہی ہے۔ دراصل ۱۹ مئی سے ارجنٹینا اپنی آزادی کی ایک سو پچاسویں سالگرہ منا رہا تھا۔ دنیا بھر سے ممتاز شخصیات اسمیں شرکت کے لئے بیونس آئرز پہنچ رہی تھی۔ اسرائیل بھی اپنا ایک اعلیٰ سطحی وفد بھیج رہا تھا۔اس وفد کی قیادت سرکاری کابینہ کا ایک وزیر Abba Eban کر رہا تھا۔

ابا ایبان اس سے پہلے امریکہ میں اسرائیل کا سفیر بھی رہ چکا تھا۔ ۱۸ مئی کو دن کے پونے تین بجے تل ابیب کے Lydda انٹرنیشنل ائرپورٹ کے رن وے پر ELAL کا طیارہ (Bristol Britannia) روانگی کیلئے اپنے انجن گرما رہا تھا۔اسرائیلی وفد کے ارکان وی آئی پی لاؤنج میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔انہیں الوداع کہنے کیلئے آئے ہوئی اعلیٰ حکام میں وزیر خارجہ، آرمی چیف آف سٹاف، ارجنٹینی سفیر اور دیگر سول آفیسر شامل تھے۔تھوڑی دیر بعد ائرپورٹ کے وسیع حال میں ایک خوبصورت نسوانی آواز میں اعلان ہوا کہ پرواز نمبر 01 بیونس آئرز کیلئے تیار ہے۔مسافروں سے التماس ہے کہ وہ جہاز پر تشریف لے جائیں۔

طیارے نے تل ابیب سے پرواز کے چوبیس گھنٹے بعد بیونس آئرز کے بین الاقوامی ائرپورٹ پر بحفاظت لینڈنگ کی۔ ائرپورٹ پر ارجنٹینی پروٹوکول سٹاف اسرائیلی سفارت خانے کے عملے اور مقامی یہودی اقلیت کے نمائندوں نے وفد کا پرتپاک استقبال کیا۔ایک چاک و چوبند بینڈ نے دونوں ملکوں کے قومی ترانوں کی دھنیں بجائیں۔اس کے بعد معزز مہمانوں کو سرکاری گاڑی میں بٹھا کر ایک فائیو سٹار ہوٹل پہنچایا گیا۔

اسرحیرل بھیس بدل کر ائرپورٹ کے ایک کیفے میں بیٹھا یہ سب کچھ دیکھتا رہا آج کے دن بیونس آئرز انٹرنیشنل ائرپورٹ میں انتہائی گہما گہمی تھی۔دنیا کے مختلف حصوں سے وفود بیونس آئرز پہنچ رہے تھے۔معزز مہمانوں کی حفاظت کے پیش نظر ائرپورٹ کے اندر پولیس اور دیگر سیکورٹی ایجنسیوں کی بھاری نفری متعین کی گئی تھی۔اسکے علاوہ ائرپورٹ سے شہر کی طرف جانے والی شاہراہ پر جگہ جگہ روڈ پر پولیس چیک پوسٹیں دکھائی دے رہی تھیں۔

ایشمین کو اسی طیارے میں اسرائیل سمگل کرنے کا پروگرام فائنل ہو چکا تھا۔موساد کی ٹیم کیلئے آپریشن کا یہ آخری مرحلہ انتہائی اعصاب شکن ثابت ہو رہا تھا کیونکہ ایسے حالات میں جب ملک کے تمام سیکورٹی ادارے ریڈ الرٹ ہوں وہاں سے کسی شخص کو ملک سے باہر اغوا کرنا جان جوکھوں کا کام تھا۔تاہم اسرحیرل نے اس کے لئے انتہائی زبردست منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔

کچھ روز قبل ۱۶ مئی کو موساد کا ایک خفیہ ایجنٹ ایک مقامی ہسپتال گیا وہاں اس نے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم سے کہا چند دن پہلے اس کا ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اس دن سے اسکا سر چکراتا رہتا ہے۔اسے فوراً دماغی امراض کے وارڈ میں داخل کیا گیا جہاں اس کے متعدد ٹیسٹ اور ایکسرے کرائے گئے۔اسکا ایک رشتہ دار (موساد کا ڈاکٹر) روزانہ اسکی عیادت کیلئے آتا تو اسے سرگوشیوں میں سمجھاتا کہ کس طرح وہ اپنی ذہنی کیفیات کو ڈاکٹروں کے سامنے بیان کرے۔

۲۰ مئی کی صبح ڈاکٹروں نے "مریض" کو ہسپتال سے فارغ کرتے ہوئے اسے تسلی دی کہ وہ فی الحال بالکل ٹھیک ٹھاک ہے اور وطن واپس جانے کیلئے ہوائی سفر کر سکتا ہے انہوں نے اسے ایک میڈیکل سرٹیفکیٹ بھی جاری کر دیا کہ اسرائیل پہنچنے پر اسکے مزید ٹیسٹ کرائے جائیں

تا کہ اسکی تشخیص کسی منطقی نتیجے پر پہنچ سکے۔

وہ جونہی ہسپتال سے فارغ ہو کر اپنے خفیہ کمین گاہ پہنچا تو اسکے تمام سفری کاغذات اور میڈیکل سرٹیفکیٹ لے کر اس پر ایشمین کی تصویر چسپاں کر دی گئیں۔ اسکے لئے ایک اور جعلی پاسپورٹ کا بندوبست کیا گیا۔ جسکے ذریعے وہ آسانی ارجنٹینا سے ایک پرواز میں اسرائیل پہنچ گیا۔ ۲۰ مئی موساد کے تاریخی آپریشن کا آخری دن تھا۔ بقول اسر میرل

"for me it was the longest and most dramatic day of operation Eichmann"

اسرائیلی ڈیلیگیشن یوم آزادی کے جشن میں شرکت کرنے کے بعد آج وطن واپس لوٹ رہا تھا انکو علم نہیں تھا کہ اسی پرواز میں انکے ساتھ ایک ایسا مسافر بھی جانے والا ہے جس کو ڈھونڈنے کیلئے اسرائیلی سیکرٹ سروس نے دنیا کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔

موساد کی پوری ٹیم سخت ذہنی دباؤ سے دوچار تھی ہر ایک کے دل میں خوف تھا کہ عین آخری لمحات میں بنا بنایا کھیل بگڑ نہ جائے۔ اسرائیلی قومی ائرلائن کا وہ سپیکل طیارہ پرواز کیلئے بالکل تیار ہو چکا تھا چند لمحے پہلے اس میں لمبی پرواز کیلئے وافر مقدار میں ایندھن بھر جا چکا تھا۔

آپریشن انتہائی نازک مرحلہ پر پہنچ رہا تھا ایشمین کو ائرپورٹ پر موجود چوکس کسٹم اور پاسپورٹ فیشل کی نظروں سے بچ کر طیارہ تک پہنچانا کوئی مذاق نہیں تھا اس کے علاوہ ائرپورٹ سیکورٹی فورس کی سخت چیکنگ بھی ایک بہت بڑی رکاوٹ بن سکتی تھی۔

اسر میرل نے صبح سویرے اپنا خفیہ موبائل ہیڈ کوارٹر ائرپورٹ کی کینٹین شفٹ کر دیا تھا۔ وہ ایک میز پر آرام سے کافی کی چسکیاں لیتا ہوا آپریشن کی نگرانی کرنے لگا۔ اسکے قریب ہی اسکا دوسرا ساتھی موساد کے خفیہ ایجنٹوں کے جعلی پاسپورٹوں پر آخری نگاہ ڈال رہا تھا۔

کینٹین میں ائرپورٹ سیکورٹی سٹاف اور خفیہ پولیس کے لاتعداد اہلکاروں کی آمد و رفت جاری تھی مگر انہیں رتی بھر احساس نہیں ہوا کہ ایک کونے والی میز پر ایک چھوٹے قد والا شخص اپنے ایجنٹوں کو اشاروں میں احکامات دے کر ایک ڈرامائی آپریشن کی نگرانی کر رہا تھا۔

اسی دوران وہ ایشمین کو نہلا دھلا اور شیو کر کے تیار کر چکے تھے اسکے بعد اسے ELAL کے عملے کا یونیفارم پہنایا گیا ایشمین اس شخص کے کاغذات اور پاسپورٹ پر سفر کرنے والا تھا جو چند روز بیشتر ہسپتال سے فارغ ہوا تھا۔ وہ حیرانگی کی حد تک موساد کے اہلکاروں کے ساتھ تعاون کر رہا تھا تیاری کے ایک مرحلے پر اس نے اپنے اغوا کاروں کو یاد دلایا کہ وہ یونیفارم کے ساتھ جیکٹ پہنانا بھول گئے ہیں ورنہ اس طرح وہ عملے (Crew) کے افراد سے مختلف نظر آئیگا۔

اس کے بعد ڈاکٹر نے ایشمین کو نشہ آور دوا کا ایک انجکشن لگایا جس سے اس پر اس قدر غنودگی طاری ہوگئی کہ وہ اپنی ٹانگوں پر کھڑا تو ہو سکتا تھا مگر اپنے اردگرد کے ماحول سے بے خبر ہو گیا تھا۔ انجکشن سے پہلے ایشمین نے کہا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ انکے ساتھ ہر ممکن تعاون کر رہا ہے۔ مگر موساد اس پر کیسے بھروسہ کر سکتی تھی ان آخری لمحات میں ایشمین کی حرکات بے حد عجیب و غریب ہو چکی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے اپنے اغوا کی سازش میں وہ خود بھی ملوث تھا۔ اسنے موساد کی ٹیم کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا کہ کہیں آپریشن انکی کسی لغزش سے ناکام نہ ہو جائے ایک بار تو اس نے بڑی اداسی سے کہا میں نے بیوی کے پاس خرچے کے لئے کوئی رقم نہیں چھوڑی ہے مجھے میرا چھوٹا بیٹا ریکارڈو بہت یاد آ رہا ہے۔ اس پر موساد کے ایک

ایجنٹ نے تلخی سے کہا ان بچوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جنہیں تم نے گیس چیمبر میں دھکیلا تھا۔ غنودگی کی حالت میں ایشمین کو سہارا دے کر ایک مرسڈیز کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے دونوں طرف دو افراد جو خود بھی اسرائیلی ائرلائن کی وردی میں ملبوس تھے بیٹھ گئے۔ ان دو فرد کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ بھی ایشمین کی طرح اپنے آپ پر غنودگی طاری کریں اس سے اگلی کار میں بھی موساد کے دوسرے آدمیوں نے Crew یونیفارم پہنے ہوئے تھے ۔ چند ہی لمحوں بعد وہ ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوئے۔

دونوں کاریں ائرپورٹ کی شاف انٹرنس سے اندر آئیں تو اگلی کار میں بیٹھے اسرائیلی بلند آواز میں عبرانی زبان کا کوئی رومانوی گیت گانے لگے۔ گارڈ روم کے پاس کاروں کو چیکنگ کے لئے رکنا پڑا ڈیوٹی پر موجود ایک سنتری نے آگے بڑھ کر پہلی کار میں جھانکا تو اسرائیلی ائرلائن کے کریو ممبر ابھی تک جھومتے گا رہے تھے۔

کار کے ڈرائیور نے مسکرا کر کہا انہوں نے تمام دن بیونس آئرز میں انجوائے کیا ہے اور تقریباً بھول ہی گئے تھے کہ آج رات انہیں واپس پرواز کرنا ہے اس پر گارڈ نے بھی مسکراتے ہوئے دوسری کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا آپ کے یہ دوسرے ساتھی تو بالکل مدہوش لگ رہے ہیں اس حالت میں یہ جہاز کیسے اڑائیں گے۔

اوہ! یہ ریلیف کریو (Relief crew) ممبر ہیں انہوں نے جہاز میں بھی کچھ دیر سونا ہے ڈرائیور نے فوراً جواب دیتے ہوئے کہا۔ سنتری نے ہنستے ہوئے دونوں کاروں کیلئے رکاوٹ اٹھائی اور انہیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ وہ ارجنٹینا کے قومی فضائی کمپنی کے ورکشاپ ایریا کی طرف گئے کیونکہ ELAL کا طیارہ وہیں کھڑا تھا۔ یہاں بھی ایک چیک پوسٹ پر دو محافظوں نے کار کے اندر بیٹھے افراد پر سرسری نگاہ ڈالی کچھ تو گنگنا رہے تھے باقی گہری نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔ محافظوں نے تسلی کر لی کہ وہ لوگ جہاز کے عملے سے تعلق رکھتے ہیں۔

جونہی بیریئر اٹھا تو دونوں کاریں بجائے سیدھا طیارے کی طرف جانے کے ایک لمبا چکر کاٹ کر طیارے کی طرف پہنچیں۔ وجہ یہ تھی کہ وہ ہینگرز پر نصب فلڈ لائٹس کی زد سے بچنا چاہتے تھے۔ کاریں بالکل طیارے کے قریب جا کر کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے ایشمین کو سہارا دے کر کار سے اتارا۔ اور اسے آہستہ آہستہ سیڑھیوں پر چڑھانے لگے عملے کے افراد نے اُس کے اردگرد جمگھٹا سا بنا دیا تھا تاکہ دور سے دیکھنے والے محسوس ہی نہ کر سکے کہ وہ کسی بیمار شخص کو طیارے میں بٹھا رہے ہیں۔ ابھی وہ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے کہ ائرپورٹ کے ایک ٹاور سے کسی نے سرچ لائٹ ان پر پھینکی۔ جس سے اردگرد کا ماحول یکدم روشن ہو گیا۔ انہوں نے تیزی سے ایشمین کو جہاز پر چڑھا کر فرسٹ کلاس سیکشن میں کھڑکی کی قریب سیٹ پر بٹھا دیا۔ وہ ابھی تک اپنے ہوش وحواس میں نہیں تھا۔ طیارے کے کریو ممبر بھی اسکے آگے اور پیچھے سیٹوں پر بیٹھتے ہی اونگھنے لگے۔ کسی بھی لمحہ ممکنہ پولیس انکوائری کی صورت میں یہ تاثر دیا جا سکتا تھا کہ سوئے ہوئے فرد ریلیف کریو سے تعلق رکھتے ہیں طیارے کے کپتان نے فوراً اس سیکشن کی بتیاں بجھا کر اندھیرا کر دیا۔

اسرائیلی وفد کے تمام افراد بھی اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔ اسر جیرل سب سے آخر میں ائرپورٹ حکام کو اپنا پاسپورٹ دیکھا کر جہاز کی طرف روانہ ہوا اسکے بیٹھتے ہی جہاز کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔

چند لمحوں بعد جہاز کے انجن آہستہ آہستہ غرانے لگے۔ جہاز کے عملے نے مسافروں کو اپنی سیٹ بیلٹ باندھنے کی ہدایات دینا شروع کیں۔

جہاز پرواز کے لئے بالکل تیار ہو چکا تھا اچانک ٹرمینل کی جانب سے دو ارجنٹینی اہلکار طیارے کی طرف تیزی سے دوڑنے لگے۔ اسر حیرل نے بعد میں کہا انہیں دیکھ کر میرا دل زور زور سے دھڑکنا لگا مجھے یوں لگا جیسے قسمت نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہو۔ بہرحال وہ جس مقصد کیلئے بھی ہمارے طرف آ رہے تھے وقت اب ان کے ہاتھ سے پھسل چکا تھا۔ طیارہ ایک خوفناک گرج کے ساتھ رن وے پر دوڑنے لگا اور چند ہی سیکنڈ بعد بیونس آئرز کے اوپر وسیع فضاء میں بلندی کی طرف اڑ رہا تھا میں نے آخری بار کھڑکی سے بیونس آئرز کی جھلملاتی روشنیوں کو دیکھا۔ اس وقت آدھی رات ہوئے پانچ منٹ گزر چکے تھے اور ساتھ ہی میری گھڑی میں تاریخ کھسک کر ۲۱ مئی میں داخل ہو چکی تھی۔ طیارے کے معاون پائلٹ نے آگے بڑھ کر سر حیرل کو آپریشن کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ اس نے ڈاکٹر جوزف مینگل (Josef Mengele) کے بارے میں دریافت کیا کہ سے کیوں نہیں پکڑا گیا۔ حالانکہ وہ بھی بیونس آئرز میں دیکھا گیا تھا۔ اسر حیرل نے کہا کہ اگر یہی اپریشن ہم چند ہفتے پہلے شروع کرتے تو ڈاکٹر مینگل بھی آج اس طیارے میں ہمارے ساتھ ہوتا اس کے بعد طیارے کے کپتان نے اسر حیرل سے درخواست کی کہ وہ عملے کے رکان کو بتانا چاہتا ہے کہ فرسٹ کلاس سیکشن میں بیٹھا اجنبی کون ہے اسر حیرل نے آخر کچھ دیر پس وپیش کے بعد اجازت دیدی۔

کپتان نے فوراً پورے عملے کو جمع کر کے انہیں بتایا "کیا تمہیں پتہ ہے کہ اس لیے تم لوگوں کو کتنا بڑا اعزاز حاصل ہو چکا ہے عملے نے حیرانی میں کپتان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

تم لوگ اس وقت یہودی تاریخ کے ایک انتہائی ڈرامائی اپریشن میں حصہ لے رہے ہو۔ ہٹلر کا وزیر مرگ (Death minister) فرسٹ کلاس سیکشن میں ہماری قید میں اسرائیل لے جایا جا رہا ہے۔

کپتان کے ان الفاظ سے عملے کے افراد خوشی سے بے قابو ہو گئے ان میں سے اکثر کو کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی کہ ایشمین نے جنگ کے دوران یہودیوں کے آخری حل میں کیا کردار ادا کیا تھا۔ کچھ نے تو ذاتی طور پر آخری حل کے ہولناک رات دن دیکھے تھے۔ طیارے کے مکینک (Zvi) نے پولینڈ سے اسرائیل ہجرت کی تھی جب وہ گیارہ سال کا تھا تو ایک روز چند جرمن سپاہی اسکے گھر میں گھس آئے انہوں نے اسے لاتوں اور بندوق کے بٹ سے مار مار کر لہولہان کرنے کے بعد سیڑھیوں سے نیچے گرا دیا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے وہ زندہ بچ گیا۔

ایک دن نازیوں نے اس علاقے میں رہنے والے تمام یہودی خاندانوں کو ایک جگہ جمع کر کے گولیوں سے اڑا دیا۔ Zvi اور اسکے خاندان کو جرمنوں نے پکڑ کر ایک بیگار کیمپ میں ڈال دیا۔ وہ جب کیمپ پہنچے تو انہوں نے ایک ہولناک منظر دیکھا۔ نئے آنے والے قیدیوں میں بچوں اور بوڑھوں کو علیحدہ کر کے گولی ماری جا رہی تھی۔ اس کی ماں نے چھوٹے بیٹے Zadox جسکی عمر بمشکل چھ سال تھی کو چھپانے کی کوشش کی مگر جرمن گارڈز کی نظروں سے بچانا ناممکن تھا۔ انہوں نے Zadox اور اس کی ماں کو ایک ہی گولی سے اڑا دیا۔

Zvi بھی کئی مرتبہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچا۔ ایک مرتبہ کیمپ میں کچھ لوگوں نے کھانے کی چیزیں چرائی تو انہیں پکڑ لیا گیا۔ پھر Zvi اور کیمپ کے دوسرے قیدیوں کے سامنے جرمنوں نے ان کی آنکھیں نکال دیں۔

یہ محض اسکی خوش قسمتی تھی کہ وہ موت سے بچ نکلا۔ اب جب اسے پتہ چلا کہ ایشمین اسرائیلی سیکرٹ سروس کی حراست میں اسرائیل جا رہا ہے تو وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا۔ اور جہاز کے ایک کونے میں رو پڑا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے تسلی دی کہ اسکے بھائی اور ماں کا قاتل اب اپنی

جان کی فکر ہے اسرائیل بچایا جا رہا ہے۔ بالآخر وہ آنسو پونچھ کر فرسٹ کلاس کیبن میں ایشمین کے قریب گیا اس نے تھوڑی دیر غور سے اس کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے وہاں سے ہٹ گیا۔

بیونس آئرز سے ٹیک آف کے بعد پائلٹ طیارے کو انتہائی بلندی پر لے گیا تاکہ دوران پرواز فیول (Fuel) کی بچت ہو اور کسی ملک میں اترنا نہ پڑے لیکن انہیں پھر بھی اضافی ایندھن کی ضرورت پڑی اور وہ ایک افریقی شہر ڈاکار میں اتر گئے۔

اسر ہیرل نے لینڈنگ سے پہلے ہی کپتان سے بات طے کر لی تھی کہ طیارے سے کوئی مسافر نیچے نہیں اترے گا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ ایشمین کی خبر یہاں نہ پہنچ گئی ہو اور ارجنٹینا کی گورنمنٹ نے انہیں درخواست کر دی ہو کہ طیارے کو ٹیک آف سے روک دیا جائے۔ بہرحال ہوا کچھ بھی نہیں۔ ائرپورٹ انتظامیہ نے طیارے کے ٹینک میں وافر مقدار میں ایندھن بھرا اور تھوڑی دیر بعد کنٹرول ٹاور نے ٹیک آف کی اجازت دی تو طیارے پھر سے فضائے بسیط میں بلند ہو کر تل ابیب کی طرف روانہ ہوا۔

ایشمین اب بالکل جاگ چکا تھا۔ نشہ آور دوا کے اثرات زائل ہو چکے تھے۔ ایک ائر ہوسٹس نے اسے کھانا دیا جسے وہ بڑی عجلت میں ہڑپ کر گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک سگریٹ کی فرمائش کی ایک ڈاکٹر نے اسکا طبی معائنہ کیا وہ بالکل فٹ فاٹ تھا۔ بالآخر فجر کے وقت جب اسر ہیرل اچانک نیند سے جاگا تو طیارہ بحیرہ روم پر محو پرواز تھا اور اسرائیلی ساحل تیزی سے قریب آ رہا تھا اس نے فوراً نہا دھو کر کپڑے تبدیل کئے پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو اپریشن کے آخری مرحلے کے بارے میں کچھ ہدایات دیں۔

اسر ہیرل نے اپنے تمام ساتھیوں کو اپریشن کی کامیابی پر مبارکباد دی اور انکے بھرپور تعاون کو سراہا۔

جہاز کی کھڑکی سے اسرائیلی ساحل اب بالکل واضح نظر آ رہا تھا۔ جہاز نے ڈاکار سے اپنا طویل سفر ساڑھے گیارہ گھنٹے میں مکمل کر لیا تھا۔

بالآخر طیارے کے ٹائروں نے Lydda انٹرنیشنل ائرپورٹ کے رن وے کو چھوا۔ اور اس کے ساتھ ہی بقول اسر ہیرل میرے کندھوں سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا۔ سر نے کاک پٹ میں عملے کے تمام افراد کے ساتھ فرداً فرداً ہاتھ ملا کر انکے بھرپور تعاون اور بہترین پرواز کیلئے شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد وہ فرسٹ کلاس کیبن گیا جہاں ایشمین اپنی سیٹ پر خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا اسکے چہرے کا رنگ بھی بالکل پیلا پڑ گیا تھا۔

وہ اتوار کا دن اور تاریخ 22 مئی 1960 تھی۔ اسر پورے تیس دن اسرائیل سے غائب رہا تھا۔ ایشمین کے معاملے سے فارغ ہوتے ہی اسر یروشلم میں وزیراعظم سے ملنے گیا۔

ڈیوڈ بن گوریان کیبنٹ کے اجلاس سے خطاب کرنے جا رہا تھا کہ اسکے پولیٹیکل سیکرٹری نے اطلاع دی کہ اسر اس سے ملنا چاہتا ہے چند ہی لمحوں بعد وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وزیراعظم نے حیرانی میں اس سے پوچھا کہ وہ کب اسرائیل پہنچا ہے۔ سر نے کہا میں دو گھنٹے پہلے پہنچا ہوں ور آپکے لئے ایک تحفہ بھی ساتھ لیا ہوں۔ وزیراعظم نے حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا تو اسر کھلکھلا کر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ "میں ایڈولف ایشمین کو ساتھ لایا ہوں پچھلے دو گھنٹوں سے وہ اسرائیلی سرزمین پر موجود ہے اگر آپ اجازت دیں تو ہم اسے اسرائیلی سیکورٹی سروس کے حوالے کر دیں۔"

وزیر اعظم تو کچھ دیر خاموشی کے ساتھ اسر کے چہرے کو تکتا رہا جیسے اسے یقین نہیں آرہا ہو کہ ساٹھ لاکھ یہودیوں کو موت کے منہ میں دھکیلنے والا خوفناک کردار اب انکے رحم و کرم پر ہے۔ پھر وزیر اعظم نے دریافت کیا کہ ایشمین کی شناخت سو فیصد درست ہے یا مشکوک ہے؟ ہیرنے اسے یقین دلایا کہ وہ بلا شک و شبہ ایشمین ہی کو پکڑ کر لائے ہیں۔ لیکن وزیر اعظم نے پھر بھی اصرار کیا کہ کم از کم دو ایسے افراد سے تصدیق کرائی جائے جنہوں نے اس سے پہلے ایشمین کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ بعد میں پولیس کی موجودگی میں دو افراد نے گواہی دی کہ یہی شخص یڈولف ایشمین ہے جسے انہوں نے وی آنا میں ۱۹۳۸ء میں ایک میٹنگ کے دوران میں دیکھا تھا۔

ایشمین کی رسمی شناخت کے بعد ڈیوڈ بن گوریان نے دوسرے دن کینسٹ (اسرائیلی پارلیمنٹ) کے ایک ہنگامی اجلاس میں یہ خبر اراکین پارلیمنٹ کو بھی سنا دی اس کے ساتھ ہی دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ پر یہ دھماکہ خیز خبر ہیڈ لائنز میں ابھری۔ حکومت ارجنٹینا نے اسرئیل سے زبردست احتجاج کیا کہ اس کے ایک شہری کو غیر قانونی اور زبردستی طور اغوا کیا گیا ہے انہوں نے اسرائیلی سفیر کو ملک سے نکل جانے کی بھی دھمکی دی لیکن کچھ عرصے بعد معاملہ خود ہی ٹھنڈا پڑ گیا۔ اور پھر ارجنٹینا نے ایشمین کے بارے کوئی بات بھی نہیں کی ایشمین کو پولیس ایک نامعلوم مقام پر لے گئی تھی۔ جہاں روزانہ پانچ گھنٹے اس سے پوچھ گچھ کی جاتی رہی۔ شروع شروع میں وہ اپنے آپکو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ میں محض حکم کا غلام تھا۔ سارا پروگرام میرے آقاؤں کا تھا۔ میرے ذمے صرف یہودیوں کو ٹرانسپورٹ کرنا تھا ان کے قتل عام میں میرا کوئی رول نہیں تھا۔ میری حیثیت ایک بیوروکریٹ جیسی تھی۔ جو صرف احکامات کی بجا آوری سے مطلب رکھتا تھا۔

جس جیل میں اسے رکھا گیا تھا وہاں پولیس کی بھاری نفری چوبیس گھنٹے پہرے پر معمور رہتی تھی۔ اسکی نگرانی پر متعین پہرہ داروں کے متعلق اچھی طرح تسلی کر لی گئی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی نازی کنسنٹریشن کیمپوں (Concentration Camp) سے زندہ بچ جانے والے میں سے نہیں تھا کیونکہ ایسے افراد سے خطرہ تھا کہ وہ ذاتی انتقام کے جوش میں کہیں اسے ہلاک نہ کر دے۔ اسکے علاوہ اسکے کھانے پینے کی اشیاء کو باقاعدہ لیبارٹری میں چیک کیا جاتا تھا کہ کہیں کسی نے زہر نہ ملا دیا ہو۔

بالآخر ایک اسرائیلی عدالت نے اس پر جنگی جرائم اور لاکھوں یہودیوں کے قتل عام کا تاریخی مقدمہ شروع کیا جو چار مہینے لگاتار چلتا رہا۔ اس دوران لاتعداد چشم دید گواہوں نے اسکے خلاف عدالت میں گواہیاں دیں۔ ہزاروں صفحات پر مشتمل دستاویزی ثبوت پیش کیے گئے۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۶۱ء کو جرائم ثابت ہونے پر اسے سزائے موت کا حکم سنایا لیکن کچھ نامعلوم وجوہات کی بناء پر یہ سزا کچھ عرصہ معطل رہی۔

آخر کار ۳۱ مئی ۱۹۶۲ء کو صبح سورج نکلنے سے کچھ دیر پہلے تل ابیب کے سنٹرل جیل میں اسے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ مرنے سے کچھ دیر پہلے اسے عیسائی عقیدے کے مطابق ایک پروٹسٹنٹ پادری نے گناہوں کا اعتراف کرنے کی ترغیب دی مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔

اس نے اپنے زندگی کے آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میری بیوی' بچوں اور دوستوں کو میرا آخری سلام پہنچے 'اپنے پرچم اور جنگی اصولوں کی اطاعت میری مجبوری تھی میں اب مرنے کیلئے بالکل تیار ہوں پھانسی کے ٹھیک دو گھنٹے بعد اسکی لاش کو نذر آتش کر کے راکھ بحیرہ روم کی موجوں میں بہا دی گئی۔

شمپین سپائی

موساد کو ۱۹۵۶ء سے ہی خفیہ اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ کہ ہٹلر کے لئے کام کرنے والے سابقہ جرمن سائنسدان اور انجینئرز مصر میں صدر ناصر کے لئے جدید اور مہلک ہتھیار بنا رہے ہیں۔

اس سے پہلے روس مصر کو اسلحہ سپلائی کرتا تھا۔ روسی ہتھیاروں سے لدے ہوئے بحری جہاز تقریباً روزانہ ہی سکندریہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوتے تھے، لیکن ۱۹۵۸ء میں یہ سلسلہ بند ہو گیا کیونکہ مصر کے پاس فارن کرنسی کی سخت قلت پیدا ہو گئی، ان حالات میں صدر ناصر نے ان سابقہ نازی سائنسدانوں کی طرف شدت سے رجوع کیا جو پہلے ہی سے مصر میں پناہ گزین تھے، وہ ان کی مدد سے ایک ایسی عسکری قوت حاصل کرنا چاہتا تھا جو کم از کم اسرائیل کے مقابلے میں کسی لحاظ سے کمزور نہ ہو۔

اس کے بعد مصر نے ان جرمن سائنسدانوں کی وسیع پیمانے پر بھرتی شروع کی، انہیں ٹیکس فری بڑی بڑی تنخواہوں کی پیشکش کی گئی۔ تھوڑے ہی عرصے میں لاتعداد جرمن ماہرین مصر پہنچے، انہوں نے مختلف عسکری منصوبوں پر کام شروع کیا۔

قاہرہ سے پندرہ میل جنوب کی طرف حلوان کے مقام پر ان جرمن سائنسدانوں کی نگرانی میں دو فیکٹریاں قائم ہوئیں جہاں سپر سانک لڑاکا طیاروں پر کام شروع ہو گیا۔ تل ابیب کو مزید پریشان کرنے کے لئے مصر نے سینکڑوں جرمن میزائل ایکسپرٹس بھی بھرتی کئے، ان لوگوں نے اس سے پہلے ہٹلر کے لئے V-1 اور V-2 جیسے مہلک راکٹ تیار کئے تھے، مصر میں انہیں اسی قسم کے راکٹ بنانے کے لئے چنا گیا تھا، اس مرتبہ ان کے تیار کردہ لانگ رینج راکٹوں کو مستقبل میں اسرائیل پر داغا جانا تھا، ان سائنسدانوں میں ایک Eugen Saengert تھا جس نے ۱۹۳۵ء میں پہلے جرمن راکٹ ریسرچ یونٹ کی بنیاد رکھی تھی۔

انہوں نے مصری راکٹ پروگرام کے لئے مختلف یورپی فرموں سے ضروری ساز و سامان خریدا۔

قاہرہ سے ذرا باہر ایک اور ریسرچ سنٹر قائم کیا گیا جہاں ایک سابقہ نازی سائنسدان جس نے آشوز (پولینڈ) کے کنسنٹریشن کیمپ میں یہودی قیدیوں پر اعصابی گیس (Nerve Gas) کے خوفناک تجربات کیے تھے، اب مصر کے لئے کیمیاوی ہتھیاروں پر کام کر رہا تھا، اس کی مصر میں موجودگی کی اطلاع کسی طرح اسرائیل پہنچی تو ایک بار پھر یہودی ڈراؤنے خواب دیکھنے لگے۔ ان میں سے اکثر آشوز (Auchwitz) کی ڈیتھ فیکٹریوں سے زندہ بچ جانے والے تھے، ہٹلر کے پروگرام "Final solution of Jewish Question" میں یورپ کی یک تہائی یہودی آبادی انہی کیمپوں میں دم توڑ چکی تھی، اسرائیلی مؤرخ اس ہولناک واقعہ کا Holocaust کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اب مصر اسی تاریخ کو دوبارہ دہرانے کی پوزیشن میں آنے والا تھا۔

ہٹلر کی خفیہ پولیس Gestapo کے اکثر سابقہ افسر قاہرہ میں مصری پولیس کو تربیت دے رہے تھے۔

صدر ناصر کے مشیروں میں کئی سابقہ نازی ماہرین بھی شامل کر لئے گئے تھے جو اُسے یہودیوں کا مکمل صفایا کرنے کے لئے قیمتی مشورے دیتے تھے۔

جولائی ۱۹۶۲ء میں مصر نے پہلی بار اپنے میڈیم رینج میزائلوں کا کامیاب تجربہ کیا، ان میں الظفر میزائل کی مار ۲۷۵ میل اور وار ہیڈ نصف ٹن، "Al-ared" کی رینج چھ سو میل جبکہ "القاہر" میزائل ایک ٹن وار ہیڈ بجانے والا تھا۔

اسی سال مصری انقلاب کی سالگرہ کے موقع پر قاہرہ کی سڑکوں پر لاکھوں تماشائیوں نے ان مہلک میزائلوں کی ایک جھلک دیکھی، اس موقع پر صدر ناصر نے بڑے فخر سے کہا

"We are now capable of hitting any target south of Beiru" بلاشبہ یہ اسرائیل کی طرف واضح اشارہ تھا، اسرائیلی قیادت نے بھی اسے انتہائی سنجیدہ اور ذمہ دارانہ بیان تصور کیا،

یہ بڑی حیران کن بات تھی کہ مصری میزائل سسٹم کے بارے میں موساد کو آخر تک کچھ پتہ نہیں چلا تھا، یہ تو صدر کی تقریر کے بعد اسرائیل کو علم ہوا تو موساد کی اِس غفلت پر اسرائیلی وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان نے اس کے ڈائریکٹر اسر ہیرل کی سخت سرزنش کرتے ہوئے کہا، "اگر صدر ناصر کی ریڈیو تقریر ہی سے ہمیں مصری میزائل سسٹم کی خبر مل سکتی ہے تو پھر ہمیں اپنے خفیہ اداروں پر لاکھوں ڈالر خرچ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کے لئے تو بس ایک ٹرانزسٹر ریڈیو ہی کافی ہے"

اسر ہیرل نے اپنی کوتاہی تسلیم کرتے ہوئے وزیر اعظم سے وعدہ کیا کہ وہ تین مہینے کے اندر اندر تمام متعلقہ معلومات جمع کر کے اُسے پیش کر دے گا۔

اسکے بعد وہ مغربی جرمنی گیا جہاں اُس نے جرمن سیکرٹ سروس "Gehlen" کے سربراہ سے ملاقات کر کے اُسے بتایا کہ مصر میں جرمن سائنسدانوں کی سرگرمیوں سے اسرائیل کی بقا خطرے میں ہے، اگر انہیں فوراً نہ روکا گیا تو اسرائیل از خود براہ راست ایکشن لینے پر مجبور ہوگا۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں جب ایلی کوہن کو دمشق بھیجا جا رہا تھا، تو مصر میں بھی ایک ایسے شخص کی ضرورت محسوس ہوئی جو تل ابیب کو مصر کے تمام خفیہ منصوبوں کے متعلق بروقت اطلاع فراہم کر سکے۔ آخر انہیں مطلوبہ فرد مل ہی گیا۔

وولف گینگ لوٹز (Wolf Gang Lotz) جرمن نژاد یہودی تھا وہ ۱۹۲۱ء میں جرمنی کے ایک شہر Mannheim میں پیدا ہوا تھا، اُس کے ماں باپ ایک مقامی تھیٹر میں ملازم تھے، اُس کی ماں یہودی اور باپ عیسائی تھا لیکن اُن کی گھریلو زندگی میں مذہب کو کبھی دخل نہیں ہوا، اُنہوں نے وولف گینگ کی پرورش بجائے یہودی کے بطور جرمن کی۔ یہی وجہ تھی کہ ہیلن (اُس کی ماں) نے یہودی عقیدے کے مطابق اُسکے ختنے بھی نہیں کرائے تھے۔

1931ء میں وولف گینگ کے والدین کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے جو جلد طلاق پر منتج ہوئے اس کے دو سال بعد جب

جرمنی میں یہودیوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکی تو ہیلن نے خوف زدہ ہو کر فلسطین جانے کا فیصلہ کیا وہ وولف گینگ کو لیکر ہزاروں یہودی مہاجروں کی طرح فلسطین میں بسنے کے لئے تل ابیب پہنچی، خوش قسمتی سے ہیلن کو یہاں ایک مشہور تھیٹریکل کمپنی میں کام مل گیا لیکن نئے آنے والوں کے لئے یہاں زندگی گزارنا بے حد دشوار تھا، ایک تو وہ یہاں بالکل اجنبی تھے، اور مقامی زبان سے بھی ناواقف تھے۔

وولف گینگ نے ایک زرعی سکول میں تعلیم حاصل کی، اسی سکول میں اُس نے گھڑسواری (Horse Riding) کی تربیت بھی پائی، آگے چل کر وہ ایک بہترین horse trainer ثابت ہوا۔ سکول سے نکلتے ہی وہ یہودیوں کی زیرِ زمین دہشت گرد تنظیم حگانہ (Haganah) میں شامل ہو گیا، اُس زمانے میں حگانہ عربوں کے خلاف تخریبی کاروائیوں میں مصروف تھی، وولف گینگ تنظیم کے لئے اسلحہ سمگل کیا کرتا تھا۔

اس کے بعد جب دوسری عالمی جنگ چھڑی تو وولف گینگ برطانوی فوج میں بھرتی ہو گیا، اُسے بیک وقت عربی، عبرانی، انگریزی اور جرمن زبانوں پر عبور حاصل تھا، اسی صلاحیت کی بنا پر اُسے جرمن جنگی قیدیوں کی پوچھ گچھ پر مقرر کیا گیا، اُس نے جنگ کا قریباً تمام عرصہ مصر میں گزارا، وہ فوج میں کوارٹر ماسٹر سارجنٹ کے عہدے تک پہنچا۔

جنگ ختم ہوئی تو وہ واپس فلسطین آ گیا۔ اُسے تیل صاف کرنے والے ایک کارخانے میں ملازمت مل گئی ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیل کا قیام وجود میں آیا تو وہ اس کی مسلح فوج میں شامل ہو گیا، ۱۹۵۶ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اُس نے میجر کی حیثیت سے ایک انفنٹری بریگیڈ کی قیادت کی اور انتہائی اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

موساد کافی عرصے سے وولف گینگ کی خاموشی کیساتھ مشاہدہ کر رہی تھی جسکا اُسے علم نہیں تھا، اُس کی گہری نیلی آنکھیں، جرمن نژاد ہونا، یہودیت سے تعلق، اور کئی زبانوں پر عبور، یہی صلاحیتیں تھیں جو موساد اپنے جاسوس میں دیکھنا چاہتی تھیں، وولف گینگ کی ایک اور خوبی اُس کی بے مثال اداکاری تھی جو اُسے ماں سے ورثے میں ملی تھی، وہ بغیر ختنوں کے یہودی تھا، یعنی وہ بآسانی ایک عیسائی کے روپ میں خفیہ سرگرمیوں کے لئے بھیجا جا سکتا تھا۔

آخر ایک روز موساد نے اُسے براہِ راست ملازمت کی پیشکش کی، وہ ویسے بھی زندگی میں ایڈونچر کرنے کا شیدائی تھا، اُس نے فوراً حامی بھر لی، جلد ہی تل ابیب میں موساد کے ٹریننگ انسٹیٹیوٹ میں اُس کا دو سالہ کورس شروع ہوا، یہ انتہائی سخت تربیتی مرحلہ تھا، اس دوران میں اُسے جاسوسی کے مختلف طور طریقے، خفیہ ریڈیو ٹرانسمیٹر سے پیغامات بھیجنے، اور مختلف مہلک ہتھیاروں کے استعمال سے روشناس کیا گیا۔ اُسے ملٹری ہارڈ ویئر اور جدید ہتھیاروں کے متعلق بھی تفصیلی معلومات فراہم کی گئی تا کہ فیلڈ میں ان چیزوں کو دیکھ کر وہ کسی اُلجھن میں گرفتار نہ ہو۔

آخر میں اُسے مصر کی تاریخ، ثقافت اور سیاست کے متعلق ایک مفصل کورس کرایا گیا۔

مصر میں سرایت کرنے سے پہلے اُس کیلئے ایک ایسا بھیس (Fool Proof Cover) درکار تھا، جس سے وہ بآسانی شناخت ہونے کے خطرے سے محفوظ رہے،

موساد کے ماہرین نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مصر میں اپنا حقیقی نام ہی استعمال کرے گا۔ اُس کا ایک سوانحی خاکہ یوں تیار کیا گیا کہ اُس میں کچھ سچ اور کچھ فرضی داستان کا ملغوبہ تھا، خاکے میں سچ سے انحراف اُس کی عمر کے تیرویں برس کے بعد دکھایا گیا، حقیقت میں تو وہ اپنی عمر کے اس حصے میں، اپنی ماں کے ہمراہ فلسطین منتقل ہو تھا، لیکن فرضی داستان کے مطابق وہ جرمنی ہی میں مقیم رہا اور جب دوسری عالمی جنگ چھڑی تو وہ جنرل رومیل کی زیر قیادت Afrika Corps میں بھرتی ہوگیا (وولف گینگ افریقہ کور کے متعلق پہلے ہی سے بہت کچھ جانتا تھا، "جنگ ختم ہوئی تو وہ آسٹریلیا چلا گیا، جہاں وہ گیا رہ سال تک مقیم رہا، وہاں اُس نے گھوڑوں کا فارم خریدا اور خوب دولت کمائی، کچھ عرصے بعد وہ جرمنی واپس آ گیا، جہاں سے اُس نے مصر روانگی اختیار کی، قاہرہ میں اُس نے دوبارہ ریس[race] کے گھوڑوں کا کاروبار شروع کیا"

بالآخر نومبر ۱۹۵۹ء میں موساد نے اُسے جرمنی بھیجا تا کہ وہ اپنے خفیہ مشن کے پہلے مرحلے میں اپنی جرمن شہریت دوبارہ بحال کر سکے، اُس نے پہنچتے ہی متعلقہ حکام کو درخواست دی کہ وہ اب اسرائیل دوبارہ نہیں جانا چاہتا ہے لہٰذا اُسے جرمن شناختی دستاویزات اور پاسپورٹ جاری کر دیے جائیں، جرمن حکام نے فوراً اُس کی استدعا منظور کرتے ہوئے اُسے تمام سہولیات مہیا کر دیں، اس طرح وہ ایک بار پھر مکمل جرمن شہری بن گیا۔

وہ شروع شروع میں برلن میں مقیم رہا، پھر میونخ منتقل ہوا، وہ اس عرصے میں کبھی ایک جگہ مستقل نہیں ٹھہرا، اُس نے متعدد بار اپنا ٹھکانہ تبدیل کیا تا کہ کھوج لگانے والوں کو اُس کا صحیح سراغ ہی نہ ملے، اُسے پتہ تھا کہ اگر مصر میں کوئی اُس کی شناخت کے لئے متجسس ہو، تو وہ صرف برلن تک ہی پہنچ سکے گا جہاں اُسے اتنا ہی پتہ چل سکے گا کہ وولف گینگ نامی شخص بالکل تھا اور یہیں رہتا تھا اس کے بعد اُس کا کوئی پتہ نہیں چلا"

ایک سال بعد وولف جینگ کو تل ابیب سے اشارہ ملا کہ وہ مصر جانے کی تیاری شروع کر دے، موساد نے اس دوران میں ایک سوئس بینک میں اُسکے خفیہ اکاؤنٹ میں لاکھوں ڈالر جمع کرا دیے۔

وولف گینگ جنوری ۱۹۶۱ء کو ایک بحری جہاز میں قاہرہ پہنچا، وہ ایک امیر ترین سیاح کے بھیس میں قاہرہ کے ایک فیشن ایبل ہوٹل میں ٹھہرا، مصری اعلیٰ سوسائٹی میں روابط پیدا کرنے کے لئے اُس نے قاہرہ کے مختلف رائڈنگ کلبوں میں جانے کا فیصلہ کیا، خوش قسمتی سے وہ پہلی بار جس کلب میں وارد ہوا وہ قاہرہ کا سب سے فیشن ایبل کیوری کلب تھا، مصری فوج کے اکثر اعلیٰ افسر اسے اپنا دوسرا گھر سمجھتے تھے، یہاں آرمی، ائرفورس اور پولیس کے علاوہ سول افسروں کی بھی ممبر شپ تھی، یہاں وولف گینگ کی سب سے پہلے جس شخص سے ملاقات ہوئی وہ مصری پولیس کا سربراہ یوسف غراب تھا، وولف گینگ نے اپنا تعارف بطور Horse breeder کرایا، وہ دونوں جلد ہی دوست بن گئے، وولف گینگ کو کلب کی ممبر شپ لینے میں قطعی کوئی دشواری پیش نہیں آئی، کلب کے تمام ممبرز نے اُسے فراخدلی سے خوش آمدید کہا، چند ہی دنوں میں اُسے شہر کی ممتاز شخصیت، پینے ہی ڈنر، اور کاک ٹیل پارٹیوں میں مدعو کرنے لگیں، وہ آرمی کے جرنیلوں اور دیگر اعلیٰ افسروں کیساتھ گھڑ سواری کی مشقوں میں نظر آنے لگا۔

گھوڑوں کے دلدادہ، لہٰذا مصری تاجر اور دیگر سیاسی اور فوجی شخصیات گھوڑوں کے متعلق اُس ہی سے صلاح مشورہ کرنے لگے تھے۔

وولف گینگ کے گھر میں بھی آئے دن پر تکلف ڈنر پارٹیاں شروع ہو چکی تھیں، وہ اپنے دوستوں کو پیرس سے بطور خاص درآمد شدہ شیمپین

پلا کر خوش کرتا تھا، اِس شرب کی درآمد پر اُس نے موساد کا اچھا خاصا سرمایہ خرچ کیا۔ تل ابیب میں اُسکے افسر اُسے شمپین سپائی (Champaign spy) کہنے لگے۔

اس کے علاوہ وہ ملٹری افسروں کی بیگمات کو بھی نت نئے قیمتی تحائف جن میں بیش قیمت جیولری اور ملبوسات شامل تھے، سے نوازتا۔ عملی طور پر موساد کے اکاؤنٹ سے اُسے ماہانہ ۸۵۰ ڈالر تنخواہ ملتی تھی لیکن اُسکے دیگر اخراجات کیلئے موساد نے کبھی پس و پیش سے کام نہیں لیا تھا، سوئس بینک کے ایک اکاؤنٹ میں لاکھوں ڈالر رکھے گئے تھے وہ اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی وقت اس سے رقم نکالنے کا مجاز تھا، اُس کا کوئی آڈٹ نہیں ہوتا تھا۔

قاہرہ میں چھ ماہ قیام کے بعد وہ موساد کی ھدایت پر پیرس گیا جہاں اُسے چند سنیئر افسروں نے اس سے پوچھ گچھ کی اور اُس کی زبردست کامیابیوں پر اُسے شاباش دی گئی۔ یک افسر نے اُسے سراہتے ہوتے کہا کہ تل ابیب میں اُسے The Eye of Telaviv in Cairo کا نام دیا گیا ہے، پیرس میں دو تین ہفتے گزارنے کے بعد وہ ایک نئے طاقتور ریڈیو ٹرانسمیٹر اور ہزاروں ڈالرس تھما لیکر دوبارہ قاہرہ روانہ ہوا۔

وہ Orient Express ٹرین میں مغربی جرمنی جارہا تھا دوران سفر میں اُس کی ملاقات ایک جرمن دوشیزہ کے ساتھ ہوئی، جس کا نام والٹر ڈ تھا، وہ امریکہ میں رہائش پذیر تھی اور اب اپنے والدین سے ملنے جرمنی جارہی تھی، وہ ایک ہی نظر میں ایک دوسرے پر فریفتہ ہوگئے جرمنی پہنچتے ہی یہ سرراہ ملاقات شادی پر منتج ہوگئی۔

موساد کے ڈائریکٹر کو جب اس شادی کی اطلاع پہنچی تو اُس نے سخت برہمی کا اظہار کیا، اُدھر وولف گینگ نے بھی اپنے سنیئرز کو دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ بیوی کے بغیر ہرگز مصر واپس نہیں جائے گا، موساد کے لئے یہ صورت حال انتہائی پریشان کن تھی کیونکہ وولف بینگ جس خطرناک مشن کے لئے چنا گیا تھا اُس میں بیوی کی موجودگی اُس کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔ وولف گینگ نے اس معاملے کو مزید خطرناک بناتے ہوئے اپنی بیوی پر یہ راز منکشف کردیا کہ وہ مصر میں اسرائیل کے لئے جاسوسی کررہا ہے اور اگر وہ پکڑا گیا تو مصری اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

موساد کے لوگ تذبذب میں تھے وہ اس مایہ ناز ایجنٹ کو کھونا بھی نہیں چاہتے تھے جو پہلے ہی زبردست کارکردگی کا مظاہرہ کرچکا تھا، مصر کے سیاسی اور فوجی صورت حال کے بارے میں اُس کی اطلاعات اتنی جامع اور زبردست ہوتی تھی کہ اسرائیلی وزیراعظم اُسی روز اسے پڑھتا جس روز یہ تل ابیب میں موساد کے ہیڈکوارٹر پہنچتی۔

بالآخر اسرہیرل (موساد کے ڈائریکٹر) نے اُسے بیوی ساتھ رکھنے کا گرین سگنل دے دیا، کیونکہ اُسکے پاس کوئی دوسرا چارہ کار ہی نہیں تھا، وہ 1961ء کے موسم گرما میں ایک اطالوی بحری جہاز (Ausonia) میں واپس مصر پہنچا (اس کے سات مہینے بعد ایلی کوہن نے بھی اسی جہاز پر اٹلی سے بیروت تک سفر کیا) جبکہ والٹراڈ نے چند ہفتوں کی تاخیر سے آنا تھا، وولف گینگ کے سوٹ کیسوں میں جاسوسی ساز و سامان کے علاوہ درجنوں کے حساب سے قیمتی تحفے اور تحائف تھے جو اُس نے یورپ میں خریدے تھے۔

جب اُس کا جہاز سکندریہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا، تو اُس کے دوستوں نے اُس کا شاہی استقبال کیا۔

پولیس چیف، یوسف علی غراب بنفس نفیس اُسے ریسیو کرنے آیا تھا، وہ اُسے اپنی کار میں خود ڈرائیو کرتا ہوا قاہرہ لیکر گیا، جہاں اُس کے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی کا انتظام ہوا تھا۔

اس مرتبہ اُس نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ چند عربی النسل گھوڑوں کی خریداری تھی، وہ قاہرہ میں عنقریب اپنا ذاتی گھڑسواری کا سکول کھولنے والا تھا، اُس نے قاہرہ کی اعلیٰ سوسائٹی میں اپنے لئے بھرپور مقام پیدا کر لیا تھا، والٹراؤ کی آمد سے پہلے ہی اُس نے شہر کے مضافاتی فیشن ایبل علاقے میں ایک وسیع اور خوبصورت مکان کرائے پر لے لیا تھا۔ اُس کی یہ رہائش گاہ کیولری کلب کے بالکل نزدیک تھی۔

اس کے علاوہ اُس نے اپنے رائڈنگ سکول کے لئے اہرام مصر(Pyramids) کے قریب وسیع وعریض اصطبل بھی خریدے۔

کچھ عرصہ بعد جب والٹراؤ قاہرہ پہنچی تو وہ اپنا تمام کاروبار سیٹ کر چکا تھا، اُس کے دوستوں کو جب پتہ چلا کہ وہ یورپ میں والٹراؤ سے شادی کر چکا ہے، تو انہوں نے تحفے تحائف اور پھولوں سے اُس کے مکان کو بھر دیا، کئی روز تک اُسے ڈنر پارٹیاں دی گئیں۔

اُس کے وسیع حلقہ احباب میں اب دو اور انتہائی اہم افراد کا اضافہ ہو چکا تھا، یعنی بریگیڈیر فواد عثمان اور کرنل محسن سید، یہ دونوں ملٹری انٹیلیجنس میں اہم عہدوں پر فائز تھے

بریگیڈیر فواد عثمان مصر میں ملٹری فیکٹریوں اور راکٹ بیسز(Roacket Bases) کی سیکورٹی انتظامات کا انچارج تھا، اور اتفاق سے وولف گینگ انہی حساس تنصیبات کے بارے میں معلومات اکٹھی کر رہا تھا۔

صدر جمال عبدالناصر کا ایک قریبی معتمد اور مشیر حسین الشفیع بھی وولف گینگ کی پینے پلانے کی محفلوں میں اکثر شریک ہوتا تھا، وہ کبھی کبھار نشے کی حالت میں اپنی حکومت کے خفیہ فیصلوں کے بارے میں ایسی باتیں کہہ جاتا تھا جو اکثر کسی کو پتہ بھی نہیں ہوتی تھیں۔

مصری دوستوں کے علاوہ، وولف گینگ نے قاہرہ میں مقیم کئی سابقہ نازی جرمن ماہرین اور سائنسدانوں کے ساتھ بھی قریبی مراسم پیدا کر لئے تھے، ان جرمنوں کے بارے میں وہ خاصی معلومات جمع کر کے تل ابیب بھیج چکا تھا۔

ایک روز ایک جرمن دوست کے گھر اُس کی ملاقات ڈاکٹر Eisele سے ہوئی، یہ وہی شخص تھا جس نے دوسری عالمی جنگ کے دوران پولینڈ کے ایک کنسنٹریشن کیمپ میں ہزاروں یہودی بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو اپنے طبی تجربات کے دوران چیر پھاڑ دیا تھا، وہ اب مصر میں کیمیائی ہتھیاروں کے پروگرام میں ریسرچ کر رہا تھا۔

وولف گینگ نے اپنے ٹرانسمیٹر کے ذریعے تل ابیب کو ڈاکٹر Eisele کے بارے میں اطلاع دی۔

ان جرمن سائنسدانوں کے ساتھ مراسم پیدا کرنے کے لئے اُسنے خود کو یہودیوں کا سخت دشمن(Anti-Semite) ظاہر کیا، وہ ان کے سامنے ہروقت ہٹلر کے Final soulutionof Jewish Question آپریشن کی تعریفیں کرتا رہتا تھا، وہ کہتا کہ اگر یہ آپریشن مزید کچھ عرصہ جاری رہتا تو یورپ یہودی نسل سے پاک ہو جاتا۔

وولف گینگ کے اس Pro-Nazi روپ سے ایک بار تل ابیب میں بڑی دلچسپ صورت حال پیدا ہوئی، ہو یوں کہ موساد کا ایک اور

جاسوس جسے وولف گینگ کے بارے میں پتہ نہیں تھا کہ وہ اسرائیلی ایجنٹ ہے، ایک اور سیکرٹ مشن پر قاہرہ بھیجا گیا، وہاں سے واپسی پر اُس نے اپنے افسروں کو رپورٹ پیش کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ وہ مصر میں گھوڑوں کے تاجر کا بھیس بدل کر ایک رائڈنگ سکول کھولنا چاہتا ہے، اُس نے وولف گینگ کا نام لیتے ہوئے کہا، وہاں یہ شخص جو سابقہ نازی فوجی افسر ہے ایک بہترین ہارس رائیڈنگ سکول چلا رہا ہے۔ اُس کے مصری افواج کے بڑے بڑے افسروں کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں، میں وہاں جا کر اس شخص کیساتھ تعلق پیدا کرلوں گا اور ایک دن اُسے ٹھکانے لگا دوں گا۔ انہوں نے اُسے کہا، فی الحال ہم رائیڈنگ سکول جیسی چیزوں پر اتنا سرمایہ خرچ نہیں کر سکتے، ہم وولف گینگ پر ایک دوسرے ذریعے سے نگرانی کر رہے ہیں، تم اُسکے معاملے سے دور ہی رہو۔

محدود بجٹ کی بات کسی قدر صحیح بھی تھی، موساد حقیقت میں بھی پیسوں کے معاملے میں بڑی محتاط ہے، اس کے پاس CIA برطانوی SIS کی طرح وسیع فنڈ نہیں ہوتا لیکن وولف گینگ اس کے بجٹ کا غیر معمولی حصہ مصر میں اڑا رہا تھا لیکن اُس کے پاس اس کا معقول ترین جواز تھا جس کو موساد کا آڈٹ چیلنج نہیں کر سکتا تھا، بالخصوص اُسکے اخراجات میں شمپین پر جو روپیہ لگ رہا تھا وہ ہی ہوش رُبا تھا ہیڈ کوارٹر میں لوگ اب وولف گینگ کی ارسال کردہ رسیدوں کے ساتھ عادی ہو چکے تھے جو یورپ میں خریدے گئے کیمروں، کلائی گھڑیوں اور ٹیپ ریکارڈروں کی تھیں، یہ تحائف مصری دوستوں کے لئے ہوتے تھے، ایک مرتبہ ہیڈ کوارٹر کو وولف گینگ کا ایک ایسا بھاری بل موصول ہوا جس سے اُن کے ہوش اڑ گئے وہ جرمنی کے ایک پلاسٹک سرجن کا بل تھا جو اس زمانے میں کئی ہزار ڈالر کا تھا۔ وولف گینگ نے مصری پولیس چیف یوسف علی غراب کی اٹھارہ سالہ بیٹی حسینہ غراب کی ٹیڑھی ناک کو سیدھا کرنے کے لئے اس سرجن کی خدمات حاصل کی تھیں، اُس نے حسینہ سے وعدہ کیا تھا کہ اُس کی اٹھارویں سالگرہ پر وہ تحفے کے طور پر اُس کی ناک سیدھی کروائے گا۔

آرمی کے اعلیٰ افسروں کے ساتھ قریبی مراسم کی بدولت وہ مصر کے کئی حساس تنصیبات کا دورہ کر چکا تھا، بالخصوص وہ ایک دن نہر سویز کے کنارے واقع خفیہ ملٹری بیسز (Military Bases) کو دیکھنے گیا، اُسے ایک ائرفورس بیس بھی لیجایا گیا، جہاں روسی ساختہ مگ طیارے کھڑے تھے، اُس نے اپنے خفیہ کیمرے کی مدد سے ان جہازوں کی متعدد تصاویر بھی اُتاریں، ائرفورس کے ایک افسر نے بڑے فخر سے کچھ جہازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، یہ طیارے نقلی ہیں، خطرے کی صورت میں اصلی طیارے اُن زیرِ زمین ہینگرز میں چھپ دیے جاتے ہیں، مستقبل میں اگر کسی وقت اسرائیل اس ائرپورٹ پر بمباری کرنے میں کامیاب بھی ہوا تو وہ ان نقلی طیاروں پر اپنے بم ضائع کرے گا، وولف گینگ نے مصر کی اس حکمت عملی کی بے حد تعریف کی، واپس آکر اپنی رہائش گاہ سے اُسی رات اُس نے اپنے ٹرانسمیٹر سے تل ابیب کو اپنی نئی دریافت کی اطلاع دی۔

اگست ۱۹۶۲ء میں اُسے موساد نے فوراً پیرس پہنچنے کا ارجنٹ پیغام بھیجا، وہ اپنے افسروں سے ملنے اسی طرح یورپ کے مختلف ملکوں کے دورے کرتا رہتا تھا، جہاں وہ انہیں تفصیلی رپورٹ پیش کرتا اور نئی ھدایات لیکر واپس آجاتا تھا۔

اِس مرتبہ بھی حسبِ معمول وہ پہلے ایک پرواز سے روم آتا گیا جہاں سے وہ میونخ اور آخر میں پیرس پہنچا، مختلف ممالک کے چکر لگانے کا مقصد یہ تھا کہ اگر بالفرض کوئی اُس کا پیچھا بھی کر رہا ہو تو وہ کنفیوز ہو جائے۔

پیرس میں اس بار اُس کے افسر کچھ زیادہ خوش نظر نہیں آ رہے تھے، انہوں نے وولف گینگ کی سخت سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ مصر نے حال ہی میں زمین سے زمین مار کرنے والے میزائل کا کامیاب تجربہ کیا ہے اور تم نے ہمیں خبر تک نہیں دی ہے حالانکہ سی آئی اے نے سب کچھ معلوم کر کے ہمیں طلاع دی ہے، ساتھ بیٹھے ہوئے ایک دوسرے اسرائیلی نے بھی لقمہ دیتے ہوئے کہا تم جیسے شاہ خرچ ایجنٹ سے ہمیں یہ توقع ہرگز نہیں تھی ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے کہ تم مصر میں روزانہ پرتعیش پارٹیاں کراتے پھر رہے ہو، مصریوں کو شمپین پلا رہے ہو، یقیناً یہ تمہاری ضرورت ہے، اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کا یہی بہترین راستہ ہے مگر ہمیں بھی تم سے کچھ توقعات ہیں، تمہیں ہر لحہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، ہمیں مصری راکٹ سسٹم کے بارے میں فرسٹ ہینڈ معلومات درکار ہیں، پیرس سے واپسی پر وولف گینگ نے ایک نئے ولولے کیساتھ مصر میں مقیم جرمنوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنی شروع کی۔

چھ ہفتے بعد وہ جب دوبارہ موساد کے آدمیوں سے ملنے فرانس گیا تو اُس کے پاس اُن تمام جرمنوں کے مکمل کوائف تھے، اُس نے نہ صرف ان کے قاہرہ میں ایڈریس معلوم کرئے تھے بلکہ اُن کے بیوی بچوں کا اتہ پتہ جرمنی اور آسٹریا میں بھی لگا لیا تھا، اُس نے مصری میزائلوں اور راکٹوں کے بارے میں بھی ایک سیر حاصل رپورٹ اُن کے حوالے کی۔

وولف گینگ کا ایک فارم ہیلی پولس میں مصری آرمی کے ہیڈ کوارٹر کے عین سامنے واقع تھا، وہ اپنے گھوڑوں کی بھاگ دوڑ پر نظر رکھنے کے بہانہ فارم میں ایستادہ ایک دس فٹ اونچے ٹاور پر چڑھ کر فوجی ہیڈ کوارٹر کی طرف بغور دیکھا کرتا تھا، وہ ہیڈ کوارٹر میں فوجی گاڑیوں اور سٹاف کاروں کی اچانک غیر معمولی نقل و حرکت کو نوٹ کر کے موساد کو اطلاع دے دیتا۔

۱۹۶۲ء کے آواخر میں موساد نے مصری راکٹ پروگرام میں مصروف جرمنوں کو ڈرا دھمکا کر واپس جانے پر مجبور کرنے کے لئے ایک سیکرٹ آپریشن شروع کیا جسکا نام آپریشن ڈے موکلیز Operation Damocles تھا، موساد نے ان جرمن سائنسدانوں کو اور ان کے قریبی رشتہ داروں کو کئی پارسل بم بھیجے جس سے کئی افراد یا تو موقع ہی پر ہلاک ہو گئے یا شدید زخمی ہوئے، اس آپریشن میں وولف گینگ کا رول صرف دھمکی آمیز خطوط بھیجنے تک محدود تھا، یہ سارے خطوط موساد نے اُسکے لئے یورپ میں ٹائپ کرائے تھے اُن میں سے ایک خط جو قاہرہ میں کام کرنے والے ایک جرمن سائنسدان کو لکھا گیا تھا وہ کچھ یوں تھا

Dear Mr. Heintich Btawn,

We are writing to tell you that your name now appears on our black list of Germ Scientists employed in Egypt.

We'd like to think that you care for the safety of your wife, Elizabeth and your tw children, Niels and Trudi, It would be in your interest to cease working for t Egyptian military

Signed

The Gideonites

Gideon تورات میں مذکور ایک بہادر شخص کا نام تھا جس نے خانہ بدوش قبائل کی مدد سے دشمن کا ایک بہت بڑا حملہ پسپا کر دیا تھا۔

اسی قسم کے تقریباً پچاس کے قریب خطوں میں یہی نام استعمال ہوا تھا، موساد نے قتل و غارت گری اور دہشت گردی پر مبنی یہ آپریشن بڑی عجلت میں شروع کیا تھا، جس کا انہیں سوائے نقصان کے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا، ہوا یوں کہ نومبر ۱۹۶۱ء میں یورپ کے ایک ملک میں اسرائیلی سفارت خانے میں ایک روز ایک آسٹرین سائنسدان آیا، اُس نے کہا مصر نہ صرف میزائل بنانے میں مصروف ہے بلکہ وہ ایک Poor man's bomb پر بھی کام کر رہا ہے، یہ بم سٹرانشیئم (Strontium) اور کوبالٹ کی آمیزش سے تیار کیا جا رہا ہے، اس خفیہ پروگرام کا نام آپریشن قلوپطرہ (Celopatra) ہے، میں اس پروجیکٹ کے لئے ضروری ساز و سامان خریدنے پر مامور ہوں۔

اس خوفناک انکشاف سے موساد کے حلقوں میں کھلبلی مچ گئی، اسرجیرل نے وزیراعظم پر دباؤ ڈالا کہ وہ جرمنوں کو مصر سے ڈرا دھمکا کر بھگانے کے لئے آپریشن کرنا چاہتا ہے، بالآخر ۱۹۶۲ء کے آخر میں اس کی باقاعدہ منظوری دے دی گئی، اس آپریشن کا صرف اتنا اثر ہوا کہ کچھ جرمن سائنسدان تو واقعی مصر سے چھپ گئے وہ خوف سے چلے گئے یا اُن کا کام ختم ہو گیا تھا، یہ کبھی معلوم نہ ہو سکا، باقی ماندہ افراد کو مصری سکیورٹی ایجنسیوں نے زبردست تحفظ فراہم کیا اور وہ بڑے آرام سے اپنے کاموں میں لگے رہے۔

۱۹۶۴ء کے موسم خزاں میں مصر کی خارجہ پالیسی یک لخت تبدیلی ہوگئی اور یہی تبدیلی بالکل حادثاتی طور پر وولف گینگ کے زوال کا باعث بن گئی۔

ایک زمانے میں مصر کی فوجی اور اقتصادی ضروریات کا تمام تر دارومدار روس پر تھا لیکن کچھ عرصہ بعد دونوں ملکوں کے سفارتی تعلقات میں گرم جوشی تھوڑی کم ہوگئی اور یوں یہ سلسلہ بھی ختم ہو کر رہ گیا، لیکن ۱۹۶۴ء میں سویت یونین نے دوبارہ یہ امداد بحال کر دی، اس کے ساتھ ہی روس نے صدر ناصر پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ مشرقی جرمنی کے صدر مسٹر والٹر البریخت کو مصر کے دورے پر مدعو کریں، یہ قدم مشرقی جرمنی کو تسلیم کرنے کے مترادف تھا جبکہ روس کے لئے یہ زبردست سیاسی فتح تھی، بون (Bonn) گورنمنٹ نے اس پر اپنے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے صدر ناصر کو دوٹوک الفاظ میں دھمکی دی کہ وہ صدر البریخت کے دورہ مصر کی صورت میں اپنے سفارتی تعلقات مصر کے ساتھ منقطع کر دے گا، لیکن صدر ناصر کے پاس اب کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا، اُس نے فروری ۱۹۶۵ء میں اس دورے کے لئے باقاعدہ دعوت نامہ بھی بھیج دیا۔

پھر مغربی جرمنی نے مصر کو تمام اقتصادی امداد روکنے کی دھمکی دی لیکن صدر ناصر ٹس سے مس نہ ہوا، وہ دراصل بون گورنمنٹ کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ اس قسم کی دھمکیوں سے وہ مرعوب ہونے والا نہیں ہے، وہ روسیوں کی ایک دیرینہ تشویش کو بھی ختم کرنے کے لئے براہ راست ایکشن کا فیصلہ کر چکا تھا وہ یہ کہ قاہرہ میں کام کرنے والے روسیوں نے متعدد بار شکایت کی تھی کہ Gehlen (ویسٹ جرمن سیکرٹ سروس) سی آئی اے کے ساتھ مل کر اُن کے خلاف جاسوسی کر رہی ہے، مصری سراغ رساں ادارے فوراً اس کا قلع قمع کریں وغیرہ

کے جی بی کے اشارے پر ناصر نے اسی دوران میں، قاہرہ میں مقیم تمیں ویسٹ جرمن باشندوں کی گرفتاری کا حکم دیا، ان میں کچھ سیاح بھی شامل تھے، بہانہ یہ بنایا گیا کہ ان لوگوں کے متعلق شک تھا کہ وہ صدر Ulbricht کو دورہ مصر کے دوران قتل کر دیں گے۔

وولف گینگ جرمن کمیونٹی کی ممتاز شخصیت تھی، اُس کی گرفتاری بالکل فطرتی تھی، بالکل اتفاق سے والٹراؤڈ کے ماں باپ اسی پکڑ دھکڑ کے دوران چھٹیاں گزارنے قاہرہ پہنچے۔

رُوسی مشیروں کو خوش کرنے کے لیے مصری سیکرٹ پولیس نے وولف گینگ، والٹراؤڈ اور والٹراؤڈ کے والدین کو فوراً گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔

۲۲ فروری کو، صدر Ulbricht کے دورے سے دو دن پہلے، پولیس کی ایک بھاری نفری وولف گینگ کی رہائش گاہ پہنچی، وہ چاروں جرمن اُس وقت تو گھر پر موجود نہیں تھے بلکہ وہ جنرل غراب جو اب گورنر بن چکا تھا، کے پاس ڈنر پر مدعو تھے، وہ جونہی واپس آئے تو پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا اور ہتھکڑیوں میں جکڑ کر پولیس سٹیشن لے آئے۔ قاہرہ میں جرمن سفارت خانے نے جب ان گرفتاریوں پر احتجاج کیا تو مصری وزارت داخلہ نے یقین دہانی کرائی کہ یہ سب کچھ صدر ulbricht کے دورے کو محفوظ بنانے کی خاطر ہو رہا ہے، دورہ ختم ہوتے ہی ان سب حضرات کو رہا کر دیا جائے گا۔ حقیقت میں بھی یہی بات تھی، بعد میں واقعی ان سب لوگوں کو رہا کر دیا گیا تھا، مگر وولف گینگ کی بدقسمتی تھی کہ وہ اپنی گرفتاری کا کچھ اور مطلب لے بیٹھا، وہ سمجھا اُس کا پول کھل گیا ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں تھا اُس کی گرفتاری بھی باقی جرمنوں کی طرح معمول کے مطابق تھی۔

پولیس نے جب اُس سے پوچھ گچھ شروع کی تو وہ اچانک کہنے لگا، آپ جو کچھ بھی چاہتے ہیں، وہ میں خود ہی بتا دیتا ہوں مگر اس معاملے میں میری بیوی اور اُس کے ماں باپ بالکل بے قصور ہیں، آپ انہیں فوراً رہا کر دیں تو اچھا ہوگا، میں مکمل تعاون کا وعدہ کرتا ہوں۔

یہ ایسا اتفاقی انکشاف تھا کہ انٹیلی جنس پولیس کا انچارج تھوڑی دیر کے لئے ہکا بکا رہ گیا کیونکہ اُسے یہ توقع ہی نہیں تھی کہ وہ ایک اسرائیلی جاسوس کو حادثاتی طور پر پکڑ چکا ہے، خیر وہ انتہائی پیشہ ور پولیس افسر تھا، اُس نے فوراً اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے بڑے کرخت لہجے میں کہا، ہمیں سب کچھ پتہ ہے بلکہ کافی عرصے سے پتہ ہے تم کتنے عرصے سے یہاں ہو اور کیا کرتے رہے ہو، یہ سب ہمیں معلوم ہے، بس اب بہتر یہ ہوگا کہ اپنا اور ہمارا وقت ضائع کیے بغیر سب کچھ سچ سچ اُگل دو۔

یہ کہہ کر پولیس افسر نے گرج کر کہا، ٹرانسمیٹر کہاں چھپایا ہوا ہے؟

باتھ روم کی دیوار میں یک ٹائل کے پیچھے، وولف گینگ نے دھیمی آواز میں کہا، تھوڑی دیر میں پولیس کے باقی افراد نے مطلوبہ ٹرانسمیٹر باتھ روم سے برآمد کر لیا۔

تلاشی کے دوران پولیس نے جاسوسی کے مختلف آلات کے علاوہ انتہائی طاقتور دھماکہ خیز مادہ بھی دریافت کیا جو صابن کی متعدد ٹکیوں میں چھپایا گیا تھا ایک سیف سے ۷۵ ہزار امریکی ڈالر بھی برآمد ہوئے جو وولف گینگ نے شاید اپنے یاروں پر خرچ کرنے کے لئے رکھے ہوئے تھے۔

پولیس وولف گینگ کو اُس کی فیملی سمیت مزید پوچھ گچھ کے لئے ایک خفیہ مقام پر لے گئی، وہاں وولف گینگ کی عصب شکن Debriefing کا طویل سلسلہ شروع ہوا، دن رات، تیز برقی بلب کے سامنے اُس سے پوچھ گچھ ہوتی رہی۔

اُس نے کمال ہوشیاری سے کچھ سچ اور کچھ جھوٹ کے درمیان رہ کر پولیس کو مطمئن کرنے کی سعی شروع کی، وہ بڑی حد تک اس میں کامیاب رہا، اس کے دو بڑے مقاصد تھے جنہیں سامنے رکھ کر وہ بول رہا تھا والٹراود اور اُس کے والدین کی جان بچانا اور (۲) اور اپنی اصلیت کے بارے میں کم سے کم راز فاش کرنا۔

وہ پوچھ گچھ کے پہلے مرحلے ہی سے اس بات پر اڑا رہا کہ وہ پیدائشی طور پر جرمن عیسائی ہے، اس نے جرمنی میں اپنی تعلیم مکمل کی ہے اور اب بھی جرمن شہریت کا حامل ہے، دراصل وہ پولیس کو یہ باور کرانے کی تگ ودو میں لگا ہوا تھا کہ وہ خالص جرمن شہری ہے اور محض اسرائیلیوں کے جھانسے میں آ گیا تھا۔

وہ شروع سے لیکر آخر تک موساد کی خود ساختہ سوانح پر ڈٹا رہا، اُس نے مزید کہا میں جنگ کے ختم ہوتے ہی جرمنی سے آسٹریلیا منتقل ہو گیا (وہاں میں نے گھوڑوں کا ایک فارم خریدا میں نے اس کاروبار میں خوب دولت کمائی میں گیارہ سال گزار کر جرمنی واپس آیا، میں وہاں بھی یہی بزنس شروع کرنا چاہتا تھا، برلن میں مجھے جوزف نامی ایک شخص ملا، وہ خود بھی گھوڑوں کی تجارت کا دعویٰ کر رہا تھا، اُس نے مجھے قاہرہ میں فارم کھولنے کی ترغیب دی، میں ذاتی طور پر کافی عرصے سے قاہرہ میں بزنس کرنے کا خواہش مند تھا، تھوڑے ہی عرصے میں جوزف کے ساتھ میری اچھی خاصی دوستی پیدا ہو گئی، بالآخر ایک دن ہم دونوں قاہرہ پہنچ گئے، وہاں ہم نے اپنے Stud form کے لئے جگہ خریدی، اس کے تعمیر پر سارا سرمایہ جوزف نے اپنی طرف سے خرچ کیا، اُس نے فارم کے لئے تمام عربی النسل گھوڑے بھی خود اپنی جیب سے خرید کر دیے، میں انتہائی حیران تھا کہ وہ یہ سب کچھ کیوں کر رہا تھا، آخر اُس نے مجھے ایک دن اپنی اصلیت بتا دی۔

وہ یورپ میں موساد کے جاسوسی جال کا انچارج تھا میں اس انکشاف سے بے حد خوف زدہ ہو گیا تھا۔

میں اب ہر طرف سے اُن کے جال میں بڑی طرح پھنس چکا تھا، میں نے مجبوراً اُن کے لئے کام کرنا شروع کیا۔

میں نے اُن کے لئے مصر کے اہم فوجی تنصیبات کی تصویریں اتاریں، جرمن سائنسدانوں کو پارسل بم بھیجے اور اس کے علاوہ کئی حساس معلومات فراہم کیں، مگر میں اُن کی حرص ولالچ کو ختم نہ کر سکا وہ ہر دفعہ مزید مطالبات کرتے گئے، میں جب بھی مزید کام نہ کرنے کی خواہش ظاہر کرتا وہ مجھے دھمکی دیتے کہ وہ مصری انٹیلی جنس کو کسی طرح اطلاع کر دیں گے کہ یہ شخص موساد کا ایجنٹ ہے پھر مصری انٹیلی جنس مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی، میں ذاتی طور ایک کمزور دل کا انسان ہوں، مجھے انہوں نے خوف وہراس میں رکھ کر اپنا کام نکالا۔

اب میں آپ کے رحم وکرم پر ہوں، میں نے حرف بہ حرف حقیقت بیان کر دی ہے۔

مصری پولیس وولف گینگ کی رام کہانی سننے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ واقعی جرمن شہری ہے اور موساد کے جال میں پھنس چکا ہے۔

ایک ڈاکٹر نے اُس کے غیر یہودی ہونے کے دعوے کی تصدیق کے لئے اُس کا طبی معائنہ کیا، بچپن میں اُس کے والدین نے یہودی رسم

کے مطابق اُس کے ختنے نہیں کیے گئے تھے آج یہی بات اُس کے لئے بڑی مددگار ثابت ہوئی ورنہ وہ پھانسی کے تختے پر جا پہنچتا۔

اِس کے بعد ُ سے ایک دوسرے کمرے میں لیجایا گیا جہاں ایک لمبی میز کے پیچھے ایک ایزی چیئر پر ایک ادھیڑ عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا، وولف گینگ اُسے پہلی نظر میں ہی پہچان گیا، وہ مصری انٹیلیجنس کا سربراہ صالح نصر تھا۔ اُس نے بڑی شستہ انگریزی میں وولف گینگ کو پاس پڑی ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا، پھر اُس نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا ہے مجھے افسوس ہے کہ تمھارے غیر یہودی ہونے کے دعوے کو کنفرم کرنے کے لئے یہ طبی معائنہ ضروری تھا، صالح نصر کے اس قدر نرم رویہ پر پاس ہی کھڑے ایک سینئر افسر نے بڑا مناتے ہوئے عربی میں کہا، یہ شخص جرمن ہے یا یہودی، میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں، مجھے صرف دو گھنٹے کی مہلت دیں یہ بالکل پرندے کی طرح چہکنے لگے گا، اس پر صالح نصر نے ڈانٹتے ہوئے کہا تم بالکل گدھے ہو۔ور سیاسی چال بازیوں سے نا واقف ہو، پھر وہ قیدی کی طرف متوجہ ہوا جو یوں تاثر دے رہا تھا جیسے وہ عربی سمجھ ہی نہیں رہا ہو، ہاں تو مسٹر وولف گینگ ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے کہ تمہیں پھانسی پر لٹکا دیں، ویسے بھی تمہاری پھانسی سے ہمارا مقصد حل نہیں ہوتا تمہارا بحیثیت جاسوس کیرئیر بہر حال ختم ہو چکا ہے، اب اگر تم تعاون کرو تو میرا ذاتی طور پر وعدہ ہے کہ تمہیں سزائے موت ہر گز نہیں دی جائے گی۔

اچھا اب سچ سچ بتاؤ، یہاں مصر میں تمھارا کن سرکاری وغیر سرکاری افراد کے ساتھ قریبی روابط ہیں؟ تمہارے دوسرے جاسوس ساتھیوں کے نام کیا ہیں؟ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرو تمہیں اسرائیل میں کہاں اور کب تربیت دی گئی ہے۔ ایک بات یاد رکھو اگر تم نے ذرا بھی چالاک بننے کی کوشش کی تو تم اپنے ساتھ اپنے خاندان کو بھی لے ڈوبو گے۔

اُسی دن صبح اُس نے ایک قریبی سیل سے مسلسل ایک عورت کی دردناک چیخیں سنیں، جس پر پولیس تشدد ہو رہا تھا، مصری انٹیلیجنس یوں اُسے باور کرا رہی تھی کہ گر وہ تعاون پر آمادہ نہیں ہوا تو اُس کا بھی یہی حشر ہو سکتا ہے۔

کئی دن کی مسلسل تفتیش میں وولف گینگ نے کمال ہوشیاری سے سچ اور جھوٹ کا ملغوبہ بنا کر پیش کیا۔ اُس نے انتہائی حساس رازوں کو اگلنے سے گریز کرتے ہوئے انہیں اپنی معمولی سرگرمیوں کی لمبی لمبی تفصیلات میں الجھائے رکھا، مثلاً اُس نے کہا ایک مرتبہ میرا ٹرانسمٹر خراب ہو گیا ور جو مرمت کے قابل ہی نہیں رہا تو میں نے اُسے ریزہ ریزہ کر دیا پھر اُسے ضائع کرنے کے لئے دریائے نیل گیا وہاں ایک کشتی کرائے پر لی اور بیچ دریا وہ چیز ڈبو دی میں اب بھی آپ کو وہ جگہ دیکھا سکتا ہوں۔

اُس نے ایک اور ہوشیاری یہ کی کہ کسی مصری شخصیت کا نام نہیں اُگلا

بالآخر کئی روز کی پوچھ گچھ کے بعد وہ کم از کم اپنی بیوی کے والدین کو بیگناہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا، چند دنوں بعد انہیں رہائی دیکر ملک سے نکل جانے کی اجازت دے دی گئی، لیکن وہ بیوی (والٹراڈ) کو سزا سے نہیں بچا سکا، کیونکہ مصری یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ایک شخص کئی سالوں سے جاسوسی کے دھندے میں ملوث رہا ہو اور اُس کی بیوی کو خبر ہی نہ ہو، وہ والٹراڈ کو برابر کی مجرم ٹھہرا چکے تھے۔

وہ موساد کی تاریخ میں سیاہ ترین دن تھے، اُس کے دو چوٹی کے جاسوس (ایلی کوہن اور وولف گینگ) دشمن ملکوں میں پکڑے جا چکے تھے،

اور یہ دونوں سزائے موت کے خطرے سے دوچار تھے۔

بعد میں یلی کوہن کو تو دمشق میں سزائے موت دی دی گئی لیکن وولف گینگ پر قسمت مہربان ہو گئی، مصری حکومت اُسے پھانسی دینے کے حق میں نہیں تھی، جس کی کئی وجوہات تھیں، جن میں ایک وجہ تو متعدد مصری جاسوس تھے جو اسرائیل کی جیلوں میں بند تھے، دوسری بات یہ تھی کہ وولف گینگ نے نہایت چالاکی یہ کی کہ وہ شروع ہی سے پولیس کے ساتھ بظاہر بڑے تعاون کا مظاہرہ کرتا رہا تھا نیز وہ اپنی جرمن شہریت ثابت کر کے پھانسی کے پھندے سے نکل چکا تھا۔

مقدمہ سے پہلے ہی وولف گینگ نے ا مصری ٹیلی ویژن پر اپنے جرائم کا اعتراف کیا، اُس نے والٹراؤڈ کے ہمراہ ٹی وی کیمرے کے سامنے بیان دیا۔

میں ۱۹۶۱ء سے مصر میں اسرائیل کے لئے جاسوسی کرتا رہا ہوں، میں نے نہر سویز کے علاقے میں نصب روسی میزائلوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں، اس کے علاوہ بھی میں کئی خفیہ اور غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث رہا ہوں، ابھی وہ بول رہا تھا کہ کیمرے کا رخ والٹراؤڈ کی طرف مڑ گیا۔ جو پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی تھوڑے توقف کے بعد اُس نے دوبارہ کہنا شروع کیا میں اپنے کئے پر سخت نادم ہوں مجھے شدت سے احساس ہے، کہ محض روپے پیسے کی لالچ میں آ کر میں نے مصری حکومت کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے۔

اسرائیل اگر مصر میں خفیہ جاسوسی کرنا چاہتا ہے تو وہ سادہ لوح جرمن باشندوں کے بجائے اپنے لوگ بھیجے، میں اپنے جرمن بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ زندگی میں کبھی اسرائیلیوں کے فریب میں نہ آئیں۔

مصری حکومت انتہائی خوشی کے عالم میں تھی کہ وولف گینگ نے اپنے جرائم پر نادم ہو کر اسرائیل کے خلاف اچھا خاصا بیان دیا ہے، مصر کے تمام الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر یہ بیان بطور پروپیگنڈا استعمال کیا گیا لیکن یہ اُن کی سادہ لوحی تھی یا بیوقوفی تھی وولف گینگ کا یہ ٹیلی وژن اعتراف جرم موساد کے ہیڈ کوارٹر میں بڑے شوق اور جذبے کے ساتھ دیکھا گیا۔

اسرائیلی اپنے ایجنٹ کی بے مثال اداکاری پر عش عش کر رہے تھے وہ انتہائی مطمئن تھے کہ مصری انٹیلی جنس اب بھی وولف گنگ کی اصلیت سے بے خبر تھی اور یوں وہ محفوظ تھا۔

جولائی ۱۹۶۵ء میں مقدمہ کی کاروائی شروع ہوئی، وولف گینگ کو اپنی دفاع کے لئے با قاعدہ وکیل کی سہولت مہیا کی گئی، عدالتی عمل کو دیکھنے کے لئے مغربی جرمنی سے ایک "بررور" بھی قاہرہ آیا، ایلی کوہن کی نسبت اُس کے ساتھ مصری عدالت کا رویہ نہایت منصفانہ اور نرم رہا۔

وولف گینگ نے اپنی بیوی کا ڈٹ کر دفاع کرتے ہوئے اصرار کیا کہ وہ بالکل بے گناہ ہے۔

ہماری ملاقات پیرس سے آتے ہوئے ایک ٹرین میں بالکل اتفاقی طور پر ہوئی تھی، شادی کے بعد جب ہم قاہرہ منتقل ہوئے تو اُسے اتنا ضرور پتہ چلا کہ میں اپنے بیڈ روم میں پڑے ہوئے ریڈیو ٹرانسمیٹر سے ہر دوسرے تیسرے دن کچھ پیغامات بھیجتا رہتا تھا، اُس نے کئی بار مجھ سے اس بارے میں پوچھا بھی مگر میں نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ میں NATO کے لئے کام کر رہا ہوں، اس کے بعد اُس نے مجھ سے کبھی یہ سوال نہیں دہرایا۔

کمرہ عدالت میں سفید سوٹ میں ملبوس والٹراڈ جو نہایت خوبصورت اور متاثر کن لگ رہی تھی، نے اپنے جذباتی بیان سے نہ صرف جج بلکہ ٹیلی ویژن پر مقدمہ کی کاروائی دیکھنے والے لاکھوں مصریوں کے دل موہ لیے اُس نے اپنے بیان میں کہا

''یہ میرے خلاف نازی جرمن سائنسدانوں کی سازش ہے جو اس وقت مصر کے لئے کام کر رہے ہیں۔ مجھے حقیقت میں بڑا صدمہ ہوا جب مجھے اپنے شوہر کی غیر قانونی سرگرمیوں کا پتہ چلا، لیکن بحیثیت ایک بیوی کے، یہ میرا فرض ہے کہ مصائب کی گھڑی میں، میں اُس کا ساتھ دوں شاید آپ کو عجیب محسوس ہو مگر میں اب پہلے سے کئی زیادہ اپنے شوہر کو چاہتی ہوں۔ اُس کی قسمت کا فیصلہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے، میں آپ سے عاجزانہ التجا کرتی ہوں، میرے شوہر پر زیادہ سختی نہ کریں، اس کے ساتھ وہ ایک بار پھر رو پڑی، اس میلوڈرامائی (Melo drammatic) سین سے، کمرہ عدالت موجود اکثر لوگوں کی آنکھیں بھیگ گئیں،

مقدمہ جُوں جُوں آگے بڑھ رہا تھا یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وولف گینگ اپنی اداکاری سے سب کو متاثر کر رہا تھا مصری حکومت کا بھی موقف یہ بن گیا تھا کہ وولف گینگ نے یقیناً جاسوسی کر کے مصر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے، مگر وہ کم از کم اسرائیلی اور یہودی نہیں ہے، لہٰذا اُسے سزا تو ضرور دی جائے گی مگر بے انصافی نہیں کی جائے گی۔

ڈولف گینگ نے مقدمے کے آخری مراحل میں کچھ خوف کے لمحات بھی محسوس کئے جب اچانک جرمنی سے ایک خط پہنچا وہ خط میونخ کے ایک وکیل نے بھیجا تھا، وہ موساد کے letter bomb بم کے نشانے بننے والے جرمن سائنسدانوں کے لواحقین کی طرف سے اسرائیل کے خلاف براہ راست بین الاقوامی عدالت انصاف میں کیس لڑ رہا تھا، اُس نے اپنے خط میں مصری عدالت کو انکشاف کیا کہ وولف گینگ حقیقت میں اسرائیلی شہری ہے، اُس نے باقاعدہ وہ تاریخ بھی درج کی تھی جس دن، وولف گینگ اسرائیل منتقل ہوا اور اُسے وہاں اسرائیلی پاسپورٹ جاری ہوا، اس کے علاوہ اُسنے دستاویزی ثبوت کیساتھ وولف گینگ کی ماں کو یہودی قرار دیا، خط میں اُس کی اسرائیلی آرمی میں سروس کے متعلق بھی کافی معلومات درج تھیں۔

اس پر وولف گینگ نے عدالت کو بتایا'' یہ لوگ مجھے پھانسی پر چڑھانا چاہتے ہیں، میں عدالت کے روبرو قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری ماں یہودی نہیں بلکہ پروٹسٹنٹ عیسائی تھی، وہ ۱۹۴۴ء میں اتحادیوں کی بمباری میں برلن میں ہلاک ہوگئی تھی، یہ سچ ہے، کہ میں ایک بار ۱۹۶۱ء میں اسرائیل گیا تھا، میں نے محض چودن وہاں قیام کیا تھا جہاں موساد کے تین چار افسروں نے میری بریفنگ کی تھی، جو کہ حرف بہ حرف میں یہاں بیان کر چکا ہوں، اس خط میں صرف ایک بات سچ لکھی گئی ہے، اور وہ میری جائے پیدائش یعنی Mannehim کے متعلق ہے۔

عدالت نے اس خط کو مسترد کر دیا۔

۲۱ اگست ۱۹۶۵ء کو عدالت نے اپنے فیصلہ سناتے ہوئے وولف گینگ کو عمر قید اور ۳۲۵۳۹ مصری پاؤنڈ جرمانے کی سزا سنائی جبکہ والٹراڈ کو تین سال قید سنائی گئی، اُن کے ساتھ صرف ایک مصری شخصیت کو اعانت جرم کے تحت سزا ہوئی اور وہ جنرل غوراب تھا۔

اب وولف گینگ کو مصری جیل میں اپنی زندگی کے ۲۵ سال گزارنے کا کٹھن اور طویل مرحلہ باقی تھا، لیکن ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ نے اُسکی قسمت بدل دی۔

چھ روزہ جنگ کے ختم ہوتے ہی اسرائیل نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل یوتھان کی وساطت سے مصر کے ساتھ جنگی قیدیوں کے تبادلے کیلئے بات چیت شروع کر دی۔

جنگ میں پکڑے گئے پانچ ہزار مصری فوجیوں کے بدلے میں اسرائیل اپنے چند ہوا بازوں اور نیوی فراگ مینوں کی رہائی کا مطالبہ کر رہا تھا، اس کے علاوہ ایک پیش کش میں اسرائیل نے نو مصری جرنیلوں اور متعدد سینئر فوجی آفسروں کی رہائی کے بدلے میں دس اسرائیلی جاسوسوں کو جو قاہرہ کی جیلوں میں بند تھے، چھوڑنے کو کہا۔

ان دس افراد میں وولف گینگ اور والٹراڈ کا نام سرفہرست تھا۔ تل ابیب نے پہلی بار تسلیم کیا، کہ وولف گینگ جسے مصری جرمن سمجھ رہے تھے، اسرائیلی شہری ہے۔

آٹھ مہینے تک صدر ناصر کیساتھ بالواسطہ بات چیت جاری رہی جسے انتہائی صیغہ راز میں رکھا گیا۔

اسرائیلیوں نے خیر سگالی کے طور پر تمام مصری جنگی قیدیوں کو پہلے ہی سے رہا کر دیا، صدر ناصر نے بھی وعدے کے مطابق اسرائیلی جاسوسوں کو خاموشی کیساتھ چھوڑ دیا، اس خبر کو کسی مصری اخبار یا میگزین تک پہنچنے نہیں دیا گیا۔ اسرائیل میں بھی ان کی آمد کو اخباروں میں شائع نہیں کیا گیا۔

وولف گینگ فیملی کو چار فروری ۱۹۶۸ کو قاہرہ ائیرپورٹ لیجایا گیا، انہیں لفتھانسا ائر کی فلائٹ نمبر ۲۷۴ جو بذریعہ ایتھنز میونخ روانہ ہونے والی تھی، میں بیٹھایا گیا، لیکن وہ ایتھنز میں ہی اُتر گئے جہاں ائیرپورٹ لاؤنج میں انہیں موساد کے دو اہل کار ملے وہ انہیں ایک دوسری پرواز میں لندن لے گئے۔

اڑتالیس گھنٹے بعد وہ تل ابیب کے بین الاقوامی ائیرپورٹ پہنچے، دونوں میاں بیوی نے بالکل نئے اور خوبصورت سوٹ پہنے ہوئے تھے، جو انہوں نے لندن میں Marks and Spencer کی ایک برانچ سے خریدے تھے، وہ کچھ عرصہ تل ابیب کے مضافات میں واقع ایک چھوٹے سے مکان میں رہائش پزیر رہے، وہاں انہوں نے ایک بار پھر ایک رائڈنگ سکول (Riding School) کھولا، والٹراڈ نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی اور تعصب کی حد تک صیہونیت کی حامی بن گئی، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اُن کی زندگی پر نحوست کا سایہ چھا گیا، والٹراڈ اچانک سخت بیمار پڑ گئی اور جلد ہی موت کی آغوش میں چلی گئی۔

اُس کی موت کے بعد وولف گینگ کافی عرصہ ڈیپریشن کا شکار رہا، ۱۹۷۳ء میں اُس کا رائڈنگ سکول بھی دیوالیہ ہو گیا۔ پھر وہ روزگار کی تلاش میں امریکہ گیا، وہاں اُس نے ایک اسرائیلی نژاد لڑکی سے شادی رچالی۔ لاس اینجلس میں اُس نے ایک دوست کے ہمراہ ایک پرائیویٹ Detective Agency کھولی وہ اکثر لوگوں سے کہتا تھا "مجھی میں جاسوسی دنیا کے متعلق تھوڑا بہت جانتا ہوں۔

لیکن یہ کام بھی آخر برباد ہو گیا جب اُس کے پارٹنر کی بیوی فرم کا تمام سرمایہ لیکر فرار ہو گئی۔

آخر کار جنوری ۱۹۷۵ء میں وہ ایک بار پھر مغربی جرمنی وارد ہوا،

میونخ میں ایک ڈیپارٹمینٹل سٹور میں اُسے جاب مل گئی،

اپنے شدید مالی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے اُس نے ایک دوست کو کہا،

موساد نے مجھے جتنا بھی معاوضہ دیا تھا، وہ سب میں نے اسرائیل میں اپنے رائڈنگ سکول پر لگا دیا تھا، اور وہ سارا سرمایہ ڈوب گیا۔

اب میرے پاس کیا بچا ہے، وہ مجھے محض دو سو ڈالر ماہانہ پنشن دے رہے ہیں، اس میں تو میرا گزارا بہت مشکل ہے۔

۱۹۷۷ء میں کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کے بعد جب صدر سادات پہلی بار یروشلم کے دورے پر آئے، اور دونوں ملکوں میں سفارتی تعلقات قائم ہوئے تو وولف گینگ ایک دن کہنے لگا۔ ہو سکتا ہے اب مجھے دوبارہ مصر کا ویزا مل جائے، میں ایک بار پھر دریائے نیل کے کنارے اپنا ہارس رائڈنگ سکول کھولوں گا، لیکن وہ پھر کہنے لگا، ہو سکتا ہے، وہ مجھے مصر میں داخلے کی اجازت ہی نہ دیں، میں نے بھی تو ایک عرصے تک انہیں بیوقوف بنائے رکھا تھا، مجھے یقین نہیں ہے، کہ وہ مجھے کبھی معاف کر دیں۔

سیریل ہائی جیکنگ

دس اگست 1973ء کو مڈل ایسٹ ائرلائنز (M E A) کا ایک مسافر بردار طیارہ بیروت انٹرنیشنل ائرپورٹ سے بغداد کیلئے فضاء میں بلند ہوا۔ طیارے میں اکیاسی مسافر سوار تھے۔ پرواز کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد طیارے کے کپتان نے کنٹرول ٹاور کو ریڈیو پیغام دیا "کچھ جنبی جنگی طیارے میری طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں" اس کے چند ہی لمحوں بعد اُن طیاروں نے اس مسافر بردار جہاز کو گھیرے میں لے لیا۔ جہاز کے کپتان نے دوبارہ کنٹرول ٹاور کو اطلاع دیتے ہوئے کہا

"ہمیں کے قریب جدید میراج طیارے جن پر سٹار آف ڈیوڈ (Star of David) بنے ہوئے ہیں مجھے ہر طرف سے گھیرے میں لے چکے ہیں"

تھوڑی دیر بعد طیارے کے کاک پٹ میں کپتان نے اپنے ریڈیو پر ایک کرخت آواز میں ایک حکم سُنا "میں اسرائیلی ائرفورس کا سکواڈرن کمانڈر بول رہا ہوں اپنا رُخ فوراً تل ابیب کی طرف موڑ لو ورنہ ہم تمہیں مار گرادیں گے" اس کے ساتھ ہی آواز غائب ہوگئی۔

طیارے کے کپتان نے مجبوراً فضاء میں ایک لمبا چکر کاٹ کر طیارے کا رُخ نئی منزل کی طرف موڑ دیا۔ جہاز میں مسافروں کو ابھی تک اصل صورت حال کا علم نہیں ہوا تھا اور کپتان نے بھی فیصلہ کرلیا تھا کہ انہیں فی الحال کسی گھبراہٹ سے دور ہی رکھا جائے۔ دراصل موساد کے ایک ایجنٹ نے بیروت سے اطلاع دی تھی کہ اس طیارے میں پی ایل او کا کمیونسٹ لیڈر ڈاکٹر جارج حباش اپنے نائب وادی حداد کے ہمراہ بغداد جا رہا ہے۔ اسرائیلیوں کو جارج حباش کے ساتھ لاتعداد ہائی جیکنگ (High Jacking) کا حساب کتاب بے باک کرنا باقی تھا۔

بین الاقوامی فضائی راستوں سے مسلسل کئی مرتبہ اسرائیلی اور یورپی ائرلائنوں کے طیارے اغواء ہوتے رہے اور ہر مرتبہ جارج حباش کے کمانڈوز اس میں ملوث پائے گئے اس خصوصی پرواز کی اطلاع ملتے ہی موساد کے ڈائریکٹر نے اپنے وزیراعظم کو بتادیا کہ ہم اس شخص کو اسرائیل میں اتارنا چاہتے ہیں۔ وزیراعظم نے بھی فوراً اس بات کی تائید کی۔ دو ائرفورس کے سربراہ کو وہیں سے پیغام بھیجا کہ اس طیارے کو فوراً تل ابیب میں اتار دیا جائے۔

آخرکار مڈل ایسٹ ائرلائن کے جمبو جیٹ نے اپنی سروس میں پہلی مرتبہ بن گوریان انٹرنیشنل ائرپورٹ کے رن وے پر لینڈنگ کی۔ چند لمحوں بعد طیارہ ائرپورٹ کے ایک کونے میں کھڑا ہوگیا۔ عین اسی لمحے متعدد فوجی گاڑیاں جن میں مسلح کمانڈوز بیٹھے ہوئے تھے، حرکت کرتی ہوئی طیارے کے اردگرد آکر کھڑی ہوگئیں۔ آدھی رات گذر چکی تھی مگر ائرپورٹ کی فلڈ لائٹس (Flood Lights) سے دن کا سماں پیدا ہو رہا تھا۔

جہاز کے انجن جونہی بند ہوئے تو مسافر اپنے اپنے سامان کی طرف لپک پڑے، وہ سمجھ رہے تھے کہ بغداد پہنچ گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اچانک جہاز کا مین گیٹ ایک جھٹکے کیساتھ کھل گیا اور ایک درجن کے قریب اسرائیلی کمانڈوز خودکار ہتھیار لہراتے ہوئے اندر داخل ہوگئے۔ ایک

کمانڈر نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں مسافروں کو ہاتھ اوپر اٹھانے کا حکم دیا۔ مسافر اس عجیب صورت حال سے بوکھلا گئے کہ وہ کہاں جا رہے تھے اور کہاں اُتر گئے ہیں۔

اسرائیلی کمانڈوز نے خواتین کو جہاز کے ایک کونے میں جمع کر کے مرد مسافروں کے پاسپورٹ چیک کرنا شروع کئے وہ ہر مسافر کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔

ادھر ائرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں وزیر دفاع موشے دایان اور چیف آف آرمی سٹاف بڑی بے چینی کے ساتھ جارج حباش کے "استقبال" کے لئے انتظار کر رہے تھے۔

جہاز کے تمام مسافروں کی اچھی طرح شناخت ہو چکی تھی مگر جارج حباش اس پرواز میں موجود نہیں تھا۔ موساد کی اطلاع پہلی مرتبہ غلط فہمی کا شکار ہو چکی تھی۔

موشے دایان کو جونہی بتایا گیا کہ حباش دراصل اس پرواز سے اچانک رہ گیا تھا تو وہ آرمی چیف جو پاس کھڑا ہوا تھا، پر برس پڑا اور انتہائی غصے میں کہا "تم تو فوراً اسی وقت ریزائن دے دو"

تھوڑی دیر بعد طیارے کو دوبارہ ٹیک آف کی اجازت دے دی گئی تو مسافروں نے سکھ کا سانس لیا۔ مزید ستم ظریفی دیکھئے کہ دو ہفتے بعد بیروت میں MEA کے دفتر میں بن گوریان ائرپورٹ انتظامیہ کی طرف سے ایک بل موصول ہوا۔ جس میں طیارے کو ایندھن اور دیگر سہولیات فراہم کرنے کے اخراجات درج تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ MEA انتظامیہ نے کبھی اس بل کی ادائیگی نہیں کی۔

ڈاکٹر جارج حباش کے متعلق اطلاع بالکل صحیح تھی وہ اسی طیارے سے بغداد سفر کرنے والے تھے۔ مگر ہوا یوں کہ اُس روز یہ پرواز کافی لیٹ ہو گئی تھی اور جارج حباش جو دل کے مریض تھے زیادہ انتظار نہ کر سکے اور عین موقع پر ہی اپنا پروگرام ملتوی کر کے واپس اپنی رہائش گاہ چلے گئے تھے۔

جارج حباش نے بعد میں ایک انٹرویو میں کہا "یہ دہشت گردی کی انتہا ہے اب وقت آ گیا ہے کہ عالمی برادری خود فیصلہ کرے کہ دہشت گرد کون ہیں۔

جب اقوام متحدہ نے فلسطینیوں کی حالت زار کو نظر انداز کرتے ہوئے اسرائیل کے ہاتھ مضبوط کرنے شروع کئے تو ایسے حالات میں فلسطینی فدائین نے عالمی توجہ حاصل کرنے کے لئے بین الاقوامی ہوائی راستوں سے مغربی ممالک اور اسرائیل کے مسافر بردار طیاروں کو اغوا کرنا شروع کیا۔

فلسطینی کمانڈوز نے پہلی بار ۱۹۶۸ء میں روم سے تل ابیب پرواز کے دوران ایک اسرائیلی بوئنگ کو اغوا کیا۔ ہوا یوں کہ ۲۲ جولائی کو روم میں اسرائیلی ائرلائن (ELAL) کے دفتر میں صبح ایک بھارتی نژاد پادری نے اگلے دن تل ابیب کی پرواز کے لئے تین ٹکٹ طلب کئے، پادری کا پاسپورٹ بھارتی تھا جبکہ اُس کے ساتھیوں کے پاسپورٹ ایرانی تھے، وہ اُس وقت اکیلا ٹکٹ خریدنے آیا تھا، فارم میں اُس نے اپنا ایڈریس "امپیریل ہوٹل روم" درج کیا ہوا تھا۔

دوسرے روز مقررہ وقت پر ELAL کا بوئنگ ۷۰۷ پچاس مسافروں کو لیکر روم انٹرنیشنل ائرپورٹ سے تل ابیب کے لئے فضا میں بلند ہوا، پرواز کے ٹھیک بیس منٹ بعد جب طیارہ بحیرہ روم کے اوپر محو سفر تھا، اکانومی سیکشن میں تین نوجوان لڑکے تیزی سے اپنی سیٹوں سے اُٹھے اور کاک پٹ کی طرف دوڑنے لگے، اُن کے ہاتھوں میں آٹومیٹک پستول اور گرینیڈ (Grenade) تھے۔ جہاز میں سوار مسافر خوف سے چیخنے لگے، جہاز کے عملے کے ایک فرد نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے اُسے لاتوں اور گھونسوں سے آدھ موا کر دیا۔ وہ کاک پٹ کا گیٹ کھول کر اندر داخل ہو گئے اُن میں سے ایک لڑکے نے پائلٹ کی کن پٹی پر پستول کی نال رکھتے ہوئے حکم دیا "یہ طیارہ اس وقت فلسطینی فدائین کے قبضے میں ہے، اپنا رخ فوراً الجزائر کی طرف موڑلو" پائلٹ نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے حکم کی تعمیل کی۔ کچھ دیر بعد طیارہ جب الجزائر کی فضائی حدود میں داخل ہوا تو ایک فلسطینی نے کنٹرول ٹاور کو بذریعہ ریڈیو اپنی شناخت کرائی، ٹاور سے جونہی کلیرنس ملی تو پائلٹ نے جہاز بحفاظت ائرپورٹ پر اتار لیا۔

جہاز کے انجن آف ہوتے ہی، متعدد فوجی گاڑیوں نے اسے گھیرے میں لے لیا، مسافر سمجھے کہ ہائی جیکنگ کا ڈرامہ ختم ہو گیا ہے مگر کنٹرول ٹاور سے ہائی جیکروں کو مبارکباد کا پیغام موصول ہوا، الجزائر کی حکومت نے فلسطینیوں کو زبردست تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ تھوڑی دیر بعد جب طیارے کے گیٹ کھلے تو تازہ دم فلسطینی کمانڈوز آٹومیٹک ہتھیار لہراتے ہوئے اندر داخل ہو گئے انہوں نے مسافروں کو پُرسکون رہنے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد فلسطینیوں نے اپنا مطالبہ دہراتے ہوئے کہا اسرائیل میں قید پندرہ فلسطینی فدائین کو فوراً رہا کر کے الجزائر پہنچا دیا جائے ورنہ

ادھر اسرائیلی ہائی کمان نے یہ مطالبہ رد کرتے ہوئے کہا "ہم دہشت گردوں کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکیں گے۔ اسرائیل نے سفارتی سطح پر مختلف ملکوں کی طرف سے الجزائری حکومت پر دباؤ ڈالا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا، فلسطینی بدستور اپنے مطالبے پر ڈٹے رہے۔

بالآخر چالیس روز گزرنے کے بعد اسرائیل نے مجبوراً اُن پندرہ فلسطینی فدائین کو جیل سے رہا کر کے الجزائر روانہ کر دیا۔ وہ لوگ جونہی الجزائر پہنچے تو ELAL کا بوئنگ اپنے مسافروں کو لیکر دوبارہ تل ابیب روانہ ہوا۔ یہ اُس کی سروس کا طویل ترین سفر ثابت ہوا، روم سے تل ابیب چالیس دن میں پہنچی، ڈاکٹر جارج حباش کی تنظیم (PFLP) نے اس ہائی جیکنگ کی ذمہ داری قبول کی۔ محض ایک سال قبل ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے چھ روزہ جنگ میں عربوں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا تھا لیکن اب صرف تین فلسطینی نوجوانوں نے اُسے عالمی سطح پر ذلیل کر دیا تھا۔

اس کے بعد موساد زبردست تنقید کا نشانہ بنی کہ اُن کی انٹیلی جنس بے کار ثابت ہوئی ہے، کس طرح تین فلسطینی ہائی جیکر طیارے میں سوار ہو گئے وغیرہ۔

اٹھائیس دسمبر ۱۹۶۸ء کو ایتھنز انٹرنیشنل ائرپورٹ پر اسرائیلی ائرلائن کا بوئنگ پیرس روانگی کے لئے تیار کھڑا تھا، جہاز کے چاروں انجن پوری قوت کے ساتھ گرج رہے تھے، اچانک دو نوجوان لڑکے اپنی نشستوں سے اٹھے اور انہوں نے جہاز کے فرش پر دو گرینیڈ پھینکے جس سے خوفناک دھماکہ ہوا اور ایک مسافر موقع ہی پر ہلاک ہو گیا جبکہ ایک ائرہوسٹس طیارے سے چھلانگ لگاتی ہوئی بری طرح زخمی ہو گئی، دھماکے کے فوراً بعد جہاز کے ایک انجن نے آگ پکڑ لی، عملے نے فوراً ایمرجنسی گیٹ کھول دیے جس سے مسافروں نے افراتفری میں نکل کر اپنی جانیں بچائیں، ائرپورٹ

کے فائر بریگیڈ نے تیزی سے آگ پر قابو پالیا ورنہ قریب ہی اولمپک ائرویز کے بوئنگ میں اس وقت ایندھن بھر جا رہا تھا، جس سے زبردست آتشزدگی کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔

یونانی پولیس نے دونوں فلسطینی نوجوانوں کو حراست میں لے لیا محمود اور سلمان جن کی عمریں بالترتیب انیس اور پچیس سال تھیں یونیورسٹی میں طالبعلم تھے۔

موساد کو ایک بار پھر شدت سے احساس دلایا گیا کہ وہ اسرائیلی ائرلائن کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ موساد نے بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا تھا تیس دسمبر کو رات ساڑھے تین بجے اسرائیل کے دو فوجی ہیلی کاپٹر بحیرہ روم پر، لبنان کے راڈار سے بچنے کے لئے، نیچی پرواز کرتے ہوئے اچانک بیروت کی فضا میں داخل ہو گئے۔

بیروت انٹرنیشنل ائرپورٹ کے اوپر ان ہیلی کاپٹروں سے چالیس مسلح کمانڈوز نے پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگیں لگائیں وہ جونہی ائرپورٹ کے رن وے پر اترے، تو وہ پاس کھڑے مڈل ایسٹ ائرلائن کے طیارے پر چڑھ گئے جو جدہ روانہ ہونے والا تھا انہوں نے تمام مسافروں کو جہاز سے فوراً اتر جانے کو کہا، اس کے بعد انہوں نے طیارے کے مختلف حصوں میں طاقتور ریموٹ کنٹرول بم نصب کر دیئے اور خود تیزی سے نیچے اتر گئے، تھوڑی دیر بعد طیارہ ایک خوفناک دھماکوں سے لرز اٹھا اور پھر مہیب شعلوں کی لپیٹ میں آگیا، پھر ان کمانڈوز نے رن وے پر کھڑے تیرہ دوسرے عرب مسافر بردار طیاروں کو بھی آگ لگادی، اُن میں کوئی مسافر ابھی سوار نہیں ہوا تھا، اس آپریشن میں ایک بھی شخص ہلاک یا زخمی نہیں ہوا اور نہ ہی کسی غیر عرب ائرلائن کو نقصان پہنچا۔

تھوڑی دیر میں آپریشن مکمل ہو چکا تھا، آپریشن کمانڈر نے ائرپورٹ کے کیفے ٹیریا میں عربی کافی کا آرڈر دیا، اُس نے آرام سے کافی پی اور پھر اسرائیلی کرنسی میں بل کی ادائیگی کر کے اپنے ہیلی کاپٹر کی طرف روانہ ہوا جو رن وے پر اتر چکا تھا، ہیلی کاپٹر تمام اسرائیلی کمانڈوز کو لیکر تیزی سے دوبارہ فضا میں بلند ہوا اور چند ہی لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا، یہ حملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ لبنانی سیکیورٹی فورسز کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔

اس آپریشن کے نتیجے میں ایک برطانوی انشورنس کمپنی کو، جس کے پاس تباہ ہونے والے تمام طیارے انشورڈ تھے سولہ ملین ڈالر کا نقصان ہوا۔

چھ ستمبر ۱۹۷۰ء

ایمسٹرڈیم اسرائیلی فضائی کمپنی (ELAL) کا بوئنگ نیویارک روانگی کے لئے تیار ہو چکا تھا، جہاز میں ایک سو اڑتالیس (148) مسافر سوار تھے، یکونومی سیکشن میں ایک خوبصورت جوڑا بیٹھا ہوا تھا لڑکی نے چُست جین پہنی ہوئی تھی، دونوں آپس میں بڑا چہک چہک کر عربی بول رہے تھے، بظاہر دونوں میاں بیوی لگ رہے تھے جو شاید ہنی مون منانے نیویارک جا رہے تھے۔

دوپہر ٹھیک ایک بجے جہاز نے ائرپورٹ سے ٹیک آف کیا، جہاز ابھی 32 ہزار فٹ بلندی کا حدف چھونے کے لئے زور لگا رہا تھا کہ اچانک اکونومی سیکشن میں بھگدڑ مچ گئی، وہی عرب جوڑا اپنی نشست سے اٹھ کر کاک پٹ کی طرف دوڑ رہا تھا، لڑکی زور زور سے عربی میں چیخ رہی تھی یلہ یلہ یلہ" اُس کے ہاتھوں میں دو گرینیڈ تھے جبکہ لڑکے کے ہاتھ میں ایک سلور رنگ کا ریوالور تھا۔

طیارے کے معاون کپتان نے جونہی اُنہیں کاک پٹ کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا تو اُس نے فوراً گیٹ بند کر دیا۔ لڑکے نے دروازے پر لات مارتے ہوئے دھمکی دی کہ اگر دروازہ نہیں کھولا گیا تو وہ طیارے کو تباہ کر دیں گے۔لڑکی نے مسافروں کی طرف منہ کر کے گرینیڈ لہراتے ہوئے کہا" سیفٹی پن نکال چکی ہوں آرام سے اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے رہو ورنہ اچھا نہیں ہوگا"

اکنومی سیکشن کے ایک کونے میں دو اسرائیلی سکائی مارشل (سیکورٹی گارڈ) بیٹھے ہوئے تھے،اُن میں سے ایک گارڈ بجلی کی پھرتی سے اپنی سیٹ سے اٹھکر اُس لڑکے کی طرف جھپٹ جو ابھی تک کاک پٹ کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔لیکن عین اُسی لمحے اُس نے گھوم کر، سرائیلی کمانڈو پر گولی چلا دی جو اُس کی ایک ٹانگ میں پیوست ہوگئی،اور وہ وہیں لڑکھڑا کر گر پڑا،اس کے بعد ہائی جیکر نے ایک ائر ہوسٹس کو گلے سے دبوچ کر اُس کے سر پر پستول رکھ دی اور زور زور سے چیخنے لگا "کاک پٹ کا دروازہ کھول دو ورنہ میں اسے ختم کر دوں گا" لیکن کپتان نے دروازہ نہیں کھولا۔ انہیں ٹریننگ ہی اس قسم کی دی گئی تھی کہ ایسے حالات میں ہائی جیکر کو ہرگز کاک پٹ میں گھسنے نہیں دیا جائے۔

ابھی وہ ہائی جیکر دھمکیاں دینے میں مصروف تھا کہ ایک اور اسرائیلی کمانڈو جو قریب کی ایک نشست پر سادہ لباس میں ملبوس بیٹھا ہوا تھا نے اچانک اٹھکر اُس پر کرائے کا ایک مہلک وار کیا جس سے وہ چکرا کر فرش پر گر گیا،پھر اس نے لاتوں گھونسوں سے اُس کا بُرا حشر کر دیا حتیٰ کہ وہ بالکل بے ہوش ہی ہوگیا،جہاز کے کپتان کو جونہی پتہ چلا کہ ایک ہائی جیکر کو بے بس کر دیا گیا ہے تو اُس نے اچانک طیارے کو فضا میں ایک زور دار غوطہ دیا جس سے تمام مسافر اپنی نشستوں سے لڑھک گئے اور ساتھ ہی وہ لڑکی جو ہاتھوں میں گرینیڈ لئے کھڑی تھی اپنا توازن کھو کر گر پڑی،عین اسی لمحے ایک امریکی مسافر نے فوراً اُسے گلے سے دبوچ لیا۔لڑکی نے بڑی مزاحمت کی مگر مردانہ گرفت بے حد سخت تھی۔پھر اُس نے چیختے ہوئے دھمکی دی "چھوڑ دو مجھے ورنہ میں جہاز تباہ کر دوں گی" "ٹھیک ہے پھر ہم دونوں ساتھ ہی مریں گے" امریکی نے جواب دیا۔

اُس امریکی نے لڑکی کا گلا اس زور سے دبایا کہ اُس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ تڑپنے لگی،اس کے ہاتھوں سے گرینیڈ چھوٹ کر فرش پر لڑھک گیا،خوش قسمتی سے سیفٹی پن اپنی جگہ پر لگی ہوئی تھی،جہاز خوفناک تباہی سے بچ گیا،تھوڑی دیر میں لڑکی بے ہوش ہوگئی تو امریکی نے اُسے طیارے کے عملے کے سپرد کر دیا۔

پائیلٹ نے فوراً طیارے کو ہنگامی طور پر ہیتھرو ائرپورٹ پر بحفاظت اتار دیا۔ برطانوی پولیس نے دونوں ہائی جیکرز کو سٹریچر پر ڈالا اور ایک ایمبولینس میں اُنہیں فوراً ہسپتال پہنچا دیا۔

لڑکی کی شناخت ہوئی تو وہ پی ایل او کی عالمی شہرت یافتہ کمانڈو لیلیٰ خالد نکلی،اس سے پہلے لیلیٰ خالد نے ۱۹۶۹ء میں ایک امریکی مسافر بردار طیارے کو اغوا کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

ایمسٹرڈیم میں لیلیٰ خالد اور اُس کا ساتھی بغیر کسی روک ٹوک کے طیارے میں سوار ہوئے تھے،اُن پر ذرہ بھر بھی شک کا اظہار نہیں کیا گیا تھا،البتہ ای ایل اے ایل کے سٹاف نے سینیگال کے دو نوجوان لڑکوں کو شک کی بنیاد پر جہاز میں سوار ہونے سے روک لیا تھا،وہ دونوں اب پین ایم (Pan-Am) کی پرواز میں بیٹھ چکے تھے جو چند ہی لمحوں میں نیو یارک روانہ ہونے والا تھا۔

ای ایل اے ایل (ELAL) کے کپتان کو جونہی پتہ چلا کہ وہ دونوں مشکوک افراد اب چین ایم کے جمبو جیٹ میں سوار ہو چکے ہیں تو اُنہوں نے فوراً ائیر پورٹ سکیورٹی فورس کو خبردار کر دیا۔ ادھر طیارہ کنٹرول ٹاور سے کلیئرنس کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک گراؤنڈ کنٹرول سے ایک افسر نے کپتان کو وائرلیس پر اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

"ہیلو! کلپر 093۔ ای ایل اے ایل نے دو سیاہ فام نوجوان لڑکوں کو شک کی بنیاد پر اپنے طیارے میں سفر کرنے سے روک دیا تھا وہ اب تمہارے طیارے میں بیٹھ چکے ہیں۔ ان کی فوراً تلاشی لو" اس کے ساتھ ہی کپتان کو ان لڑکوں کے نام اور حلیہ واضح کر دیا گیا۔ کپتان بے حد پریشان تھا کیونکہ ائیر پورٹ پر ایک بار کسی کی تلاشی لینے کے بعد قانوناً دوبارہ اُسے زحمت نہیں دی جا سکتی تھی۔

وہ دونوں افریقی جہاز کے فرسٹ کلاس سیکشن میں ہنسی مذاق میں مصروف تھے کہ کپتان اُن کے قریب آیا "میں انتہائی معذرت چاہتا ہوں، گراؤنڈ کنٹرول نے مجھے آپ لوگوں کی دوبارہ تلاشی لینے کا حکم دیا ہے۔ دونوں لڑکوں نے اپنے چہروں پر "حیرت" کے تاثرات لاتے ہوئے کہا۔

"اگر چہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی لیکن پھر بھی آپ شوق سے ہماری دوبارہ تلاشی لے لیں جہاز کے دو سکیورٹی گارڈز نے ان لڑکوں کی اچھی طرح تلاشی لی۔ ان کے سوٹ کیسوں کو بھی اچھی طرح چیک کیا گیا۔ لیکن کوئی مشکوک شے برآمد نہیں ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد جب پرواز ہموار ہوئی تو عملے نے مسافروں میں چائے اور سینڈوچ تقسیم کرنے شروع کیئے، اسی دوران وہ دونوں افریقی لڑکے اچانک اپنی نشستوں سے اُٹھ کھڑے ہوئے، اُنہوں نے اپنے پتلون کی زپ کھولیں، اُن کے پوشیدہ اعضاء کیساتھ بندھے ہوئے تھیلوں میں گرینیڈ اور ایک ایک "ٹوینک" ریوالور رکھے ہوئے تھے، اُنہوں نے گرینیڈ اور ریوالور ہاتھ میں لیکر کاک پٹ کی طرف بھاگنا شروع کیا، ایک لڑکے نے پاس کھڑی ائیر ہوسٹس کو گلے سے دبوچ لیا اور چیخ کر کہنے لگا" کپتان سے کہو کاک پٹ کا دروازہ فوراً کھول دے ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا" ائیر ہوسٹس نے کپتان سے کانپتی ہوئی آواز میں التجا کی تو کپتان نے مجبوراً دروازہ کھول دیا۔ اُن میں سے ایک ہائی جیکر کاک پٹ میں گھس گیا جبکہ دوسرے نے مسافروں اور جہاز کے عملے کو قابو میں کر لیا۔

کاک پٹ میں جاتے ہی اُس شخص نے کپتان کو غرا کر کہا "یہ جہاز اس وقت ہمارے قبضے میں ہے" کپتان نے اپنے ہوش وحواس پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا "مجھے اندازہ ہو چکا ہے"۔

اور اس کے ساتھ اُس نے اپنے سامنے ڈیش بورڈ پر ایک مخصوص بٹن دبا دیا جس سے لندن کے کنٹرولرز کو خود بخود ریڈیائی پیغام نشر ہو گیا، کہ پرواز نمبر 093 ہائی جیک ہو چکی ہے۔

اُدھر ہیتھرو گراؤنڈ کنٹرول کے کمپیوٹر نے ان کا پیغام پڑھ لیا تھا، تھوڑی دیر بعد طیارے کے کپتان کو وہاں سے ہدایات موصول ہوئیں " ہیلو 093 ہیلو! 093 تمہارا پیغام موصول ہو چکا ہے، فضائی تصادم سے بچنے کے لئے اپنا طیارہ مزید دس ہزار فٹ کی بلندی پر لے جاؤ۔

کپتان نے فوراً لیور دبا کر ایک جھٹکے کیساتھ جہاز کو مقررہ بلندی کی طرف اٹھا لیا ایک ہائی جیکر نے چیخ کر کہا "یہ کیا کر رہے ہو؟" کپتان نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا" فکر نہیں کرو میں جا رہا ہوں جہاں تم چاہتے ہو" "تو پھر اپنا رخ اردن کی طرف موڑ دو" ہائی جیکر نے حکم دیا۔

ابھی پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ پر یہ خبر گرم تھی کہ اسرائیلی ائر کمانڈوز نے ای ایل اے ایل کے طیارے کے اغوا کو ناکام بنا کر ہائی جیکروں کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے کہ اوپر سے خبر آئی کہ فلسطینی کمانڈوز نے پین ایم کے جمبو جیٹ کو اغوا کر لیا ہے۔ دنیا کو مزید حیرت میں ڈالنے کے لئے پھر خبر آئی کہ فلسطینی فدائین نے دو اور طیاروں کو بھی اغوا کر لیا ہے جو اب اُردن کی طرف بڑھ رہے ہیں ان میں سے ایک طیارہ ٹرانس ورلڈ ائر لائن (TWA) کا بوئینگ تھا جو 145 مسافروں کو لیکر فرنکفرٹ سے نیویارک جا رہا تھا جبکہ دوسرا جہاز سوئس ائر کا ڈی سی 8 تھا۔ جو زیورخ سے ایک سو ترانیس مسافروں کو لیکر نیویارک جا رہا تھا یوں فلسطینی فدائین نے ایک دن میں بیک وقت تین طیارے بین الاقوامی فضائی راستوں سے اغوا کر کے اُن کے رخ اُردن کی طرف موڑ دیے۔

عمان سے چند میل باہر صحرا میں ڈاسن ائر فیلڈ (Dawson Air-Field) نامی ایک ہوائی اڈہ تھا جو برطانوی دور حکومت کے دوران رائل ائر فورس کے زیر استعمال رہا تھا لیکن اب اُردن نے اسے ترک کر دیا تھا، لہذا رات کے وقت یہاں طیارہ اتارنے کے لئے روشنی کا انتظام نہیں تھا۔ فلسطینی کمانڈوز نے اسے انقلابی ہوائی پٹی (Revolutioin Air field) کا نام دے دیا تھا وہ تینوں اغوا شدہ ہوائی جہاز اسی پٹی پر لینڈنگ کرنے والے تھے وہاں مسلح فلسطینی کمانڈوز کا ایک دستہ بے چینی سے ان طیاروں کا انتظار کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد پین ایم کا جمبو جیٹ جونہی اُردن کی فضا میں داخل ہوا تو اس کا کپتان بے حد پریشان ہو گیا کیونکہ اُس کے پاس ڈاسن ائر فیلڈ کے متعلق کوئی چارٹ نہیں تھا، اور اس کے علاوہ اس قسم کے بھاری طیاروں کے لئے یہ رن وے بھی ناکافی تھا، کپتان نے بڑی مشکل سے ہائی جیکروں کو قائل کیا کہ وہ جہاز یہاں نہیں اتار سکتا۔ "ٹھیک ہے پھر بیروت چلو" ایک نے حکم دیا۔

بیروت کی فضائی حدود میں داخل ہوتے ہی پائیلٹ نے گراؤنڈ کنٹرول کو وائرلیس پر پیغام دیا کہ اُسے ہنگامی لینڈنگ کی سہولت فراہم کی جائے ورنہ ہائی جیکر طیارے کو تباہ کرنے والے ہیں۔ لیکن نیچے بیروت ائر پورٹ کی انتظامیہ نے صاف انکار کر دیا اور اس کے ساتھ انہوں نے رن وے پر رکاوٹیں کھڑی کر دیں تاکہ طیارے اتر ہی نہ سکے، طیارہ مجبوراً قریباً ایک گھنٹے تک فضا ہی میں چکر لگاتا رہا۔ آخر پائیلٹ نے دوبارہ التجا کی کہ اُسے فوراً اترنے کی اجازت دی جائے کیونکہ جہاز میں صرف پندرہ منٹ کے لئے ایندھن باقی رہ گیا تھا۔ انتظامیہ نے مجبوراً رکاوٹیں ہٹا کر طیارے کو اترنے کی اجازت دے دی۔

جہاز جونہی ائر پورٹ کے ایک کونے میں کھڑا ہوا تو تازہ دم فلسطینی کمانڈوز جو آٹومیٹک ہتھیاروں سے مسلح تھے، نے جہاز کا کنٹرول سنبھال لیا۔ انہوں نے لبنانی سکیورٹی فورس کو دھمکی دی کہ اگر جہاز کو چھڑانے کی کوشش کی گئی تو وہ اسے تباہ کر دیں گے۔ جہاز قریباً ایک گھنٹہ کھڑا رہا، اس دوران اُس میں وافر مقدار میں ایندھن بھر دیا گیا، فلسطینی کمانڈوز نے طیارے کے مختلف حصوں میں طاقتور بم اور ڈائنامائیٹ کے فیوز لگا دیے۔ مسافر حیران اور پریشان یہ سب تماشہ دیکھتے رہے۔ آخر جہاز کو دوبارہ پرواز کی اجازت ملی تو ہائی جیکرز نے پائیلٹ سے کہا کہ قاہرہ چلو، دراصل فلسطینی ہائی کمان نے انہیں کہہ دیا تھا کہ قاہرہ میں مسافروں کو اتار کر جہاز تباہ کر دینا۔

آخر دو گھنٹے بعد طیارہ قاہرہ کی فضاؤں میں داخل ہوا۔ پائیلٹ نے لینڈنگ گیئر دبا کر بلندی کم کرنا شروع کی تو ایک ہائی جیکر نے ایک

ائرہوسٹس کو بلا کر کہا "لینڈ نگ کے بعد مسافروں کو اتارنے کے لئے تمہارے پاس صرف آٹھ منٹ ہونگے۔ اس کے بعد ہم طیارے کو تباہ کر دیں گے۔"

کپتان نے فوراً مائیکروفون پر مسافروں کو جہاز سے ہنگامی دروازوں سے نکلنے کا طریقہ سمجھایا۔ مسافروں میں خوف و ہراس اب اپنی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔ عورتیں اور بچے تو زور زور سے چلانے لگے۔

جہاز ابھی تین سوفٹ کی بلندی پر تھا کہ ایک ہائی جیکر نے ائرہوسٹس سے ماچس کا مطالبہ کیا۔

ائرہوسٹس نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا "NO SMOKING سائن آن ہو چکا ہے" ہائی جیکر نے غراتے ہوئے کہا "اس کی تم پرواہ نہیں کرو۔ فوراً ماچس دو" ائرہوسٹس نے مجبوراً اُسے ماچس تھمادی۔ اُس نے فوراً ایک تیلی سلگائی اور ڈائنامائیٹ کی ایک تار کو آگ لگادی۔ کئی فٹ لمبی تار تیزی سے چڑ چڑ کر جلنے لگی۔ موت کو اس قدر قریب دیکھ کر مسافر اور بھی بُری طرح چلانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد طیارہ رن وے پر بحفاظت اتر گیا۔ پائیلٹ نے وقت بچانے کے لئے ایمرجنسی بریک لگا کر طیارے کو روک لیا جس سے ایک زبردست جھٹکا لگا اور مسافر ایک دوسرے پر گر پڑے اور اس کے ساتھ اُن کا سامان بھی اِدھر اُدھر لڑھک گیا۔ عملے نے ہنگامی گیٹ فوراً کھول دیے۔ مسافر افراتفری کے عالم میں ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے جہاز سے کودنے لگے۔ نوے سیکنڈ کے اندر اندر تمام مسافر طیارے سے بحفاظت اُتر کر ائرپورٹ لاؤنج میں پناہ لے چکے تھے۔ کاک پٹ میں کپتان کو ابھی تک ایک ہائی جیکر نے زبردستی روکے رکھا تھا۔ وہ مسلسل اپنی کلائی گھڑی کو دیکھ رہا تھا۔ آخر چند لمحوں بعد اُس نے کپتان سے کہا "فوراً چھلانگ لگا دو وقت ختم ہو چکا ہے" کپتان اور ہائی جیکروں نے ایک ساتھ طیارے سے چھلانگ لگائی۔

اُن کے پاؤں ابھی زمین پر لگے بھی نہیں تھے کہ کاک پٹ میں پہلا خوفناک دھماکہ ہوا۔ کپتان نے بعد میں ایک انٹرویو میں کہا "میں نے اِس دھماکے سے پیدا ہونے والی ہوائی دباؤ اپنی گردن پر محسوس کیا تھا"

وہ زمین پر گرتے ہی ائرپورٹ بلڈنگ کی طرف بھاگے۔ ان کے پیچھے طیارے میں پے در پے کئی مہیب دھماکے ہوئے۔ طیارہ کا ملبہ ائرپورٹ میں دور دور تک بکھر گیا۔ مصری پولیس نے ہائی جیکروں کو فرار ہوتے گرفتار کر لیا۔ جبکہ مسافروں کو ایک دوسرے طیارے کے ذریعے نیویارک روانہ کر دیا گیا۔

اُدھر ٹرانس ورلڈ ائرلائن کا بوئنگ جسے فرنکفرٹ میں ہائی جیک کیا گیا تھا، اُردنی فضائی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ اِس کے کپتان کو بھی ڈاسن ائرفیلڈ کا بالکل علم نہیں تھا۔

ہاتھ میں گرینیڈ لئے ہوئے ایک فلسطینی لڑکی نے ایک چارٹ کی مدد سے اُسے ائرفیلڈ کی سمت اور جائے وقوع سمجھائی۔ آخر کچھ دیر بعد کپتان کو مطلوبہ جگہ نظر آ گئی۔ اُس نے لینڈ نگ گیئر لگا کر طیارے کی بلندی کم کرنا شروع کی۔

طیارہ رن وے پر جونہی اُترا تو کپتان نے ایمرجنسی بریک لگا کر ایک زوردار جھٹکے کیساتھ طیارے کو روک لیا۔ رن وے پر فلسطینی کمانڈوز کی ایک بھاری نفری تیار کھڑی تھی۔ اُن کے پاس جدید ترین خودکار ہتھیار تھے۔ اُنہوں نے فوراً طیارے کو گھیرے میں لے لیا۔ ایکونومی

سیکشن میں ایک بوڑھے بھارتی نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک مسافر سے پوچھا "تیو یارک آ گیا ہے؟" طیارے کے انجن جونہی آف ہوئے تو مسلح کمانڈوز اندر داخل ہو گئے، اُن میں نوجوان لڑکیاں بھی تھیں جنھوں نے عسکری وردیاں پہن رکھی تھی اور اُن کے ہاتھوں میں سب مشین گن تھیں۔ اُنھوں نے تمام مسافروں میں کچھ فارم پُر کرنے کے لئے تقسیم کئے اور ساتھ ہی اُن کے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے، یوں لگ رہا تھا جیسے جہاز اغوا نہیں ہوا بلکہ کسی انٹرنیشنل ائرپورٹ پر معمول کے مطابق اُترا ہوا ہے۔

ابھی مسافر سر جھکائے فارم پُر کر رہے تھے کہ فضا میں ایک اور طیارے کی آمد کا شور سنائی دیا۔ وہ زیورخ سے اغوا ہونے والا سوکس ائر کا ڈی۔سی۔8 بوئینگ تھا۔ اس کے پائلٹ کو بھی ائرفیلڈ کا علم نہیں تھا مگر اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہائی جیکر نے بڑے پیشہ ورانہ انداز میں اُسے صحیح سمت سمجھائی۔

فلسطینی کمانڈوز نے روشنی کے متبادل انتظام کے طور پر کاریں اور جیپیں ائرفیلڈ کے کناروں پر کھڑی کر کے اُن کی ہیڈ لائٹس آن کر دی تھیں۔ اُردن کی فضائی حدود میں جب یہ طیارہ داخل ہوا تھا تو عین اسی لمحے اسرائیلی راڈار نے اُسے محسوس کر لیا تھا۔ اسرائیلی ائرکنٹرول نے اُس کے ساتھ ریڈیو رابطہ قائم کر کے مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ طیارے کو اسرائیل کے ایک ائربیس میں اتار دے۔ لیکن ہائی جیکر اس فضائی رستے کو اچھی طرح جانتے تھے، اُنھیں دھوکہ دینا آسان کام نہیں تھا۔

بالآخر یہ جہاز بھی اس صحرائی ہوائی پٹی پر اُتر گیا۔ ائرفیلڈ کے چاروں طرف لق و دق صحرا تھا۔ اب فلسطینی کمانڈوز کے پاس عملے کے بائیس ارکان سمیت دو سو چھیاسی مسافر یرغمال تھے۔

سوئس ائر کے جیٹ میں ٹہلتے ہوئے ایک کمانڈو نے انگریزی میں مسافروں سے کہا "آپ لوگوں کو بلاوجہ زحمت دینے پر ہمیں بہت افسوس ہے۔ لیکن دُنیا کو فلسطینی مسئلے کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہمارے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا"

رات دھیرے دھیرے دوسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی۔ عملے نے ٹارچوں کی مدد سے بچا کچھا ٹھنڈا کھانا مسافروں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی۔ تمام مسافر دن بھر کی تھکاوٹ کی وجہ سے گہری نیند کی آغوش میں چلے گئے، رات کافی ٹھنڈی تھی۔

دوسرے روز صبح سورج طلوع ہوا تو درجہ حرارت آہستہ آہستہ بڑھنے لگا اور دوپہر تک ۱۰۰ درجہ فارن ہائیٹ تک پہنچ گیا۔ دونوں طیارے دہکتی ہوئی بھٹی کی مانند ہو گئے۔ بہت سارے مسافر شدید گرمی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔ فلسطینی کمانڈوز جنھوں نے جہاز کے اردگرد خیمے گاڑھ رکھے تھے آرام سے تماشہ دیکھ رہے تھے، اُن سے کچھ فاصلے پر اُردنی فوج کا ایک مسلح دستہ بکتر بند گاڑیوں اور توپوں سمیت پوزیشن سنبھال چکا تھا۔ مگر فلسطینی کمانڈوز نے اُنھیں صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اُنھوں نے مداخلت کی تو وہ مسافروں سمیت طیاروں کو تباہ کر دیں گے۔ فلسطینیوں نے مسافروں کو صبح کا ناشتہ فراہم کیا مگر اکثر مسافروں نے کھانے سے انکار کر دیا کیونکہ جہاز میں ٹائیلٹ ناکارہ ہو چکے تھے اور اس کی بدبو ہر طرف پھیل چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد فلسطینی کمانڈوز نے جہاز کے یہودی مسافروں کو ایک کونے میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ اُردنی حکومت کے شدید اصرار پر اُنھوں نے ایک سو ستائیس بچوں اور عورتوں کو رہا کر دیا۔ جنھیں ایک بس میں بٹھا کر عمان روانہ کر دیا گیا۔

فلسطینی ہائی کمان نے اپنے مطالبات کی فہرست جاری کر دی تھی۔ وہ غیر یہودی مسافروں کے بدلے اُن چھ فلسطینی کمانڈوز کی رہائی چاہتے تھے۔ جو سندن، مغربی جرمنی اور سوئٹزر لینڈ کی جیلوں میں بند تھے جبکہ یہودی مسافروں کی آزادی اسرائیل میں قید تمام فلسطینی حُریت پسندوں کی رہائی سے مشروط کر دی۔

لیکن اسرائیلی حکومت نے سختی سے ان مطالبات کو رد کر دیا اور جوابی کارروائی کے طور پر مغربی کنارے سے چار سو پچاس فلسطینیوں کو حراست میں لے لیا۔ ان میں زیادہ تر وکیل، ڈاکٹر، انجینئرز اور عورتیں شامل تھیں۔

اُدھر سندن کی ایک جیل میں لیلیٰ خالد کسی سوچ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک سیکیورٹی گارڈ نے اُس کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے کہا۔ "آپ گھر کیوں نہیں چلی جاتی، آپ جائیں تو۔ ہم آپ کو ائرپورٹ ڈراپ کر دیں گے۔ آپ کو تو ٹکٹ لینے کی بھی ضرورت نہیں، کسی بھی فلائٹ کو ہائی جیک کر کے آرام سے چلی جائیں"

اس پر لیلیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے کیوں اسرائیلی کمانڈوز کے ہاتھوں مروانا چاہتے ہو۔ ویسے فکر نہیں کرو مجھے اپنے ساتھیوں پر مکمل بھروسہ ہے وہ مجھے چھڑا لیں گے"

اسی دوران فلسطینی فدائین نے BOAC کے ایک جمبو جیٹ کو بمبئی سے اغوا کر لیا، یہ جہاز براستہ دوبئی اور بحرین لندن جا رہا تھا۔ اسے بھی اُردن میں اُسی ائرفیلڈ پر اتار لیا گیا۔

اب فلسطینی حُریت پسندوں کے قبضے میں تین مسافر بردار طیارے اور کافی مقدار میں یرغمالی تھے۔ چھ دن مسلسل یہ ڈرامہ چلتا رہا۔ آخر کار برطانوی حکومت نے لیلیٰ خالد اور اُسکے ساتھیوں کو رہا کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے جواب میں فلسطینیوں نے BOAC کے تمام مسافروں کو رہا کر کے ایک بس میں بیٹھا دیا۔ اس کے فوراً بعد ٹرانس ورلڈ ائرلائن، سوئس ائر اور بی او اے سی (BOAC) کے طیارے خوفناک دھماکوں سے ریزہ ریزہ ہو گئے۔

مسافر ایک بار پھر یرغمال بنا لئے گئے، پی ایل او نے اعلان کیا کہ جب تک اُن کے ساتھی رہا ہو کر ان سے نہیں ملتے یہ لوگ اُن کے پاس رہیں گے، مسافروں کو اُردن کے فلسطینی کیمپوں میں بند کر دیا گیا۔

آخر اُردن کی شاہی فوج جواب تک صبر و تحمل کا مظاہرہ کر رہی تھی، نے فلسطینی کیمپوں پر حملہ کر دیا۔ مسلسل کئی روز تک فلسطینی جنگجوؤں اور اُردنی فوج کے درمیان گھمسان کی جنگ جاری رہی۔ ہزاروں فلسطینی ہلاک اور زخمی ہو گئے۔

اُردنی فوج نے زبردست جدوجہد کے بعد کافی تعداد میں یرغمالیوں کو چھڑا لیا مگر پھر بھی ۳۸ امریکی شہری پی ایل او کی قید میں رہ گئے، برطانیہ نے حسبِ وعدہ لیلیٰ خالد کو ساتھیوں سمیت رہا کر کے اُردن بھیج دیا تو تب جا کے ان ۳۸ مسافروں کو بھی رہائی دے دی گئی۔

۱۹۶۹ء کے موسم بہار میں بون (مغربی جرمنی) میں اسرائیلی فضائی کمپنی (ELAL) کے دفتر میں صبح سویرے ایک بیس سالہ نوجوان آیا۔ اُس نے دوسرے روز تل ابیب جانے والی پرواز کے لئے ایک ٹکٹ طلب کیا۔ اُس نے کاؤنٹر پر اپنا اطالوی پاسپورٹ پیش کیا۔ وہ فر فر بڑی روانی

کیساتھ اطالوی میں گفتگو کر رہا تھا۔ لیکن فضائی کمپنی کے کاؤنٹر کلرک کو وہ اچانک مشکوک سا دکھائی دیا۔ اُس نے فوراً اپنے دفتر کی ایک اطالوی لڑکی کو کہا کہ وہ لڑکے کیساتھ بات چیت کر کے اندازہ لگائے کہ وہ واقعی اطالوی ہے۔ لڑکی نے تھوڑی دیر اُس کے ساتھ باتیں کر کے، اپنے اسرائیلی آفیسر کو بتایا کہ لڑکا اطالوی تو روانی سے بولتا ہے مگر لب ولہجہ سے وہ عربی لگ رہا ہے۔ انہوں نے فوراً لڑکے کو ایک فارم پُر کرنے کو کہا۔ فارم میں اس نے اپنا ایڈریس روم کے ایک فائیو سٹار ہوٹل کا درج کیا۔ انہوں نے اُسے دفتر کے لاؤنج میں تھوڑی دیر انتظار کرنے کو کہا۔ وہ لڑکا شکل وصورت سے بے حد معصوم سا لگ رہا تھا۔

موساد کے دو ایجنٹ چپکے سے مذکورہ ہوٹل پہنچے وہ اس لڑکے کے کمرے میں داخل ہوئے۔ تلاشی کے دوران انہیں پلاسٹک کے تین تھیلے ملے جن میں انتہائی طاقتور دھماکہ خیز مواد رکھا ہوا تھا۔ اُس کمرے میں اُس کے ساتھ دو اور ساتھی بھی ٹھہرے ہوئے تھے جو اس وقت نیچے ریستوران میں ناشتہ کر رہے تھے۔ ایک اسرائیلی کمانڈو نارمل طریقے سے ریستوران میں داخل ہوا وہ دو لڑکے ایک کونے میں کھانے پینے میں مصروف تھے۔ اُن کیساتھ ایک خوبرو لڑکی بھی چہک چہک کر ہنسی مذاق میں لگی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس اسرائیلی ایجنٹ کے چار اور ساتھی بھی عام لباس پہنے ہوئے وارد ہوئے۔ وہ سب ایک ہی میز پر بیٹھ کر "ناشتے" میں مصروف ہو گئے۔ لیکن اُن کی نظریں ان لڑکوں پر لگی ہوئی تھیں جو عربی میں گفتگو کر رہے تھے۔

چند لمحوں بعد پہلے والا اسرائیلی شخص اُٹھ کر اُن لڑکوں کے قریب گیا۔ اُس نے عربی میں معذرت کے ساتھ کہا کہ وہ ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ اُس نے کرسی کھینچی اور بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنی کوٹ کی جیب سے ایک آٹومیٹک پستول نکال کر لڑکوں کو دیکھتے ہوئے کہا "میں اسرائیلی فوج میں کرنل ہوں تم دونوں سے تمہارے کمرے میں کچھ پوچھ گچھ کرونگا اگر اس دوران تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دونگا" دونوں لڑکوں اور لڑکی کے رنگ فق ہو گئے، انہوں نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیے تھے۔ "خراس جبنی نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ پہلے آرام سے اپنا ناشتہ ختم کریں۔

کمرے میں تین اور اسرائیلی افسروں کی موجودگی میں اُس شخص نے ان لڑکوں سے تفصیل پوچھ گچھ کی کہ وہ کس مقصد کے لیے روم آئے تھے۔ پہلے تو وہ مسلسل یہی کہہ رہے تھے کہ وہ یونہی گھومنے پھرنے آئے تھے۔ لیکن شاید کم عمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہ زیادہ دیر جھوٹ نہیں بول سکے۔ اُن تینوں نے یک زبان ہو کر صاف صاف بتا دیا کہ وہ بیروت کے ایک سیکنڈری سکول کے طالبعلم ہیں، انہیں پی ایل او نے دھماکہ خیز مواد دیکر روم اس لئے بھیجا تھا کہ وہ تل ابیب جانے والے اسرائیلی ائرلائن کو ہائی جیک کریں۔

ای ایل اے ایل (ELAL) کے دفتر میں بیٹھے ہوئے فلسطینی نوجوان کو بھی زیر حراست ایک کار میں بیٹھا کر مذکورہ ہوٹل میں لا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھایا گیا۔

موساد کی ہائی کمان نے فوراً ان نوخیز لڑکوں کو معاف کرنے کا فیصلہ کیا۔ تل ابیب سے ان اسرائیلی اہلکاروں کو خفیہ احکامات ملے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے، لیکن اس سے پہلے موساد نے اپنی سیکرٹ فائل کے لئے اُن کی متعدد تصاویر اتاریں اور ان کے فنگر پرنٹس محفوظ کر کے اُن کے ممکنہ ٹیرارسٹ (Terrorist) کیریئر کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

اس کے بعد اسرائیلی افسر نے انہیں سخت تنبیہ کرتے ہوئے کہا "میں اس مرتبہ تم لوگوں کو اس لئے معاف کر رہا ہوں کہ تم بچے ہو اور ورغلائے گئے ہو لیکن آئندہ اگر ایسی حرکت کی تو بُرا حشر کر دوں گا۔

دوسری صبح انہیں بیروت جانے والی ایک فلائٹ میں بیٹھا کر رخصت کر دیا گیا۔ ای ایل اے ایل نے انہیں ٹکٹ کے پیسے بھی ری فنڈ کر دیے تھے۔ اس واقعے کے دو ہفتے بعد بیروت میں ان لڑکوں کے والدین کو موساد کی طرف سے خطوط موصول ہوئے جن میں واضح دھمکی تھی کہ اگر وہ اپنے بچوں کو پی ایل او کی خفیہ سرگرمیوں سے دور نہیں رکھیں گے تو انہیں قتل کر دیا جائیگا۔

آپریشن تھنڈر بولٹ (Operation Thunder Bolt)

۱۹۷۶ء۔ ایتھنز کے بین الاقوامی ائرپورٹ سے ٹیک آف کے چند ہی منٹوں بعد طیارے کے اکانومی سیکشن میں اچانک شور بلند ہوا۔ عورتیں اور بچے رو رہے تھے جبکہ آٹھ کے قریب نوجوان جن میں ایک خوبرو لڑکی جس نے چست جین اور بلاؤز پہنی ہوئی تھی، ہاتھوں میں گرینیڈ اور آٹومیٹک پستول لئے طیارے کے عملے کو یرغمال بنا چکے تھے۔ ایک دبلے پتلے ہائی جیکر نے کاک پٹ کے مائیکروفون پر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اعلان کرتے ہوئے کہا

"We are Palestinian revolutionaries and this air craft is now our property We a going to take you where we please"

اس کے بعد لڑکی نے اپنا پستول لہراتے ہوئے تمام مسافروں کو ہاتھ اوپر اٹھانے کو کہا۔

یہ ائرفرانس کا جمبو جیٹ تھا جو ۲۵۸ مسافروں کو تل ابیب سے براستہ ایتھنز پیرس لیجا رہا تھا۔ ان میں ۱۰۳ مسافر اسرائیلی یہودی تھے جو چھٹیاں منانے پیرس جا رہے تھے۔ گروپ لیڈر نے پائلٹ کو یوگنڈا کے دارالحکومت کمپالا جانے کا حکم دیا مگر پائلٹ نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ طیارے میں ایندھن ناکافی ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ ٹھیک ہے پھر تم بن غازی (لیبیا) چلو" وہاں سے ایندھن لے لینا۔ بن غازی ائرپورٹ پر لیبیائی حکومت نے ہائی جیکروں کا والہانہ استقبال کیا۔ صدر قذافی نے اُن کے اس جراًت مندانہ اقدام کو بہت سراہا۔ طیارے میں جونہی وافر مقدار میں ایندھن بھرا گیا تو اس نے دوبارہ اپنا سفر شروع کیا۔

طلوع سحر کے قریب جہاز وکٹوریہ جھیل کے اوپر نیچی پرواز کرتا ہوا کمپالا کے Entebbe انٹرنیشنل ائرپورٹ پر اُتر گیا۔ مسافروں و عملے کے افراد کو ائرپورٹ کی ایک گندی سی عمارت میں قید کر دیا گیا۔ یوگنڈا کے مسلح گارڈز نے اُن پر پہرہ لگا دیا۔ جبکہ فلسطینی ہائی جیکروں نے طیارے کے اندر اور باہر طاقتور بم نصب کر دیے، اس کے بعد ہائی جیکروں کو ایک سرکاری گاڑی میں بیٹھا کر ایک فیشن ایبل ہوٹل بھجوایا گیا جہاں انہیں نہا نے دھونے اور آرام کی سہولت دی گئی۔

یوگنڈا کا صدر عیدی امین تمغوں اور میڈلز سے سجی ہوئی فوجی وردی میں ملبوس اپنے ایک بیٹے کے ہمراہ فوراً ائرپورٹ پہنچا، وہ سیدھا یرغمالیوں کے پاس اُس عمارت میں گیا۔ عیدی امین بے حد خوشگوار موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ اُس نے آتے ہی مسکراتے ہوئے کہا

" We want your stay to be as nice as possible"

پھر وہ یرغمالیوں کے درمیان ٹہلتا ہوا کہنے لگا۔" آپ لوگوں میں سے شاید کچھ مجھے نہیں جانتے ہو نگے، میں فیلڈ مارشل عیدی امین ہوں۔ میں نے آپ لوگوں کا بے چینی سے انتظار کیا تھا۔ فلسطینیوں کے مطالبات نہایت مناسب ہیں، اپنی حکومت سے کہو اسے مان لے، اسی میں آپ کی عافیت ہوگی"۔

اُسی روز فلسطینی ہائی جیکروں نے یوگنڈا ریڈیو سے اپنے مطالبات نشر کرتے ہوئے کہا کہ دو دن کے اندر اندر اُن کے ۵۳ ساتھیوں کو رہا کر دیا جائے جو اسرائیل، فرانس، مغربی جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کی جیلوں میں مختلف مقدمات کے تحت قید تھے۔ ایک یوگنڈن جہاز کے ذریعے صومالیہ سے تین مزید فلسطینی کمانڈوز کو Entebbe پہنچا دیا گیا تا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کر سکیں۔

یوگنڈا کی فوج نے فلسطینی کمانڈوز کو جدید آٹومیٹک ہتھیار اور وافر مقدار میں ایمونیشن فراہم کیا۔ یوگنڈا میں متعین فرانسیسی سفیر کو ہائی جیکروں کیساتھ براہ راست گفت و شنید کی اجازت نہیں دی گئی۔

کر دیا گیا۔

پیرس پہنچے والے رہا شدہ مسافروں کو موساد کی ایک ٹیم نے تفصیل سے انٹرویو کیا۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ ائر پورٹ میں یوگنڈا کے ستر (۷۰) کے قریب مسلح کمانڈوز پہرہ دے رہے تھے۔

بظاہر اسرائیل اُن کے ساتھ بات چیت کے لئے کوششیں کر رہا تھا لیکن در پردہ موساد یرغمالیوں کو چھڑانے کے لئے ایک زبردست آپریشن کی تیاری کر رہا تھا۔

اس خطرناک آپریشن کی کامیابی کا انحصار موساد کی اُس علاقے میں انتہائی مؤثر جاسوسی اطلاعات پر تھا۔ یہ موساد کی خوش قسمتی تھی کہ شمالی افریقہ اور بالخصوص کینیا، جسکا یوگنڈا کیساتھ وسیع باڈر ہے، میں اس کا عرصہ دراز سے جاسوسی نیٹ ورک (Network) کام کر رہا تھا۔

موساد کے صدر کینیا Jomo Kenytta کیساتھ خفیہ روابط تھے، اس آپریشن میں کینیا کے صدر نے در پردہ مکمل تعاون کی یقین دہانی کی تھی۔ آپریشن سے پہلے جاسوسی کے لیے موساد کے چار اہل کار کینیا کے چند خفیہ پولیس افسروں کے ہمراہ رات کی تاریکی میں یک تیز رفتار موٹر بوٹ میں بیٹھ کر جھیل وکٹوریہ کو عبور کر کے یوگنڈا کی سرحد میں داخل ہوئے، انہوں نے این ٹیبے ائر پورٹ کے محل وقوع اور دفاعی نظام کا تفصیلی جائزہ لیکر اپنے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی۔

پھر موساد کے دو اور افراد نے کینیا کے ولسن ائر پورٹ سے ایک سسنا طیارہ کرائے پر حاصل کر کے یوگنڈا کی فضائی حدود پر خفیہ پرواز کی۔ انہوں نے انتہائی بلندی سے مذکورہ ائر پورٹ کی تصاویر اتاریں، اُس وقت ائر پورٹ کے رن وے پر متعدد جنگی لڑاکا طیارے کھڑے تھے۔

اس کے علاوہ اسرائیل کی ایک کنسٹرکشن فرم نے، جس نے دس سال قبل این ٹیبے ائر پورٹ کی تعمیر میں حصہ لیا تھا اُس نے اس کے متعلق تمام اہم معلومات فراہم کی۔ اطلاعات اور معلومات کے اس خزانے کو بنیاد بناتے ہوئے اسرائیلی ائر فورس نے اسرائیل میں این ٹیبے ائر پورٹ کا Replica بنا کر دو تین دن اُس پر مشقیں کیں۔

اُدھر عیدی امین کے کانوں میں کسی نے یہ بات ڈال دی کہ اسرائیل اُس کے متعلق کہہ رہے ہیں کہ "اس بار عیدی امین نے ہمیں اپنی مٹھی میں بند کر دیا ہے"

عیدی امین آخر تک اسی خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ اسرائیل اُس کے سامنے جھک چکا ہے، یہ موساد کی زبردست چال تھی کہ عیدی امین کو کسی بھی ممکنہ فوجی آپریشن کے خیال سے غافل رکھا۔ ویسے بھی این ٹیبے (Entebbe) ائر پورٹ اور تل ابیب کے درمیان تین ہزار میل کا فاصلہ تھا، یوگنڈا کی فوجی قیادت کسی آپریشن کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

۴ جولائی کو (I D F) اسرائیلی ڈیفنس فورسز نے یرغمالیوں کو چھڑانے کے لئے اپنی تاریخ کا زبردست اور ڈرامائی آپریشن شروع کیا۔ اِسے آپریشن تھنڈر بولٹ کا خفیہ نام دیا گیا۔ جس پر بعد میں ہالی ووڈ نے ایک فلم بھی بنائی تھی۔

تل ابیب کے ایک ملٹری ائر بیس سے تین C-130 ہرکولیس ٹرانسپورٹ طیارے فضا میں بلند ہوئے، بحیرہ احمر (Red Sea) پر

پرواز کے دوران اُن کی حفاظت کے لئے اسرائیلی ائرفورس کے فینٹم لڑاکا طیارے بھی ساتھ اڑ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ خشکی کی طرف مڑ کر ایتھوپیا اور کینیا کی فضائی حدود میں داخل ہوئے۔

اسرائیل کا ایک بوئینگ 707 جسے ایک فلائنگ ہوسپٹل (Flying Hospital) میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور اس میں جدید سہولیات کا ایک مکمل آپریشن تھیٹر بھی فٹ تھا، ۳۳ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کو لیکر نیروبی کے ایک ہوائی اڈے پر اترا۔ اسی طیارے سے پچاس مسلح کمانڈوز بھی اُترے، نہیں اُسی روز ایک تیز رفتار رانچ میں بیٹھ کر جھیل وکٹوریہ عبور کرتے ہوئے یوگنڈا کی سرحد میں چپکے سے داخل کیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور اسرائیلی بوئینگ یوگنڈا کی فضائی حدود میں داخل ہوا جو ہیڈکوارٹر اور کمیونیکیشن سنٹر کے طور پر استعمال ہو رہا تھا، انٹیبے ائرپورٹ کے اردگرد موساد کے چھ اہلکار جن کے پاس ہائی فریکوئنسی ریڈیو (High frequency Radio) سیٹ تھے، اسی طیارے کیساتھ مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھے، اُن کا کام یوگنڈا کی مقامی سیکیورٹی نظام پر نظر رکھنا تھا۔ آپریشن کے دوران آخری وقت تک اس طیارے کو کپمالا کے اردگرد چکر لگانا تھا، موساد کے ان چھ آدمیوں کے پاس ایک جدید ترین الیکٹرانک آلہ تھا، جس کی مدد سے اُنہوں نے ائرپورٹ کے کنٹرول ٹاور کا ریڈار سسٹم جام کر دیا، غالباً دنیا میں پہلی بار یہ آلہ اسرائیلیوں نے یہاں استعمال کیا۔ اس کے بعد امریکہ نے ایران میں قید امریکی یرغمالیوں کی رہائی کے لئے جو ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر بھیجے تھے اُن میں بھی اسی قسم کے آلات نصب تھے، جس کی مدد سے ایرانی ریڈار سسٹم کو ناکارہ بنایا گیا تھا۔

اچانک رات کی گہری تاریکی میں ایک C-130 طیارے نے رن وے کے مغربی کنارے پر آنکھوں کو خیرہ کرنے والے روشنی کے گولے پھینکے جس سے پورا ائرپورٹ تیز روشنی میں نہا گیا، اس کے بعد اسی طیارے سے متعدد بم گرے جس کے خوفناک دھماکوں سے پورا علاقہ لرز گیا، ائرپورٹ پر متعین مسلح کمانڈوز کی توجہ اُسی سمت میں ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے اُس طرف بھاگنا شروع کیا، عین اسی لمحے دوسرے دو C-130 طیارے یکے بعد دیگرے رن وے پر اُتر گئے، وہ جونہی رُکے تو ان کے پیٹ سے ملٹری جیپیں اور بکتر بند گاڑیاں اُتریں، اُن میں آٹومیٹک ہتھیاروں سے لیس اسرائیلی کمانڈوز بیٹھے ہوئے تھے۔

اُنہوں نے فوراً سیکیورٹی گارڈز پر فائر کھول دیا۔ پلک جھپکتے ہی اسرائیلی کمانڈوز نے ائرپورٹ کے مختلف مقامات پر مورچے سنبھال لئے تھے، یوگنڈا کے کمانڈوز بھی حیران تھے، کہ اُنہیں ائرپورٹ کے محل وقوع اور محفوظ جگہوں کا اتنی جلدی کیسے پتہ چل گیا۔ اسرائیلیوں کی فائرنگ اتنی شدید اور اچانک تھی کہ یوگنڈا کے کمانڈوز کچھ دیر انتہائی بوکھلاہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر فائرنگ کرتے رہے جبکہ اسرائیلی کمانڈوز کا فائر بالکل صحیح نشانوں پر لگ رہا تھا۔ گولیوں کی اِس گھن گرج میں بالآخر اسرائیلی اُس عمارت میں داخل ہوگئے جہاں ائرفرانس کے مسافر مقید تھے، اُنہوں نے جلدی جلدی تمام مسافروں کو جیپوں میں بیٹھایا، جو انہیں لے کر تیزی سے رن وے پر کھڑے C-130 طیاروں کی طرف پوری سپیڈ میں روانہ ہوگئیں۔

دونوں طیاروں کے کارگو کمپارٹمنٹ کھلے ہوئے تھے، وہ جیپیں مسافروں سمیت اُن میں گھس گئیں، پچاس منٹ کے اندر اندر آپریشن تھنڈر بولٹ مکمل ہو چکا تھا، دونوں C-130 طیارے اپنے کمانڈوز اور رہا شدہ مسافروں سمیت فضا میں بلند ہوئے۔

اِس شوٹ آؤٹ کے دوران تین یرغمالی گولیوں کا نشانہ بن کر ہلاک ہوگئے اور اُن کے ساتھ ایک اسرائیلی کمانڈر بھی مشین گن برسٹ کی

زد میں آ کر ہلاک ہوا، جبکہ سات کے سات فلسطینی کمانڈوز گولیوں سے چھلنی ہو چکے تھے۔

اُن کے ساتھ ۲۰ یوگنڈن گارڈز بھی مر چکے تھے۔ اسرائیلیوں نے جاتے جاتے رن وے پر کھڑے یوگنڈن ائرفورس کے گیارہ مگ (MIG) لڑاکا طیاروں کو بھی دھماکوں سے تباہ کر دیا۔ یہ طیارے آہستہ آہستہ سلگتے رہے اور یوگنڈن کمانڈوز یونہی تاریکی میں فائرنگ کر کے اپنا ایمونیشن اور وقت ضائع کرتے رہے حالانکہ حمدآور کب کے پرواز کر چکے تھے۔

اسرائیلی طیارے آپریشن مکمل کرنے کے بعد نیروبی کے ایک فوجی ہوائی اڈے پر اترے، وہ چار گھنٹے تک یہاں رُکے رہے پھر ایندھن لینے کے بعد وہ تل ابیب کے لئے روانہ ہوئے۔

رات کے ایک بجے کے قریب عیدی امین کو اُسکے سیکرٹری نے جگا کر ارجنٹ فون کی اطلاع دی۔ عیدی امین نے آنکھیں ملتے ہوئے جونہی فون اٹھایا تو اُس نے تل ابیب سے کرنل بار لیو کو سُنا

ہار لیو سر میں آپ کے بھرپور تعاون کے لئے بے حد ممنون ہوں

سلیکٹ آپریشن۔ابو جہاد

Select Operation : Abu Jehad

سات مارچ ۱۹۸۹ء۔ رات کے تین بجے گھپ اندھیرے میں "الفتح" کی فورس۔ ۱۷ کے تین انتہائی مسلح فدائین مصر کی جانب سے اسرائیلی سرحد عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ تینوں ابو جہاد کی تربیت یافتہ فورس کے بہترین افراد تھے۔

انہوں نے سرحد پر لگی خاردار تاریں کاٹ کر پیش قدمی شروع کی۔ صبح چھ بجکر تیس منٹ پر صحرائے نگیو Negev کی پہاڑی سڑک پر انہوں نے اسرائیلی ڈیفنس فورسز (IDF) کی ایک سفید رنگ کی رینالٹ کار کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اس میں چار غیر مسلح اسرائیلی فوجی افسر سوار تھے۔ فلسطینی نوجوانوں کے ہاتھوں میں AK - 47 ایس لٹ رائفلیں اور Carl Gustav سب مشین گنیں دیکھ کر وہ فوراً کار سے باہر نکل آئے۔ اس کے بعد انہوں نے کار اپنے قبضے میں لی اور تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر انہوں نے ایک انتہائی فاش غلطی یہ کی کہ ان اسرائیلی افسروں کو زندہ چھوڑ گئے۔ انہوں نے فوراً ایک قریبی جیل پہنچ کر اس واقعے کی اطلاع دی۔

چند ہی سیکنڈ میں اسرائیل کی انٹرنل سیکورٹی مشینری حرکت میں آ گئی۔ صحرائے نگیو میں واقع رہائشی علاقوں کو بذریعہ ٹیلیفون اور شارٹ ویو ریڈیو خبردار کر دیا گیا کہ تین خطرناک فلسطینی کمانڈو علاقے میں داخل ہو چکے ہیں۔

فضائی حملے سائرن بجا کر عورتوں اور بچوں کو حفاظتی پناہ گاہوں میں گھسنے کا حکم دیا گیا جبکہ مرد ہتھیار ہاتھوں میں لئے دفاعی پوزیشن میں بیٹھ گئے۔ پولیس گاڑیاں تیزی سے گشت کرنے لگ گئی۔ سڑک پر جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی۔

07:15 پر فلسطینی کمانڈوز سڑک کی ایک رکاوٹ کے قریب پہنچے لیکن انہوں نے کمال پھرتی سے اس کے گرد چکر کاٹا اور آگے نکل گئے۔ پولیس نے انکا پیچھا شروع کیا۔ اسرائیلی پولیس کار کی ٹائروں پر مسلسل فائرنگ کرتے رہے لیکن نشانہ نہیں لگ رہا تھا۔ ادھر فلسطینی کمانڈوز بھی جواب میں فائرنگ کرتے رہے۔

کچھ دور جا کر انہوں نے کار روک دی کیونکہ مسلسل فائرنگ سے اب وہ تقریباً ناکارہ ہو چکی تھی۔ وہ سڑک کے قریب ایک نالے میں کود پڑے۔ وہ پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی کسی اور گاڑی پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ جلد ہی ایک بس انکے قریب پہنچی۔ اس میں ڈیمونا نیوکلیئر ریسرچ سنٹر کے کارکن سوار تھے جو اپنی ڈیوٹی کیلئے جا رہے تھے۔

بس کے ڈرائیور نے تین مسلح کمانڈوز کو دیکھتے ہی سخت بریکیں لگا دیں۔ اس نے تمام دروازے کھول کر مسافروں کو بس سے کودنے کا حکم دیا۔ لیکن آٹھ عورتیں اور ایک مرد نکلنے میں ناکام ہو گئے فلسطینیوں نے بس اپنے قبضے میں لیکر انہیں اپنی سیٹوں پر واپس بٹھا دیا۔

چند ہی لمحوں میں تعاقب کرتی ہوئی پولیس گاڑیاں بھی موقع پر پہنچ گئیں۔ پولیس نے رینالٹ کار سے ایک تھیلا برآمد کیا جو دستی گرینیڈوں سے بھرا ہوا تھا فلسطینی شاید اسے بھول گئے تھے۔

پولیس نے بس کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔ ڈسٹرکٹ پولیس کمانڈر جو بڑی روانی کیساتھ عربی بولتا تھا نے کمانڈوز کیساتھ بات چیت شروع کر دی۔ اس کا مقصد انہیں باتوں میں الجھا کر کچھ نفسیاتی اثرات پیدا کرنا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد وہ جگہ ملک کی معروف ترین مقام بن چکی تھی۔ اسرائیلی ڈیفنس کیبنٹ کے اعلیٰ ترین عہدیدار وہاں پہنچ چکے تھے جن میں وزیر دفاع لیفٹیننٹ جنرل Vitzkah Rabin، پولیس منسٹر لیفٹیننٹ جنرل Don Shomron اور ڈپٹی چیف آف سٹاف میجر جنرل Ehud Barak وغیرہ شامل تھے۔

فضاء میں دو فوجی ہیلی کاپٹر بھی گشت کر رہے تھے۔ ان کی پرواز اتنی نیچی تھی جس سے ریت کا طوفان سا برپا ہو گیا تھا۔ درجنوں فوجی ٹرک، کاریں اور ایمبولینس الگ دھوں اڑاتی وہاں پہنچ رہی تھی۔

آئی ڈی ایف (IDF) کا ایک سپیشل کمانڈو دستہ آپریشن کیلئے محض اشارے کا منتظر تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی کامیاب کاروائیوں میں حصہ لے چکے تھے۔ مگر اس بار ان کا سامنا انتہائی تربیت یافتہ اور خطرناک اسلحے سے لیس فدائین سے تھا جنہیں موت کی پرواہ نہیں تھی۔

وہ اس دوران کئی مرتبہ ارد گرد کے ہجوم پر 62 7 ایم ایم کے برسٹ فائر کر چکے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اسرائیلی فوجیوں پر تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد گرینیڈ بھی پھینک رہے تھے۔ اس گھن گرج میں بھی حکام بات چیت کیلئے ان کی منت سماجت کر رہے تھے۔ آخر کار ایک فلسطینی نے بس کی کھڑکی سے سر نکالا اور چیختے ہوئے کہا "اسرائیلی جیلوں میں بند تمام فلسطینی قیدیوں کو فوراً رہائی دو اور انہیں کسی بھی دوست عرب ملک جانے کیلئے پرواز کا بندوبست کرو"۔ پولیس کے سربراہ نے التجا کی کہ وہ کم از کم فائرنگ تو بند کریں تاکہ بات ہو سکے مگر انہوں نے سے نظر انداز کرتے ہوئے ہر دس منٹ بعد ایک مسافر کی لاش باہر پھینکنا شروع کی۔

دس بجے کے قریب بس سے دوبارہ فائرنگ کی آواز گونجی۔ فلسطینیوں نے ایک اور مسافر کی لاش باہر پھینکی مگر اس مرتبہ بارڈر گارڈ کمانڈوز نے اچانک بس پر دھاوا بول دیا۔

انہوں نے بلٹ پروف جیکٹس پہنی ہوئی تھیں اور ان کے پاس Imra - UZI کی سب مشین گنیں تھیں۔

10:15 پر آپریشن مکمل ہوا تو سڑک پر تینوں فلسطینی فدائین کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ٹی۔ شرٹیں پہن رکھی تھی جس پر انگریزی کے جلی حروف میں فلسطین لکھا ہوا تھا۔

فدائین کا یہ آپریشن ابوجہاد نے ترتیب دیا تھا۔

ابوجہاد جس کا اصل نام خلیل ابراہیم الوزیر تھا ۱۹۳۵ میں تل ابیب کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔

۱۹۴۸ء کی جنگ کے دوران میں اسکا خاندان غزہ منتقل ہو گیا تھا۔ ۱۹۵۹ میں اس نے یاسر عرفات کی سرکردگی میں "الفتح" کی بنیاد رکھی۔

تب سے وہ اس کا سیکنڈ ان کمانڈ تھا۔ اس نے "الفتح" کی ملٹری یا عسکری شاخ "الاصفہ" کی بھی بنیاد رکھی۔ اس کے کارکنوں کو گوریلا ٹریننگ کیلئے چین، ویت نام اور شمالی کوریا بھیجا۔ الاصفہ کے لئے خطرناک ہتھیار اور بم مہیا کرنا ابوجہاد کے ذمے تھا۔

۲۳ سال کی عرصے میں اس نے اسرائیل کے خلاف سینکڑوں تباہ کن آپریشن کئے جس میں لاتعداد لوگ ہلاک یا زخمی ہوئے۔

یکم جنوری ۱۹۶۵ء کو محمود الحجازی "الفتح" کے ایک نڈر مجاہد نے اسرائیلی سرحد عبور کر کے وہاں ایک آبی منصوبے کو دھماکے سے اڑا کر اسرائیل کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ فلسطینی یکم جنوری کو انقلابی دن کے طور پر یاد کرتے ہیں۔ یہ کاروائی ابوجہاد نے پلان کی تھی۔ ۱۹۸۰ء کی دھائی میں مقبوضہ عرب علاقوں میں اسرائیلی غاصبوں کے خلاف فلسطینی عوام نے عوامی مظاہروں اور سنگ باری کا ایک سلسلہ شروع کیا جسے انہوں نے انتفادہ کا نام دیا۔ یہ تحریک بھی ابوجہاد کے سوچ کا نتیجہ تھی۔ ابوجہاد نے ان علاقوں میں موساد کے نیٹ ورک کو کافی نقصان پہنچایا۔ موساد کیلئے جاسوسی کرنے والے عرب نوجوانوں کو بھی چُن چُن کر ہلاک کرایا۔

ابوجہاد نے مختلف فلسطینی دھڑوں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے لیبیا، مشرقی جرمنی اور رومانیہ کے دورے کئے۔ وروہاں اپنی تنظیم کیلئے مالی امداد اور اسلحہ اکھٹا کیا۔

اس کے مشرقی یورپ کی خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ بھی گہرے روابط تھے۔ موساد نے اسے کئی مرتبہ ہلاک کرنے کوشش کی تھی۔ مگر وہ بچ نکل جاتا تھا۔

ابوجہاد کی اچانک ہلاکت کے بارے میں اسرائیل نے کبھی ذمہ داری قبول نہیں کی تھی۔

اسکے باوجود کچھ یورپی اور اسرائیلی صحافیوں نے ابوجہاد کے اس بہیمانہ قتل کے متعلق مفصل رپورٹ مغربی پریس کے حوالے کر دی۔

کسی بھی خفیہ آپریشن کے بعد اس سے لاتعلقی ظاہر کرنا اسرائیل کی پالیسی کا حصہ ہے۔ عالمی احتجاج یا مذمت کی صورت میں وہ بالکل انجان بن جاتا ہے۔

۱۹۸۲ء میں بیروت سے انخلاء کے بعد پی ایل او کا ہیڈ کوارٹر تیونس میں کام کر رہا تھا۔ یہاں ابوجہاد کی روزانہ مصروفیات کے متعلق لمحے لمحے کی رپورٹ براہ راست تل ابیب میں موساد کے مین کمپیوٹر میں مسلسل پہنچ رہی تھی۔ کہتے ہیں کہ پی ایل او کا ایک اہم عہدیدار بھاری رقم کے عوض یہ حساس انفارمیشن موساد کو دے رہا تھا۔

اس قسم کے منفرد ملٹری آپریشن کیلئے جاسوسی کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ تیونس میں موساد کا زبردست جال بچھا ہوا تھا۔ ویسے بھی گذشتہ تین دھائیوں سے شمالی افریقہ کے ملکوں میں اسرائیلی جاسوسی ادارے بڑے فعال طریقے سے سرگرم عمل تھے۔

۱۹۸۵ء میں اسرائیل نے تیونس میں اپنا انٹیلی جنس نیٹ ورک (Intelegence Network) منظم کرتے ہوئے اپنے مزید ایجنٹ بھیجنے شروع کئے۔ اور وہاں آپریشن کی صورت میں اپنے کارندوں کے چھپنے کیلئے محفوظ اڈے (Safe houses) تلاش کئے۔ ان کی اعلیٰ کارکردگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اسرائیلی ائرفورس کے ایف سولہ طیارے تیونس میں پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر (Force -

(17 پر بمباری کر رہے تھے تو وہاں سے یاسر عرفات اور ابو طیب (ملٹری کمانڈر) چند منٹ قبل نکل چکے تھے۔

انٹیلی جنس ایجنسیوں کے شانہ بشانہ اسرائیلی نیوی کے کمانڈوز نے بھی تیونس کی سمندری حدود میں خفیہ سرگرمیاں شروع کیں۔ انہوں نے ساحلی علاقوں کی جانچ پڑتال کر کے وہاں ممکنہ لینڈنگ سائٹس کا جائزہ لیا۔

تیونس کے نیوی بیس اور سمندری ریڈار سسٹم کا بغور مطالعہ کیا۔ اس کے علاوہ اہم شاہراہوں، ائرفیلڈز اور حم شط میں واقع پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر کی خفیہ نگرانی شروع کی۔ تیونس کے خوبصورت رہائشی علاقے میں پی ایل او کے اعلیٰ عہدیداروں کی کوٹھیوں پر نشان لگائے۔

اس خفیہ سرگرمیوں میں سب سے اہم بات فلسطینی اور تیونسی ریڈیائی کمیونیکیشن تھی جسے موساد بڑے آرام سے پکڑ رہا تھا۔

اپریل ۱۹۸۸ء کے پہلے ہفتے میں اسرائیلی کمانڈوز نے آپریشن کی ریہرسل کی۔ ابو جہاد کے گھر کا ماڈل بنا کر اس پر منظم طریقے سے حملے کئے اس مشق کیلئے ایسے اوقات رکھے گئے جب سپر پاور ملکوں کے سیارے اسرائیل کے اوپر محو پرواز نہیں ہوتے تھے۔ گرچہ اس آپریشن کی کامیابی کا زیادہ تر انحصار موساد اور ملٹری انٹیلی جنس کی فراہم کردہ صحیح معلومات پر تھا لیکن اسکے علاوہ بھی انتہائی اہمیت کے دو اور کام تھے جس کے بغیر مشن کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

قریباً تیس چالیس کمانڈوز کو چار میزائل بوٹس میں تیونس کے ساحل پر اتارنا تھا۔ ان کشتیوں پر ہیلی کاپٹر بھی تھے۔ ان میں سے ایک کشتی پر دو AH-1 S کوبرا گن شپ کھڑے تھے۔ ایک ہیلی کاپٹر میں مکمل طبی سہولیات اور سرجری کا انتظام تھا۔ آپریشن کے دوران زخمیوں کو اٹھانا اور انہیں واپس دشمن علاقے سے نکالنا ان دونوں ہیلی کاپٹروں کا کام تھا۔

تیونس کی فضائی حدود میں اسرائیلی ائرفورس دو سپیشل قسم کے بوئنگ 707 الیکٹرانک جاسوسی اور نگرانی کیلئے مقرر کیے گئے۔ ایک جہاز جس پر انٹرنیشنل شناختی نمبر 4X-007 لکھا ہوا تھا میں ملٹری انٹیلی جنس کے ہیڈ۔ میجر جنرل (Amnon Shahan) نے موساد کے ایک افسر کیساتھ بیٹھنا تھا۔ دوسرے بوئنگ نے فلائنگ ہیڈ کوارٹر کا کام کرنا تھا۔ اس فلائٹ پر آفیسر کمانڈنگ (OC) میجر جنرل- (Avihu Ben nun) نے چارج سنبھالنا تھا۔ اس کے علاوہ بحیرہ روم کے اوپر فضا میں ان طیاروں کو ایندھن فراہم کرنے کیلئے دو فلائنگ ٹینکرز اڑنے والے تھے جس کے اوپر نیچے حفاظت کیلئے F-15 طرز کا طیارے تھے۔

حملہ ٹیم کے کمانڈوز کے پاس خاموش سب مشین گنیں اور انتہائی چھوٹے ریڈیو سیٹ تھے۔ انہوں نے تاریکی میں دیکھنے کیلئے Night Vision Goggles پہن رکھی تھیں۔ اس کے ساتھ ان کے پاس وافر مقدار میں سٹن گرینیڈ اور anti-personnel fragmentation grenades بھی تھے۔

اپریل کے اوائل میں ایک رات میزائل بوٹس کا آرمیڈا انتہائی خفیہ طور اسرائیل کے ایک محفوظ ساحل سے روانہ ہوا۔

تاہم انتہائی رازداری کے باوجود فرانسیسی انٹیلی جنس سروس کو اس آپریشن کے متعلق کچھ اشارے مل چکے تھے۔ انہوں نے پی ایل او کو خبرداری دے دی تھی کہ اسرائیلی کمانڈوز کسی بھی لمحے ابو جہاد کو ختم کرنے کیلئے حملہ آور ہو سکتے ہیں مگر پی ایل او نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہیں دی خود

ابوجہاد کا خیال تھا کہ اسرائیل اگر کسی بڑے فلسطینی لیڈر کو قتل کرنا چاہیں گے بھی تو وہ یاسر عرفات کو ہی ٹارگٹ کریں گے اور وہ ان دنوں بحرین میں تھا لہٰذہ وہ فرنچ سیکرٹ سروس کی اطلاع کو غلط گھتار ہا اور یہی اس کی زندگی کی سب سے فاش غلطی ثابت ہوئی۔

۱۴اپریل کو اسرائیلی کابینہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں اس آپریشن کی منظوری دی گئی۔

۱۵اپریل کو شب کی تاریکی میں اسرائیلی نیوی کی میزائل بوٹس تیونس کی سمندری حدود کے قریب پہنچ گئے۔ جبکہ دو اسرائیلی بوئینگ 707 مین ساتویں فضائی روٹ (Blue - 21) پر نمودار ہوئے۔ یہ راستہ جنوبی سسلی اور شمالی تیونس کے درمیان تھا۔ ان طیاروں نے اپنے E.C M سسٹم (Electronic Counter measures) کے ذریعے تیونس کے تمام ریڈار سسٹم اور کمیونیکیشن ٹریفک کو جام کر دیا۔ عین اس لمحے تیونس میں موساد کے ایجنٹوں نے پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر سے نکلنی والی ٹیلیفون لائنوں میں گڑ بڑ پیدا کر دی تاکہ آپریشن کے وقت فلسطینی مدد کیلئے پولیس کو اطلاع نہ دینے پائے۔

ایک میزائل بوٹ سے دو کمانڈوز نے جنہوں نے تیراکی کے لباس اور آکسیجن ماسک پہن رکھے تھے۔ بحیرہ روم کے متلاطم پانیوں میں غوطہ لگایا۔

وہ زیر سمندر تیرتے ہوئے تیونس کے ایک سنسان ساحل پر پہنچے۔ جہاں موساد کے چند کارندے پہلے سے ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے وہاں سے آسمان کی بلندیوں میں محو پرواز بوئینگ 707 (فلائنگ ہیڈ کوارٹر) سے رابطہ کیا۔ ہیڈ کوارٹر نے ان کے مشورے پر کھلے سمندر میں لنگر انداز میزائل بوٹس کے کمانڈوز کو آپریشن شروع کرنے کا گرین سگنل دیا۔

چند ہی لمحوں میں بوٹس سے ربڑ کی پانچ کشتیاں سمندر میں اتاری گئی جس میں کمانڈوز کے پانچ گروپ سوار ہو کر مذکورہ ساحل پہنچے۔ اس کے فوراً بعد میزائل بوٹس تیونس کے سمندری حدود سے پیچھے ہٹ گئیں۔

ساحل پر کمانڈوز دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک نے ناریل کے درختوں کے جھنڈ میں دفاعی پوزیشن سنبھال لی جبکہ دوسرا گروپ تین کرائے پر حاصل شدہ گاڑیوں (ایک Peugeot 305 اور دو فوکس ویگن منی بسیں) میں بیٹھ کر سیدی بوسید کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ تیونس کی فیشن ایبل بستی تھی جہاں پی ایل او کے تمام اعلیٰ عہدیداروں کی رہائش گاہیں واقع تھی۔ اس جگہ پی ایل او کی انٹیلی جنس سروس کا چیف بھی رہائش پذیر تھا۔ کہتے ہیں کہ اسی شخص نے موساد کے ساتھ خفیہ ساز باز کی تھی۔ اس بستی میں سیکورٹی انتہائی سخت تھی۔ تیونسی ملٹری پولیس ہر وقت گشت پر رہتی تھی۔

۱۶اپریل رات دس بجے موساد کی تینوں گاڑیاں ابوجہاد کی کوٹھی پر پہنچیں۔ وہاں موساد کے دوسرے ایجنٹ پہلے سے گھر اور ارد گرد کے علاقے کی نگرانی کر رہے تھے۔ لیکن ابوجہاد گھر پہ موجود نہیں تھا وہ اس وقت ایک دوسرے مقام پر پی ایل او کی ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھا۔

کمانڈوز کی اے۔ فورس ابوجہاد کی رہائش گاہ کے ارد گرد منڈلانے لگی جبکہ B۔ فورس فرار کے رستوں کی نگرانی کرنے لگی۔

اپنی شناخت چھپانے کی خاطر وہ آپس میں فرنچ اور عربی میں گفتگو کر رہے تھے۔ رات ڈیڑھ بجے ابوجہاد اپنی رہائش گاہ پہنچا۔ اس کی کار کے آگے پیچھے تین چار گاڑیوں میں مسلح گارڈ بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوجہاد کی مرسڈیز گھر کے اندر داخل ہوئی۔ وہ کار سے اتر کر سیدھا اپنے کمرے

کی طرف سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ جبکہ اس کے محافظوں نے جن کے پاس mm 9 کی Beretta سب مشین گن اور (AKMS) 7.62 ایم ایم اسالٹ رائفلیں تھیں۔ انہوں نے اپنی اپنی پوزیشن سنبھالی۔ محافظوں کی اسرائیلیوں پر ابھی نظر نہیں پڑی تھی جو مکان کے دوسری طرف اندھیرے میں چھپ گئے تھے۔ ان کا ارادہ ابوجہاد کو سوتے ہوئے ہلاک کرنا تھا۔ مگر وہ ابھی تک اپنی خواب گاہ میں جاگ رہا تھا۔

آخرکار رات ڈھائی بجے ابوجہاد کی دوسری منزل پر واقع بیڈروم کی بتی بجھ گئی اور یوں پورا مکان خاموش تاریکی میں ڈوب گیا۔

تھوڑی دیر بعد A فورس کا ایک کمانڈو ابوجہاد کی کار کے قریب پہنچا جہاں اس کا ڈرائیور مزے کی نیند سو رہا تھا۔ اس نے پستول سے اس کا کام تمام کر دیا۔ گھر کا ایک آہنی گیٹ بغیر شور پیدا کئے انتہائی جدید طریقے سے توڑ کر کمانڈوز اندر داخل ہوئے۔

انہوں نے سیڑھیوں کے قریب ایک گارڈ کو گولیاں مار کر ہلاک کیا۔ پھر وہ ابوجہاد کے بیڈروم کی طرف بڑھے۔ انہوں نے چند ہی سیکنڈ میں کمرے کا دروازہ توڑ ڈالا اور اندر داخل ہو گئے۔ ابوجہاد کمرے سے باہر گولیوں کی گونج سے جاگ چکا تھا۔ ابھی اس نے اپنے تکیے سے سر اٹھایا ہی تھا کہ اس کا بدن مشین گن کی برسٹ سے چھلنی ہو گیا۔ بعد میں پوسٹ مارٹم کے دوران اسکے جسم سے 75 راؤنڈ نکالے گئے۔ اس کی بیوی ام جہاد جو اس کے قریب ہی لیٹی ہوئی تھی کو خراش تک نہیں آئی۔

ایک دوسرا بیان کچھ یوں ہے کہ ابوجہاد ریوالور لیکر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا تھا اور اس نے ایک اسرائیلی کمانڈو پر گولی چلائی مگر نشانہ خطا ہو گیا اور خود حملہ آور کی مشین گن کی زد میں آ گیا۔ برسٹ اس قدر شدید تھا کہ جس ہاتھ میں اس نے ریوالور تھاما ہوا تھا کٹ کر علیحدہ ہو گیا۔

اس دوران میں ام جہاد خوف سے بری طرح چلا رہی تھی اور اس کے بچے بھی رو رہے تھے پاس کھڑے ایک اسرائیلی کمانڈو نے اس کے بچوں کو کہا جاؤ اپنی ماں کو سنبھالو۔

انہوں نے ابوجہاد کے سٹڈی روم کی خوب تلاشی لی۔ ان کے ہاتھ پی ایل او کی کئی حساس اور خفیہ فائلیں لگیں۔

مشن مکمل ہوتے ہی وہ جائے واردات سے نکلے اور انہی گاڑیوں میں جن میں وہ یہاں پہنچے تھے بیٹھ کر مقررہ سمندری ساحل پر پہنچے۔ تمام راستے میں کسی بھی تیونسی پولیس کا نام و نشان نظر نہیں آیا۔ وہ بغیر کسی رکاوٹ کے فرار ہو گئے۔ ساحل پر اسرائیلی نیوی کمانڈوز کسی بھی ممکنہ حملے کیلئے تیار کھڑے تھے۔

وہ گاڑیاں ساحل پر ہی چھوڑ کر ربڑ کی کشتیوں میں سوار ہو کر کھلے سمندر میں لنگر انداز میزائل بوٹس پر پہنچ کر اسرائیل روانہ ہوئے۔

تیونس میں موساد کے خفیہ ایجنٹ بھی سیدھا ائیرپورٹ گئے جہاں سے انہوں نے مغربی یورپ کے مختلف ملکوں کو جانے والی پروازیں پکڑیں۔ یورپ سے پھر دوسری فلائٹ میں وہ تل ابیب پہنچ گئے۔ گرچہ انہوں نے اسرائیل کی تاریخ کے سب سے بڑے زبردست خفیہ آپریشن میں حصہ لیا تھا مگر وہ ہمیشہ گمنام ہی رہے۔

یہ آپریشن محض تیرہ سیکنڈ میں مکمل ہوا جبکہ اس کی پلاننگ پر سینکڑوں انسانی گھنٹے (man hours) صرف ہوئے۔ میزائل بوٹس، ہوائی جہازوں، گاڑیوں اور جدید اسلحہ کو کام میں لایا گیا لیکن آپریشن پلک جھپکتے ہی پورا ہو گیا۔

دو دن بعد ۱۸ اپریل کو ایک اسرائیلی اخبار "Yediot Aharonot" نے یہ خبر شائع کی۔

"The terminators of Abu Jehad returned to Israil by sea"

میزائل بوٹس کا بیڑا ایف۔ ۱۵ اور ایف۔ 16 فائٹر طیاروں کی حفاظت میں تل ابیب کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔

ام جہاد جو خود بھی پی ایل او کی سینئر ممبر اور شہداء فنڈ، کی چیئر پرسن تھی۔ ابو جہاد کو خون میں لت پت مرتے دیکھتی رہی۔ اس نے ٹیلیفون پر پولیس کو اطلاع دینے کی کوشش کی مگر لائن کٹ چکی تھی۔

اس کی بیٹی حنان دوڑتی ہوئی اپنے ہمسائے کے گھر پہنچی اور اسے اس واقعے کی اطلاع دی۔ اُس نے فوراً فلسطینی اور تیونس سیکورٹی حکام کو فون پر مطلع کرنے کی کوشش کی مگر اس کا ٹیلیفون بھی ناکارہ ہو چکا تھا۔ حملے کے دوران ام جہاد نے چند اسرائیلی کمانڈوز کے چہروں کو نوٹ کر لیا تھا۔ اس نے میڈیا کو بیان دیا کہ کمانڈو ٹیم کیساتھ ایک سنہرے بالوں والی لڑکی بھی تھی جو اس آپریشن کی ویڈیو فلم بنا رہی تھی۔ وہ عبرانی لہجے میں فرانسیسی بول رہی تھی۔ ام جہاد حیران تھی کی انہوں نے سے کیوں گولی نہیں ماری، کیونکہ اس سے پہلے بیروت میں اسرائیلیوں نے ابو یوسف اور اس کی بیوی، مہ کو ایک ساتھ شوٹ کر دیا تھا۔

ہٹ ٹیم کو ابو جہاد کے کمرے سے ان لاتعداد فلسطینی مجاہدوں کی فہرست ملی جو مغربی یورپ اور اسرائیل میں خفیہ سرگرمیوں میں معروف تھے۔ موساد کو ابو جہاد کے قتل سے زیادہ ان دستاویزات کی ضرورت تھی۔ اور وہ انہیں بونس میں مل گئے تھے۔

ابو جہاد اس سے پہلے تین قاتلانہ حملوں میں بچ چکا تھا۔ لبنان میں ۱۹۷۶ء اور ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۰ء میں تہران میں اسے ختم کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔

اس کا جسد خاکی کفن دفن کیلئے دمشق لیجایا گیا۔ تقریباً پانچ لاکھ افراد نے اس کے جنازے میں شرکت کی۔ سکا تابوت فلسطینی پرچم میں لپیٹا ہوا تھا۔ اسے دمشق کے فلسطینی شہداء کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

وہ شخص جس نے ساری عمر فلسطین کی آزادی کیلئے جنگ لڑی مرنے کے بعد بھی جلاوطن رہا۔ اس کے جنازے میں کئی اہم فلسطینی لیڈروں نے شرکت کی۔ لیکن اس کا گہرا دوست اور رفیق کار یاسر عرفات اس موقع پر موجود نہ تھا۔ شائد اسے شام میں اپنی زندگی کا خطرہ تھا۔ وہ اس دن لیبیا میں تھا۔

یہ عجیب بات تھی کہ ابو جہاد کے قتل سے عرب دنیا میں یکدم یکجہتی پیدا ہوگئی۔ ورنہ یہ ابو جہاد ہی تھا جس نے ۱۹۷۰ء میں شاہ حسین کے خلاف مسلح جنگ لڑی جس میں اردنی فوجوں نے ہزاروں فلسطینیوں کو کچل ڈالا تھا۔ شام کی انٹیلی جنس نے دمشق میں ابو جہاد کے بیٹے کو اپنے اپارٹمنٹ جو ساتویں منزل پر واقع تھا کی کھڑکی سے نیچے پھینک کر ہلاک کر دیا تھا۔ ابو جہاد نے شامیوں کو زندگی بھر بھی معاف نہیں کیا۔ لبنان میں ۷۶-۱۹۷۵ء کی خانہ جنگی کے دوران اس نے شامی فوج کے خلاف زبردست مزاحمت کی جو کرسچین ملیشاء کے ساتھ ملکر فلسطینیوں کو ختم کرنے پر آ گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں سینکڑوں شامی فوجی ہلاک یا زخمی ہوئے۔

ابو جہاد کی شہادت سے پی ایل او کو زبردست دھچکا لگا تھا۔ کیونکہ اس جیسا انتہائی ذہین اور زیرک ملٹری کمانڈر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

اسکی موت سے الفتح کی وہ صلاحیت ہی ختم ہوگئی جس کے ذریعے وہ یورپ اور اسرائیل میں خوف وہراس پیدا کرتی تھی۔ اس کی موت سے یہودیوں نے سکھ کا سانس لیا۔

۹ جولائی ۱۹۸۸ء کو ابوظہبی کے ایک اخبار میں ابوجہاد کی ہلاکت کے ضمن میں خبر شائع ہوئی کہ تیونس پولیس نے موساد کے چالیس کے قریب خفیہ ایجنٹوں کو گرفتار کیا جو کسی نہ کسی طرح ابوجہاد کے قتل میں ملوث تھے۔ گرفتار ہونے والوں میں تیونسی یہودی کئی فلسطینی اور لبنانی باشندے تھے۔ ایک نائٹ کلب کی رقاصہ کو بھی حراست میں لیا گیا۔ تیونس کی خفیہ پولیس مسلسل کئی روز سے اس کی رہائش گاہ کی نگرانی کر رہی تھی کیونکہ کچھ یہودی مشتبہ افراد اس کے ہاں کثرت چکر لگاتے تھے۔ پوچھ گچھ کے دوران اس ڈانسر نے اعتراف کیا کہ وہ موساد کے سینئر ایجنٹوں سے ملنے کئی مرتبہ یورپ گئی تھی۔ اس کے پی ایل او کے اہم عہدیداروں کے ساتھ قریبی مراسم تھے جس کی وجہ سے اسے ابوجہاد کی نقل وحرکت کے بارے میں بیش قیمت معلومات ملتی رہیں۔

ابوجہاد کی شہادت میں ملوث اس خفیہ گینگ کو ایک اندازے کے مطابق موساد نے دس ملین ڈالر ادا کئے تھے۔ تاہم گرفتار شدہ افراد کا پھر کسی کو پتہ نہیں چلا کہ تیونس حکومت نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

آپریشن ٹائیگر

Operation Tiger

شائد کم لوگوں کو علم ہوگا کہ اسرائیل میں راسخ العقید (ultra-orthodox) یہودیوں کا ایک ایسا فرقہ بھی موجود ہے جو بڑی شدت کیساتھ اسرائیل کے وجود سے نکاری ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اسرائیلی ریاست کا قیام خدا کی نظر میں ایک قابل نفرت اقدام ہے اور یہ بنی اسرائیل کے اس کفر کے مترادف ہے جب موسیٰ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کو طور گئے اور وہ سونے کے ایک بچھڑے کی عبادت کرنے لگے۔

بقول اس فرقے کے "تورات نے پیشن گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل ساری دنیا میں بکھر جائیں گے اور پھر صرف روز قیامت ہی یکجا ہوں گے" یہ فرقہ Hassidim of Breslav کہلاتا ہے۔

ہر سال یہ یہودی فرقہ باقاعدگی کیساتھ اقوام متحدہ کو یادداشت پیش کرتا رہتا ہے۔ کہ "اسرائیل کا وجود تورات کے مطابق غیر شرعی ہے لہٰذا اسے ختم کر دیا جائے"۔

وہ عربوں کے بجائے اسرائیلی حکومت اور ان یہودیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جنہوں نے تورات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسرائیلی ریاست قائم کی اور خدا کی اجازت کے بغیر بکھرے ہوئے یہودیوں کو یکجا کیا۔

اس فرقے کے نوجوان اسرائیلی فوج کی ملازمت نہیں کرتے۔ لیکن اس مخالفت کا ہرگز یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس صیہونی ریاست کو فلسطینیوں کے حوالے کر دیا جائے۔

عیدہ ۱۹۵۷ء میں اپنے شوہر آرتھر جو پیشے کے لحاظ سے درزی تھا اور ۲ بچوں زینہ اور جوزف کے ہمراہ پولینڈ سے اسرائیل منتقل ہوئی تھی۔ عیدہ کے باپ نحمان (Nahman Shtarkes) کا بھی مذکورہ بالا کٹر فرقے سے تعلق تھا۔ یہ شخص روس سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوا تھا۔ روسی کمیونسٹوں نے اسے سائبیریا جلاوطن کیا تھا جہاں اس کی ایک آنکھ اور پاؤں کی تین انگلیاں ضائع ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ یہودیوں سے نفرت کرنے والے ایک گروہ نے اس کے ایک بیٹے کو بھی قتل کر دیا تھا۔ اب وہ روس سے انتہائی نفرت کرتا تھا۔

عیدہ اکثر روس میں پرانی سہیلیوں کو خط لکھتی تھی۔ ایک دن اُس کا ایک خط کسی طرح بوڑھے ربی نحمان کے ہاتھ لگ گیا۔ خط میں اور باتوں کے علاوہ عیدہ نے اسرائیل میں مالی مشکلات کا ذکر کیا تھا اور خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ ایک بار پھر روس منتقل ہونا چاہتی ہے۔

نحمان نے اس خط کو بے حد سنجیدہ تصور کیا۔ اسے فکر لاحق ہوگئی کہ وہ جس ملک سے انتہائی نفرت کرتا رہا ہے اب نہ صرف اس کی بیٹی بلکہ نواسہ بھی وہاں چلا جائے گا۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ جوزف وہاں عیسائی بن جائے گا۔ وہ اسے اب مذہبی فریضہ سمجھنے لگا کہ جوزف کو ہر صورت میں بچایا جائے۔

دسمبر ۱۹۵۹ء میں عیدہ اور آرتھر کی مالی پوزیشن کسی قدر مستحکم ہوگئی تھی انہوں نے زینہ کو مذہبی ادارے سے واپس بلالیا اور جوزف کو بھی واپس لانے کا ارادہ کیا مگر بوڑھا ربی اس پر راضی نہیں تھا۔

عیدہ نے یروشلم میں اپنے باپ کی بڑی منت کی کہ وہ جوزف کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے مگر بوڑھا ربی بضد تھا کہ جوزف کی مذہبی تعلیم ابھی نامکمل ہے۔ وہ اسے بھی کٹر یہودی بنانا چاہتا تھا۔ عیدہ کے آنکھوں میں آنسو آگئے اور روتے ہوئے باپ سے کہنے لگی "خدا کیلئے مجھے میرا بیٹا واپس دے دو" آخر بڑی تگ و دو کے بعد بوڑھا تھوڑا نرم ہوا تو کہنے لگا ٹھیک اگلے ہفتے اسے لے جاؤ۔

عیدہ خوشی خوشی بچے کو پیار کر کے تل ابیب چلی آئی۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ اگلے تین سالوں تک وہ اس لڑکے کی شکل تک نہیں دیکھ سکے گی۔

مقررہ دن عیدہ جب واپس اپنے باپ کے پاس آئی تو وہاں جوزف موجود نہیں تھا۔ اس نے اپنے باپ سے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا مجھے پتہ نہیں ہے۔ عیدہ نے مسلسل ایک ہفتہ رو رو کر باپ کی منت سماجت کی مگر بوڑھا ربی خاموش رہا وہ ٹس سے مس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ آخر تھک ہار کر عیدہ نے پولیس کو رپورٹ کردی۔ پولیس بوڑھے کو پکڑ کر لے گئی۔ مگر وہاں بھی اس نے کہا کہ مجھے فی الحال کچھ پتہ نہیں ہے اگر پتہ چل بھی جائے تو وہ ہرگز نہیں بتائے گا کیونکہ ایک روح کو بچانا پوری دنیا کو بچانے کے برابر ہے۔ ہائی کورٹ نے اسے جیل بھیج دینے کے احکامات جاری کر دیئے مگر وہاں بھی وہ مسلسل انکاری تھا۔ جیل اس جیسے سخت یہودی کیلئے جس نے آٹھ سال سائبیریا میں گزارے تھے کوئی خاص سزا نہیں تھی۔

اس کی گرفتاری سے کٹر یہودی فرقوں میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا وہ حکومت سے اس کی فوراً رہائی کا مطالبہ کرنے لگے ان کے نزدیک یہ مذہبی معاملات میں بے جا مداخلت تھی۔

پولیس کئی ہفتے بچے کی تلاش میں مختلف یہودی اداروں، سکولوں عبادت گاہوں میں پھرتی رہی۔ اسرائیل بھر میں انہوں نے کوئی جگہ ایسی نہیں چھوڑی جہاں انہیں معمولی سا بھی شک تھا۔ سینکڑوں افراد سے پوچھ گچھ کی لیکن انہیں کوئی سراغ نہیں ملا۔

اس دوران میں عیدہ نے صحافیوں کو اپنی کہانی سنائی تو وہ سکینڈل ملک بھر کے اخبارات کی شہ سرخی بن گئی۔ اسرائیلی پولیس کی ناکام کوششوں پر رنگ برنگے کارٹون بنائے گئے۔ اکثر موٹر کار ڈرائیوروں کو جب پولیس کسی وجہ سے روکتی تو لوگ طنزیہ کہتے ہمیں فائن کرنے کے بجائے جاؤ جوزف کو تلاش کرو" پولیس سٹیشن کی دیواروں پر لوگوں نے "جوزف کہاں ہے؟" لکھ کر حکومت کو خاصا پریشان کر دیا تھا۔ مسلسل کئی ماہ کی انتھک تلاش کے بعد بھی اسرائیل کے تمام سراغ رساں ادارے اور پولیس کوئی مثبت پیش رفت نہ کر سکے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے زمین نگل گئی ہے۔

۱۹۶۰ء کے موسم بہار میں یہ گمشدگی ایک بدترین سیاسی مسئلے کی شکل اختیار کر گئی۔

یروشلم کے چیف ربی (Rabbi) ربی فرانک نے نحمان کے اس فعل کو مقدس فریضہ قرار دیتے ہوئے اس فرقے کے ماننے والوں کو حکومت کے خلاف متحد ہونے کی اپیل کی۔ یوں راسخ العقیدہ اور میانہ رو یہودیوں کے درمیان زبردست کشیدگی پیدا ہوگئی۔ یہ فرقے ایک دوسرے پر سنگ باری کرنے لگے۔

راسخ العقیدہ عبادت گاہوں کی دیواروں پر یہ جملے جلی حروف میں دکھائی دینے لگے " The Israili Govt. is as bad as the Nazi "

بوڑھا نحمان جس نے جیل میں پتھر جیسی خاموشی اختیار کر کے حکام کو خاصا پریشان کر دیا تھا۔ اس سے پوچھ گچھ فضول تھی کیونکہ وہ منہ سے بات ہی نہیں کر رہا تھا۔ بچے کے متعلق استفسار پر وہ نفی میں صرف سر ہلاتا تھا۔

آخر تنگ آ کر اپریل ۱۹۶۱ء میں اسے "خرابی صحت" کی بنیاد پر خاموشی کیساتھ رہا کر دیا گیا۔ اسی سال جوزف کی گمشدگی کو ڈیڑھ سال کا عرصہ پورا ہونے کو تھا اور اسرائیل نئے انتخابات کی تیاری بھی کر رہا تھا۔ جوزف کی پراسرار گمشدگی اب قومی مسئلے کی صورت اختیار کر چکی تھی۔

اسے یہ بھی پتہ تھا کہ شاید یہ آپریشن اسکے اپنے آدمیوں کو اتنا پسند نہیں آئے کیونکہ ان کی تربیت جاسوسی (Espionage) اور جوابی جاسوسی (Counter espionage) آپریشن میں ہوئی تھی۔ ان کا کام پرخطر حالات میں خفیہ معلومات جمع کرنا و سیاسی مخالفوں کو قتل کرنا تھا لیکن یہاں تو ایک نوسالہ بچے کی تلاش کا مسئلہ تھا جس کی گمشدگی سے فرقہ ورانہ فسادات کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ وہ کے جے بی اور نازی مفروروں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کے عادی تھے۔ وہ اس تلاش کو دل میں اپنی شان کے خلاف سمجھ رہے تھے۔

اسر ہیرل کو ان کے احساسات کا اچھی طرح پتہ تھا۔ لیکن اسے یہ بھی یقین تھا کہ اگر اس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا تو وہ اسی جانفشانی کیساتھ جوزف کی تلاش کریں گے۔ جس طرح انہوں نے ایڈولف ایشمین کیلئے کی تھی۔

چند ہی دنوں میں اس کے آدمی فیلڈ میں اتر چکے تھے۔ اس تلاش کو آپریشن ٹائیگر کا کوڈ نام دیا گیا۔

انہوں نے اسرائیل بھر میں منظم طریقے سے تلاش شروع کی وہ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک تمام یہودی عبادت خانے (Synagogue) اور سکول دیکھتے گئے۔ کچھ ایجنٹ روائتی یہودی مذہبی لباس میں ملبوس ہو کر مختلف عبادت خانوں کی سروس میں شریک ہوئے لیکن مذہبی رسوم سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ جلد ہی مصیبت میں پھنس گئے۔ وہ اچانک کٹر یہودیوں کی نظر میں آ گئے۔ انہوں نے گالیوں کی بوچھاڑ میں انہیں اپنے عبادت خانے سے دھکے دیکر نکال باہر کیا۔

بالآخر موساد اس نتیجے پر پہنچی کہ بچہ کم از کم اسرائیل کی سرزمین پر نہیں ہے۔ اسے بیرون ملک سمگل کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے فوراً اپنی حکمت عملی تبدیل کر دی۔

اسر ہیرل نے اپنے خفیہ ایجنٹوں کا جال یورپ، جنوبی افریقہ، ہانگ کانگ، جاپان اور لاطینی امریکہ تک پھیلا دیا۔ مذکورہ جگہوں پر ایک بڑی یہودی کیمونٹی آباد تھی۔

اس کا طریقہ کار بالکل اسی طرح تھا جیسے وہ ایک جاسوس یا دہشت گرد کو پکڑنے کیلئے اختیار کرتے تھے۔

لندن اور پیرس کے مشہور یہودی اداروں میں خفیہ نگرانی شروع کر دی گئی۔

ایک روز لندن میں ایک مشہور آرتھوڈکس یہودی ربی کو پیرس کی ایک یہودی فیملی نے اپنے ایک بچے کے ختنے کیلئے دعوت دی۔ اسے موٹی تازی فیس کے علاوہ سفر کے تمام اخراجات دینے کا وعدہ کیا گیا۔ وہ دوسرے دن ایک طیارے کے ذریعے فرانسیسی دارالحکومت پہنچا۔ ائرپورٹ پر مذکورہ یہودی اسے ملے۔ وہ اسے چائے کے بہانے ایک کیفے لے گئے جو دراصل پیرس کے بازار حسن میں واقع تھا۔ وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ اچانک دو نیم برہنہ طوائفیں ایک دروازے سے نمودار ہوئیں۔ وہ باریش ربی کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں لپٹ گئیں۔ ربی بڑا گھبرایا کہ یہ کیا فحش حرکت ہو رہی ہے آخر وہ ایک مذہبی کیمونٹی کا "مقدس" راہب تھا۔ موساد کے ایجنٹوں نے فوراً ایک پوشیدہ کیمرے سے اس کی اسی حالت میں تصویریں اتار ڈالیں۔ انہوں نے ربی کو یہ تصویریں دکھاتے ہوئے کہا "اگر تم ہمیں جوزف کا اتہ پتہ نہیں بتاؤ گے تو ہم یہ تصاویر صبح تمام اخباروں میں شائع کر دیں گے"۔

''اس کے علاوہ ہم یہ تصاویر بندر میں تمہارے عبادت خانے کے لوگوں میں بھی تقسیم کر دیں گے۔ ربی نے عاجزی سے کہا'' خدا کیلئے مجھے معاف کر دو مجھے بالکل کچھ پتہ نہیں ہے'' آخر بڑی بحث کے بعد وہ اپنے میزبانوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اسے واقعی کچھ پتہ نہیں ہے۔ موساد کے ایجنٹ ناکام ہو کر جونہی کیفے سے نکلنے لگے تو ربی نے آواز دے کر کہا'' ارے تم نے اس بچے کے ختنے نہیں کروانے؟'' اس کے بعد وہ ایک دوسرے جہاز سے واپس لندن چلا گیا۔ مگر آج تک وہ موساد کی یہ زیادتی بھولا نہیں ہے۔

مسلسل کئی ماہ گزرنے کے باوجود اسرائیلی سیکرٹ سروس کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہ کر سکی۔ ایجنٹوں کا مورال کافی گر چکا تھا۔ سکے علاوہ موساد کے بجٹ کا خاصہ حصہ جوزف کی تلاش پر خرچ ہو چکا تھا۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود اسرل ہیرل نے ہمت نہ ہاری۔ وہ بن گوریان کے پاس خالی ہاتھ نہیں جانا چاہتا تھا۔

بالآخر پانچ ماہ بعد امید کی کرن دکھائی دی۔ موساد نے اسرائیلی ملٹری سنسر (Military Censor) کو درخواست کی کہ وہ اسرائیل کے تمام یہودی مذہبی اداروں کو بیرون ملک آنے جانے والی ڈاک کو کھول کر دیکھنا شروع کرے۔ ان میں جوزف کا اگر کہیں معمولی سا بھی ذکر نظر آئے تو موساد کو اطلاع دے دی جائے۔

تھوڑے ہی دنوں میں اس ادارے نے ایک خط کھولا جو موساد کیلئے تلاش کی بالکل نئی اور صحیح سمت میں رہنمائی کا باعث بنا۔ یہ خط ایک اسرائیلی فوجی نے برسلز میں مقیم اپنی ماں کو لکھا تھا۔ خط میں ویسے تو عام گھریلو باتیں لکھی ہوئی تھی مگر بین درمیان میں ایک جملہ لکھا ہوا تھا جو خط کے متن سے بالکل الگ تھلگ تھا۔'' اور لڑکا کیسا ہے؟''

اسرل ہیرل نے جب یہ خط پڑھا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے فوراً اپنے ایک ماتحت کو کہا ہماری مشکل آسان ہو رہی ہے۔ برسلز میں اس عورت کو پکڑو۔ لڑکا اسی کے پاس ہے۔

فوراً ہی ایک درجن کے قریب ایجنٹ یورپ روانہ کر دیئے گئے۔ وہ مذکورہ پتے پر پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ خاتون حال ہی میں فرانس منتقل ہو گئی ہے۔ وہاں بھی اسے ڈھونڈ لیا گیا۔ وہ (Aixles Bains) شہر میں مقیم تھی۔ موساد کے متعدد کارندے سایوں کی طرح اس کے مکان کے اردگرد منڈلانے لگے۔ وہ مسلسل کئی روز اس کی نگرانی کرتے رہے۔

ایک دن وہ یک پی سی او گئی جہاں اس نے لندن کیلئے ایک کال بک کرائی۔ پی سی او کے کلرک کو اس شخص کا نام بتایا جسے وہ فون کرنے والی تھی۔ موساد کا ایک آدمی اسکے پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے یہ فون نمبر اور نام نوٹ کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کال مل گئی۔ موساد کے آدمیوں نے اس کی گفتگو بڑے غور سے سنی۔ وہ فون کر کے باہر آئی اور اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے چل پڑی۔ اسرائیلی ایجنٹ بھی یک دوسری کار میں اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ عورت بڑی سپیڈ میں گاڑی چلا رہی تھی۔ موساد کے آدمیوں کو پیچھا کرنے میں بڑی دقت پیش آ رہی تھی۔ وہ زیادہ قریب بھی نہیں جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس طرح اسے شک پڑ سکتا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

لیکن جلد ہی ایک لمبی سرنگ سے گزرنے کے بعد وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

ادھر لندن میں گلی صبح دو افراد نے جوزف ڈومب کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ شخص ہیرے جواہرات کی تجارت کرتا تھا۔ پچھلی شب اس عورت نے اسی کو فون کیا تھا۔ اس کا تعلق بھی ایک کٹر یہودی فرقے Satmar سے تھا۔ جو اسرائیل اور صیہونیت کے خلاف تھا۔ ایجنٹوں نے اس سے براہ راست جوزف کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سخت غصے میں آ گیا۔ اور کہنے لگا "فوراً میرے گھر سے نکل جاؤ ورنہ ابھی پولیس کو بلاتا ہوں" موساد کے آدمی ناکام ہو کر چلے گئے۔

اسرل ہیرل ایک طیارے میں پیرس پہنچ رہا تھا۔ وہ اس آپریشن کی براہ راست نگرانی کیلئے آ رہا تھا۔ دوران پرواز وہ زیادہ تر اس عورت کی فائل کا مطالعہ کرتا رہا۔

میڈ لیلین (Madeleine) نیلی آنکھوں والی ایک حسین عورت تھی۔ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی نے فرانس پر قبضہ کیا تو وہ فرانسیسی مزاحمتی فوج کے شانہ بشانہ جنگ میں شریک ہوئی۔ نازی فوج کے آدمی یہودی عورتوں، مردوں اور بچوں کو ٹرینوں میں لاد کر پولینڈ کے سب سے بڑے کن سنٹریشن کیمپ آش وز پہنچا رہے تھے۔ میڈ لیلین نے اس دوران بے شمار یہودی خاندانوں کو نازیوں کی گرفت سے بچنے میں مدد فراہم کی۔ جنگ کے بعد اسے فرنچ حکومت نے اعلیٰ ترین فوجی اعزاز سے نوازا۔

وہ فرانس کے ایک امیر ترین خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس نے یونیورسٹی لیول تک تعلیم حاصل کی تھی۔ بیش قیمت اور فیشن ایبل لباس پہنے وہ پیرس کی اعلیٰ سوسائٹی میں چہکتی پھرتی تھی۔

جنگ کے بعد اس نے ایک کیتھولک عیسائی لڑکے کیساتھ شادی کر لی۔ ان کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جس کا انہوں نے کلاڈ نام رکھا۔

جیسا کہ جنگ کے زمانے میں وہ یہودیوں کے بہت قریب رہی تھی لہٰذا ان لوگوں کیساتھ اس کا ایک ذہنی تعلق سا قائم ہو گیا تھا۔ وہ یہودی مذہب کی طرف راغب ہو گئی۔ اور اسکی یہی رغبت اپنے شوہر سے طلاق لینے پر منتج ہو گئی۔

اس نے ایک نوجوان یہودی ربی کیساتھ 1951ء میں شادی کر لی۔ وہ اپنے نئے شوہر اور بیٹے کے ہمراہ اسرائیل چلی گئی۔ میڈ لیلین نے اپنا نام بھی یہودی طرز پر روتھ بن ڈیوڈ رکھ لیا۔ انہوں نے یروشلم میں انتہا پسند یہودی کمیونٹی کے علاقے میں رہائش اختیار کر لی۔ وہ اب یہودی عبادات اور رسومات کی سختی سے پابندی کرنے لگی۔ یہودی مذہبی لباس ہر وقت پہنے رکھتی۔ اس نے اپنے بیٹے کا بھی نام بدل کر Ariel کر دیا۔ وہ کچھ عرصہ اسرائیل میں رہنے کے بعد دوبارہ فرانس منتقل ہو گئی۔

موساد نے اسرائیلی امیگریشن ڈیپارٹمنٹ سے جب اس عورت کے متعلق دریافت کیا تو پتہ چلا کہ جس سال جوزف کو غائب کیا گیا تھا۔ یہ دو مرتبہ اسرائیل آئی تھی۔

پیرس پہنچتے ہی اسرل ہیرل نے ایک معمولی سے ہوٹل میں کمرہ بک کیا۔ وہ دو تین دن تک اپنے آدمیوں کیساتھ میڈ لیلین کے متعلق بحث کرتا رہا۔

آپریشن ٹائیگر اب مکمل جاسوسی مشن کی طرز اختیار کر چکا تھا۔ موساد کے چالیس ایجنٹ دن رات جوزف کی تلاش میں سرگرداں تھے وہ

عورت اپنا مکان تبدیل کر کے کہیں اور شفٹ ہو چکی تھی۔ شاید اسے شک ہو گیا تھا کہ کوئی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔

لیکن انہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ قسمت بھی موساد کے ساتھ بڑی مدد کر رہی تھی۔ ایک ایجنٹ کے ذمہ روزانہ پیرس کے تمام اخبارات کا بغور مطالعہ کرنا تھا۔ اسے یک دن ایک روزنامے میں ایک اشتہار نظر آیا۔ یہ ایک مکان کے متعلق تھا۔ جو پیرس کے مضافات میں واقع تھا اور سے ایک خاتون فروخت کرنا چاہتی تھی اور وہ موساد کی مطلوبہ خاتون میڈ لیبن تھی۔

اشتہار چھپنے کے محض چند ہی گھنٹوں بعد اسے دو" جرمن" باشندوں نے فون پر اطلاع دی کہ وہ اس کا مکان اپنی فرم کیلئے خریدنا چاہتے ہیں۔ میڈ یبین نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے انہیں مکان دیکھانے کیلئے آنے کی دعوت دی۔

وہ ان دونوں ممکنہ خریداروں کو پنی کار میں مکان دیکھانے لے گئی۔ مکان پیرس کے مضافات میں تھا۔

وہ انہیں مکان کے مختلف حصے دیکھا رہی تھی کہ اچانک ایک شخص نے مین گیٹ زور سے بند کر دیا۔ میڈ لیبن نے گھبرا کر کہا" دروازہ کیوں بند کیا ہے" اس پر موساد کے شخص نے کہا" فی الحال تم باہر نہیں جا سکتی تمہیں ہمارے چند سوالات کا جواب دینا ہوگا۔ ان میں سے ایک دوسرے آدمی نے اپنے ڈائرکٹر سے اسرہیرل کو طلاع دی کہ" عورت" ان کے زیر حراست ہے۔ اسرل ہیرل پیرس میں اسرئیلی سفارت خانے میں موجود تھا۔ اس نے فوراً اپنا ایک تجربہ کار افسر پوچھ گچھ کیلئے روانہ کیا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے نازی کرنل ایشمین سے تل ابیب میں دوران حراست پوچھ گچھ کی تھی۔ پھر اس نے تل ابیب میں شین بتا(Shin Bet)(محکمہ سراغ رسانی) کے سربراہ کو ایک خفیہ پیغام بھیجا۔

اس کے کچھ ہی گھنٹوں بعد شین بتھ والے میڈ لیبن کے بیٹے ایرل کو پکڑ کر لے گئے۔

میڈ یبین پوچھ گچھ کے دوران سخت مزاحمت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ شاید یہ صورت حال اسکے لیے اجنبی معمولی تھی۔ وہ تو نازی آرمی اور جرمن سیکرٹ پولیس گسٹاپو سے ماضی میں ٹکر لے چکی تھی۔

وہ جوزف کے بارے میں مسلسل چار گھنٹوں سے کہہ رہی تھی" میں تم لوگوں کو اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گی" آخر کرتے کرتے اڑتالیس گھنٹے گزر گئے مگر وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

ادھر تل ابیب میں اسکا بیٹا شاید اتنی مضبوط قوت ارادی کا مالک نہیں تھا۔ اس نے تھوڑی دیر کی پوچھ گچھ میں اعتراف کر لیا کہ جوزف کو اسرائیل سے یورپ سمگل کرنے میں اسکی ماں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ میڈ یبین کو موساد کے آدمیوں نے دھمکی بھی دی کہ تل ابیب میں اسکا بیٹا زیر حراست ہے اگر تم تعاون نہیں کرو گی تو ہم اسے سخت سزا دیں گے مگر اس بات کا اس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوا۔

آخر کار اسرل ہیرل کو اطلاع دی گئی کہ" عورت" کسی طرح بھی تعاون پر آمادہ نہیں ہو رہی۔ تھوڑی بعد اسرہیرل اپنے سفارت خانے سے ایک عام ٹیکسی میں بیٹھ کر اس مکان پر پہنچا۔

اسرہیرل تھوڑی دیر عورت کے سامنے خاموش کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے قریب جا کر کہنے لگا۔

" دیکھو تم بھی ایک ماں ہو اور یہ بچہ جسے تم غائب کر چکی ہو اس کی بھی ایک ماں ہے اور وہ ماں بالکل اسی طرح اس بچے کیساتھ محبت کرتی

ہے جس طرح تم اپنے بیٹے کیساتھ کرتی ہو۔ اور اس ماں نے تین سال سے اپنے بچے کا منہ نہیں دیکھا۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم نے کتنا بڑ ظلم کیا ہے۔ کیا تمہیں اس کا احساس ہے؟''

میڈ یلین نے سر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا'' کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تم واقعی اسرائیلی حکومت کے صحیح نمائندے ہو؟''

اسر نے بلا توقف اپنا سفارتی پاسپورٹ جس پر اس کا اصل نام درج تھا اس کے سامنے میز پر پھینک دیا۔ کمرے میں موجود ایجنٹ ،نتہائی حیران رہ گئے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ ہمیشہ جعلی دستاویزات اور پاسپورٹ مختلف ملکوں میں سرایت کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان کی زندگی پراسرار سایوں کی مانند تھی۔ ان کی اپنی شناخت ہمیشہ اندھیرے میں رہتی تھی۔ تھوڑی دیر کیلئے کمرے میں گہری خاموشی چھاگئی۔

موساد میڈ یلین کو توڑنے میں کامیاب ہوچکی تھی۔ اب وہ رو رہی تھی۔

اس نے شروع سے لیکر آخر تک جوزف کی یورپ اور پھر امریکہ منتقلی کی کہانی سنائی۔

کچھ انتہا پسند یہودی ربیوں نے میڈ یلین سے درخواست کی تھی کہ وہ بچے کو یورپ منتقل کردے۔ وہ اس سلسلے میں حیفہ (اسرائیل) ایک عام سیاح کے روپ میں آئی۔ بحری سفر کے دوران اس نے ایک یہودی مہاجر خاندان کے ساتھ گپ شپ لگائی۔ حیفہ کی بندرگاہ پر اترتے وقت اس نے خاندان کی ایک نو سالہ بچی جس کے سنہرے بال تھے کا ہاتھ پکڑلیا۔ امیگریشن سے گزرتے وقت اس نے بڑی چالاکی کیساتھ یہ تاثر پیدا کیا کہ بچی اسکی اپنی بیٹی ہے۔

اس کے پاسپورٹ میں اسکے بیٹے کا نام کلاڈ تھا جسے بڑی مہارت سے اس نے کلاڈین بنادیا تھا۔ امیگریشن آفیسر نے بھی اپنی نوٹ بک میں نوٹ کیا کہ فرانسیسی خاتون کیساتھ بچی تھی۔

واپسی پر جب وہ زیورخ کی پرواز پر بیٹھ رہی تھی تو اُس نے جوزف کو لڑکیوں کا لباس پہنایا ہوا تھا اور اس کے علاوہ اس نے اس کے بالوں کو سنہرہ رنگ دیا تھا۔ کسی کو شک نہیں ہوا کہ یہ خاتون لڑکے کو ساتھ لے جارہی ہے۔

جوزف کو کچھ عرصہ کیلیے سوئٹزرلینڈ کے ایک یہودی مذہبی سکول میں داخل کیا گیا۔ لیکن جب موساد نے تلاش کا دائرہ یورپ تک پھیلایا تو میڈ یلین اسے برسٹر کے راستے فرانس لے گئی۔ لیکن یہاں بھی اسرائیلی ایجنٹ اس کی بُو سونگھتے پھر رہے تھے۔

میڈ یلین نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اسے نیویارک منتقل کرنیکا فیصلہ کیا ۔ وہ بچے کے ہمراہ ایک پرواز سے نیویارک روانہ ہوئی۔ وہاں بروک لن (Brooklyn) میں ایک کٹر مذہبی یہودی فیملی کے پاس جوزف کو چھوڑ آئی۔

''اب وہ وہیں ہے'' میڈ یلین نے اسر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں آپ لوگوں کو مکمل پتہ دیتی ہوں''

یہ ستمبر ۱۹۶۲ تھا اور جوزف کو غائب ہوئے پورے دو سال اور دس ماہ ہوچکے تھے۔

نیویارک میں امریکی اٹارنی جنرل رابرٹ کینیڈی کو اسر ہیریل نے تل ابیب سے ایک ارجنٹ ٹیلیفون کال میں کہا'' میرے آدمی نیویارک پہنچ رہے ہیں۔ وہ جوزف کو لینے آرہے ہیں۔ آپ کا تعاون درکار ہے'' اور اس کے ساتھ ٹیلیفون بند ہوگیا۔ رابرٹ کینیڈی انتہائی حیران و پریشان تھا

کہ موساد کس کی اجازت سے امریکہ میں اپنا مشن مکمل کرنا چاہتی ہے۔ جوزف کا کیا معاملہ ہے وغیرہ۔

رابرٹ کینیڈی نے فوراً تل ابیب میں امریکی سفیر کے ساتھ رابطہ کیا۔ کچھ دیر بعد امریکی سفیر اسرائیلی وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان سے اسی سلسلے میں ملنے پرائم منسٹر ہاؤس روانہ ہوا۔ واشنگٹن میں اسرائیلی سفیر کو جوزف کے معاملے کے متعلق تو پتہ تھا مگر اسر ہیرل کے خفیہ آپریشن کے بارے میں اسے معلومات نہیں تھی۔ اس نے اسرائیل فون کر کے اپنی حکومت کو امریکی تشویش کے بارے میں آگاہ کیا۔

ادھر امریکی سفیر جب پرائم منسٹر ہاؤس پہنچا تو بن گوریان نے اپنے ملٹری سیکرٹری کو اس سے ملنے کو کہا۔ اس نے سفیر سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ وزیراعظم کابینہ کے ایک ضروری اجلاس میں مصروف ہیں لہٰذا آپکی ملاقات کسی اور تاریخ کو کر دی جائے گی" دراصل بن گوریان اسر ہیرل کی کاروائی پر کسی کے ساتھ بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف اسر ہیرل بھی آؤٹ آف ٹچ ہو چکا تھا کسی کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔

رہا تھا۔ بچہ آنکھیں جھپکتا ہوا اس کے ساتھ پسنجر لاؤنج آیا۔ تو وہاں انکے استقبال کیلئے پورا شہر امنڈ آیا تھا۔

لوگوں کے مجمع سے ذرا فاصلے پر کھڑی ایک کار کی کھڑکی سے گہری نیلی آنکھوں والا ایک شخص یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اسر ہیرل بھی جوزف کو ویل کم کہنے آیا تھا۔ وہ اپنی ان تھک کوششوں کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ آخر مسلسل آٹھ ماہ تک اس کے چالیس سے زائد ٹاپ ایجنٹ اس کی تلاش میں پورے براعظم یورپ کی خاک چھانتے رہے۔ موساد کا ۱۹۶۲ء میں تقریباً پورا بجٹ اس تلاش پر صرف ہوا۔ اسر ہیرل کچھ دیر بعد وہاں رکنے کے بعد سیدھا پرائم منسٹر ہاؤس روانہ ہوا۔

ویسے تو اس نے نیویارک سے ہی اپنے باس کو اطلاع دے دی تھی کہ بچے کی شناخت ہوگئی ہے اور اب اس کی اسرائیل آمد کی خبر وہ بذات خود دینا چاہتا تھا۔

بن گوریان کو دیکھتے ہی اسر ہیرل نے خوشی سے کہا "جوزف واپس اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا ہے"

یہ سنتے ہی بوڑھا وزیر اعظم فوراً اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے بتاؤ یہ سب کیسے ہوا۔ وہ عورت کدھر گئی "

ہاربر انشورنس

Harbour Insurance

۱۹۸۵ء کے موسم گرما تک لیبیا کے کرنل قذافی مغربی ممالک کیلئے خوف وہراس کی علامت بن چکے تھے۔ رونالڈ ریگن نے تو اس کے صدارتی محل پر ہوائی حملہ بھی کرایا مگر قذافی بدستور اسرائیل کے خلاف پی ایل او اور دوسرے عرب ملکوں کو مہلک ہتھیار اور فنڈ فراہم کرتا رہا۔
موساد کیلئے لیبیا کے باشندوں کو دام میں پھنسانا نسبتاً دشوار رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لیبیائی شہری ملک سے بہت کم باہر جاتے ہیں۔
لیبیا کی دو بڑی بندرگاہیں ہیں۔ ایک اس کے دارالحکومت طرابلس میں اور دوسری خلیج سورہ میں واقع شہر بن غازی میں ہے۔ اسرائیلی نیوی کی گشتی کشتیاں کافی عرصے سے بحیرہ روم میں لیبیائی نیوی کی نقل وحرکت کو باقاعدگی کیساتھ نوٹ کر رہی تھی۔
جبل الطارق اور اسرائیل کے درمیان بحری راستے کو اسرائیلی آکسیجن پائپ (Oxygen Pipe) سے تشبیہ دیتے تھے کیونکہ اس کے جہاز امریکہ اور یورپ کیساتھ تجارت کیلئے یہی روٹ استعمال کرتے تھے بلکہ آج بھی کرتے ہیں۔
۱۹۸۵ء میں بحیرہ روم کے جنوبی ساحل پر واقع ملکوں (مصر، مراکش، تیونس اور الجزائر) کے ساتھ اسرائیل کے اچھے مراسم تھے مگر لیبیا کے ساتھ اس کی نہیں لگتی تھی۔
لیبیا کے پاس قدرے بڑی نیوی فورس تھی۔ مگر وہ بھی مختلف مسائل سے دوچار تھی۔ ان کے جنگی جہاز مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے خراب تر حالت میں تھے۔ ان کے پاس سویت ساختہ آب دوزیں تھیں۔ جو ساحل کے قریب سطح آب پر کھڑی رہتی تھیں۔ پتہ نہیں یا تو وہ اسے زیر سمندر بچانے کی تکنیک سے واقف نہیں تھے یا پھر ویسے ہی اسے اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ کم از کم دو مرتبہ اسرائیلی جاسوسی کشتیاں ان آب دوزوں کے بالکل پاس سے گزری تھیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دشمن کی کشتیاں دیکھتے ہی ان آب دوزوں کو فوراً سمندر میں غوطہ لگا کر ان پر حملہ کرنی مگر بجائے اس کے وہ چپک چپک کرتی بندرگاہ کی طرف بھاگ کھڑی ہوئیں۔
بحیرہ روم میں جزیرہ سسلی (Sicily) میں اسرائیل نے اٹلی کے اشتراک سے ایک جاسوسی سٹیشن قائم کیا ہوا تھا۔ سرائیل کے ساحلی علاقے لیبیا کے زد میں تھے۔ یہاں ان کی بڑی صنعتی آبادی اور کالونیاں تھیں۔ وہ اسے (Soft belly) یعنی جنگی نقطہ نگاہ سے انتہائی حساس علاقہ سمجھتے تھے۔
لبنان میں پی ایل او (PLO) کے ہیڈ کوارٹر کو لیبیا بذریعہ سمندری جہاز وافر مقدار میں اسلحہ، گولہ و بارود مہیا کرتا تھا۔ یہ جہاز زیادہ تر (TNT) ٹی۔ این۔ ٹی سمندری روٹ یعنی طرابلس (لیبیا) سے طرابلس (لبنان) استعمال کرتے تھے۔

اسی دوراں میں اسرائیل، لیبیا کے متعلق اہم معلومات اکٹھی کر رہا تھا اور چاڈ اس سلسلے میں اس کی مدد کر رہا تھا کیونکہ وسطی افریقہ کے اس ملک کی سرحدیں لیبیا سے ملتی تھی۔ لیبیا اور چاڈ کے آپس میں سخت سرحدی تنازعات چل رہے تھے۔

بن غازی اور طرابلس کی بندرگاہوں میں داخل اور روانہ ہونے والوں جہازوں کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھنے کیلئے موساد نے وہاں اپنے یورپی ایجنٹ تعینات کئے ہوئے تھے۔

وہ ایجنٹ ان جہازوں کی باقاعدہ تصویریں نکال کر انہیں بھیجتے رہتے تھے۔ اگر ان میں پی ایل او کیلئے ہتھیار جا رہے ہوتے تھے تو اس کی پیشگی اطلاع موساد کو اسی روز جزیرہ سسلی میں موصول ہو جاتی تھی۔

موساد نے اپنی ایک میٹنگ میں فیصلہ کیا کہ لیبیا کی ان بندرگاہوں میں کام کرنے والے کسی ٹریفک کنٹرولر یا بندرگاہ کے ہاربر ماسٹر آفس میں تعینات کسی شخص کو ریکروٹ کیا جائے جو مختلف کارگو جہازوں کے نام اور مقامات کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرے۔

کیونکہ ایک جہاز کو ڈبونے یا اس پر کنٹرول حاصل کرنے کیلئے پہلے اس کے ٹھکانے اور وقت روانگی ۔ وروٹ کا علم انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوتے تھے۔ جبکہ اسرائیلی سیکرٹ سروس ایسے ایریا میں جانے سے پرہیز کرتی تھی کیونکہ یہاں وہ لیبیائی ریڈار کی زد میں آ سکتے تھے۔

لیکن ساحل کے قریب کھڑے جہازوں کو ریڈار آسانی سے نہیں محسوس کر سکتا کیونکہ پہاڑوں اور دوسرے جہازوں کی وجہ سے ریڈار صحیح طور تعین نہیں کر سکتا کہ مذکورہ جہاز اپنا ہے یا کسی دوسرے ملک کا۔ ویسے بھی بحیرہ روم میں ہر وقت بحری جہازوں کی ٹریفک جاری رہتی تھی۔

امریکی چھٹا بیڑا اور روسی بیڑا بھی مشقیں کرتا نظر آتا تھا۔ ان جہازوں پر اپنے ریڈار سسٹم نصب ہوتے تھے لہٰذا موساد کو اپنی کاروائی کے دوران میں سخت محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

لیبیا کے اندر اس قسم کی حساس معلومات حاصل کرنا اور بندرگاہ پر کسی کو بھرتی کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔

آخر اجلاس کے دوران موساد کے ایک ایجنٹ نے جو کسی زمانے میں تیونس اور الجزائر میں ایک فرانسیسی اخبار کا رپورٹر رہ چکا تھا تجویز پیش کی کہ جہازوں کے نام اور ٹائم ٹیبل کی معلومات رکھنے والے شخص کا اتہ پتہ معلوم کرنے کیلئے متعلقہ بندرگاہ سے براہ راست ٹیلیفون پر رابطہ کیا جائے۔ یہ ایک ایسا آئیڈیا تھا جو عام حالات میں نظر انداز ہو سکتا تھا لیکن موساد کے سینئر افسروں کو بے حد موزوں لگا۔ وہ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ مذکورہ کال پیرس میں قائم ایک انشورنس کمپنی جو ایک یہودی رضا کار کی ملکیت تھی کے دفتر سے کی جائے تاکہ اگر کوئی کال کو ٹریس بھی کرے تو اسے نارمل پائے۔

پیرس میں ٹیلیفون کرنے سے پہلے ایک کٹسا (کیس افسر) نے ایک مکمل انشورنس ایجنٹ کا روپ دھارا۔ کمپنی کی عمارت میں اسے ایک دفتر و سیکرٹری کی سہولت دی گئی۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص تھا جو موساد کے پی ایل او ڈیسک کا انچارج تھا۔

انہوں نے ایک مقررہ دن لیبیا کی اس بندرگاہ کیساتھ ٹیلیفون پر بالآخر رابطہ کیا۔ جس شخص نے دوسری طرف فون اٹھایا تو وہ فرانسیسی نہیں

سمجھ رہا تھا لہٰذا اس نے اپنے ایک اور ساتھی کو بلایا جس نے کہا کہ فلاں صاحب یہاں کے انچارج ہیں مگر فی الحال دستیاب نہیں ہیں۔ آپ آدھے گھنٹے بعد دوبارہ رنگ کریں اور اس کے ساتھ ہی لائن کٹ گئی۔

کتسا (Katsa) نے جب دوبارہ فون ملایا تو متعلقہ ہاربر ماسٹر نے خود بات کی۔ اُس شخص نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ ایک مشہور فرنچ ہاربر انشورنس کمپنی کا نمائندہ ہے۔ ہاربر ماسٹر نے کہا "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں"

دراصل ہمارے کچھ کلائنٹس (Clients) کے بحری جہاز آپ کی بندرگاہ پر آتے رہتے ہیں۔ ان کے انشورنس کلیمز میں کچھ مسئلہ ہو رہا ہے۔ ہمیں انکے کلیمز براہ راست چیک کرنے میں ذرا دشواری کا سامنا ہے۔ لہٰذا ہمیں ان کے متعلق مزید معلومات درکار ہیں۔

آپ کو کس قسم کی معلومات درکار ہیں؟ مثال کے طور پر ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ان جہازوں میں مرمت کا کام ہو رہا ہے یا نہیں ان پر کسی وقت مال لادا جا رہا ہے یا اتارا جا رہا ہے وغیرہ۔ جیسا کہ آپ کو پتہ ہے ہماری کمپنی کا کوئی نمائندہ آپ لوگوں کے ہاں موجود نہیں ہے لہٰذا ہم چاہتے

خرچے پر فرانس آیا۔

موساد اسے ایک ہزار ڈالر ماہانہ دیتی تھی۔

ایک روز اس نے ایک جہاز کے متعلق اطلاع دی جو طرابلس کی بندرگاہ پر آدھی رات کے قریب لنگر انداز ہوا تھا۔ وہ جہاز پی ایل او کے ایک ہاتھی دھڑے۔ ابوندال گروپ کی ملکیت تھا۔ جہاز پر عسکری آلات اور کندھے سے فائر ہونے والے طیارہ شکن میزائل لادے جا رہے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سارے مہلک ہتھیار بھی لوڈ ہو رہے تھے۔ ہار بر ماسٹر نے موساد کو جہاز کی صحیح لوکیشن اور وقت روانگی بھی بتایا۔

۱۹۸۵ء کی ایک گرم رات دو اسرائیلی میزائل بوٹس بحیرہ روم میں معمول کا گشت کرتی نظر آئیں۔

کچھ دیر بعد بجلی سے چلنے والی ایک آب دوز اس کے قریب پہنچی۔ چھ مسلح کمانڈوز کشتیوں سے نکل کر اس آب دوز میں منتقل ہوئے۔ انہوں نے غوطہ خوری کے سوٹ بمع آکسیجن ٹینک پہن رکھے تھے۔ وہ آب دوز ایک بحری جہاز کے تعاقب میں چل پڑی جو بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ کمانڈوز آب دوز سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے مقناطیسی پلیٹوں (Magnatic Plates) کی مدد سے اپنے آپ کو جہاز کے فریم کیساتھ چپکا دیا۔ ان کے تحفظ کیلئے آب دوز بھی ساتھ ساتھ ایک مخصوص گہرائی میں چلتی رہی۔ موساد کو ہار بر ماسٹر کی زبانی یہ بھی پتہ چلا تھا کہ دن میں ہر پانچ گھنٹے بعد لیبیائی کوسٹ گارڈ بندرگاہ کی گشت پر نکلتے ہیں اور جگہ جگہ ہینڈ گرینیڈز (hand grendes) پھینک کر پانی میں زبردست چھال پیدا کرتے ہیں تاکہ کسی ممکنہ غوطہ خور دشمن کو ختم کیا جا سکے۔

موساد کے ایک کسانے جو پیرس سے ایک مرتبہ فون پر اس لیبیائی اہل کار سے بات کر رہا تھا۔ ایک دھماکے کی آواز سنی تو اس نے پوچھ کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ تو اس نے بتایا کہ یہ ہماری معمول کی سیکورٹی مشق ہے۔

اسرائیلی کمانڈوز لیبیائی نیوی کی اس مشق کے دوران اپنی آب دوز کے اندر ہی انتظار کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد جب سمندر میں سکون آیا تو وہ اپنی آب دوز سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے بیروت روانہ ہونے والے پی ایل او کے دو بحری جہازوں جو ہتھیاروں سے لدے ہوئے تھے کے زیر آب فریموں کیساتھ تباہ کن لیچ مائنز (Leech mines) چپکا دیئے۔

آپریشن کی تکمیل کے بعد اسرائیلی آب دوز جونہی واپسی کے سفر پر روانہ ہوئی۔ تو اس کے اندر آکسیجن کا ذخیرہ اچانک تیزی سے ختم ہونے لگا اور اس کے ساتھ برقی طاقت فراہم کرنے والی بیٹری بھی جواب دے گئی۔ وہ فوراً آب دوز کے ایمرجنسی گیٹ کو کھول کر باہر آ گئے۔ انہوں نے خاص قسم کے سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ جو بالکل غبارے کی طرح پھول گئے۔ یوں تمام کمانڈوز سطح آب پر نمودار ہوئے۔ ان کے لباس کے ساتھ ایک مخصوص قسم کا آلہ لگا ہوا تھا جو "SOS" کا خاموش ریڈیو سگنل ریلے کرنے لگا۔ اس کے چند ہی گھنٹوں بعد بحیرہ روم میں موجود ایک اسرائیلی گشتی لانچ جس نے یہ سگنل موصول کر لئے تھے ان کے قریب پہنچی۔ وہ سارے کمانڈوز اپنی لانچ میں بیٹھ کر ایک محفوظ مقام پر پہنچ گئے۔

اگلے روز جب لیبیائی ہار بر ماسٹر نے پیرس میں اسرائیلی افسر کو فون کیا تو اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ اس نے کہا "تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ یہاں کونسی قیامت آ گئی ہے" "بھئی کیا ہو گیا ہے؟" اسرائیلی نے مصنوعی حیرانگی سے پوچھا۔

"انہوں نے بندرگاہ پر لنگرانداز دو جہازوں کو تباہ کر دیا ہے"۔

"کس نے تباہ کیا؟"

"یقیناً اسرائیل نے یہ کام کیا ہے"" مجھے معلوم نہیں انہوں نے کیسے ان جہازوں کا پتہ کیا ہے۔ خیر فکر نہیں کرو یہ دو جہاز آپ کی کمپنی کے پاس انشور نہیں تھے۔

وہ ہاربر ماسٹر مزید اٹھارہ ماہ تک موساد کیلئے کام کرتا رہا۔ اس نے جاسوسی کے اس کھیل میں لاکھوں ڈالر کمائے۔ آخر ایک روز وہ اچانک غائب ہو گیا۔

اس کے فرار کے دوسرے روز اسرائیلی کمانڈوز نے پی ایل او کے تین اور جہاز ڈبو دیے تھے۔

کرن کا مقبول ترین ناول
مڑ آئے مول نہ جائیں
شگفتہ بھٹی
قیمت: 350
اپنے قریبی بکسٹال / ہاکر سے طلب فرمائیں
براہ راست منگوانے کا پتہ
ناشر
علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔
Ph: 7247414
اسٹاکسٹ
علی بکسٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور۔

لیڈی ڈیان کا پراسرار قتل

تقریباً دنیا کے ہر بڑے شہر میں موساد کے خفیہ اہل کاروں کیلئے آپریشن کے دوران یا ویسے ہی چھپے کیلئے محفوظ پناہ گاہیں موجود ہوتی ہیں۔ جنہیں سیف ہاؤس کہتے ہیں۔ یہ مکان یا تو اسرائیلی حکومت نے کسی تیسرے فرد کے ذریعے کرائے پر یا طویل لیز پر حاصل کئے ہوتے ہیں۔

پیرس میں موساد کے سیف ہاؤس میں ایک اسرائیلی ٹیکنیشن جو ابھی چند دن پہلے تل ابیب سے یہاں پہنچا تھا۔ مکان کے ٹیلیفون سیٹ کے ساتھ ایک خفیہ ریکارڈر منسلک کر رہا تھا یا رہیڈ کوارٹر سے آنے والے احکامات یا پیغامات کو محفوظ بنانے کیلئے موساد اپنے تمام سیف ہاؤس میں لگاتی ہے۔

موسیو موریس جون ۱۹۹۷ء میں اسی مکان میں ٹھہرنے آیا۔ وہ بڑی روانی کیساتھ فرانسیسی بولتا تھا۔ اس کے آس پاس رہنے والے ہمسائے اکثر اس سے گلی میں ہی ہیلو ہائے کرتے رہتے تھے۔ ان میں سے اگر کوئی اُس سے اُس کے پیشے کے بارے میں کبھی کبھار پوچھتا بھی تو وہ ہنس کر بڑی چالاکی کے ساتھ بات کو ٹال دیتا تھا۔ موریس موساد کا کٹسا یعنی فیلڈ ایجنٹ تھا۔

وی۔آئی۔پی شخصیت کے ڈرائیور ہونے کے ناطے وہ ان کی سرگوشیاں سن سکتا تھا اور ان کے موڈ اور رویوں کو نوٹ کر سکتا تھا۔

ہنری پال کی نفسیاتی کیفیت کے بارے میں موساد نے اپنے ایک دوسرے ایجنٹ کے ذریعے خوب معلومات حاصل کیں کہ وہ غیر شادی شدہ تھا اور ایک عام سے مکان میں اکیلا رہتا تھا۔ وہ شراب اور تیز رفتار موٹر سائیکل چلانے کا رسیا تھا۔ اسکے علاوہ اس کے پپارازیوں (Paparazzi) کے ساتھ خاص تعلقات تھے جو مشہور شخصیات کی فوٹوگرافی کرنے اپنی موٹر سائیکلوں پر ہوٹل کے اردگرد منڈلاتے رہتے تھے۔ (پاپا ریزی فری لانس فوٹوگرافروں کو کہتے ہیں جو مشہور زمانہ شخصیت کی اکثر خفیہ تصاویر کھینچ کر انہیں مختلف اخبارات یا جرائد کے ہاتھوں منہ مانگی قیمت پر فروخت کرتے ہیں)۔ پال کبھی کبھار ان فوٹوگرافروں کیساتھ اکھٹے شراب نوشی بھی کیا کرتا تھا۔ وہ ان سے پیشگی رشوت لیکر انہیں مشہور شخصیت کی ہوٹل میں تصویر اتارنے کے مواقع فراہم کرتا تھا۔ ہوٹل کی انتظامیہ کو اس بات کا قطعی علم نہیں تھا ورنہ وہ اسے ملازمت سے دستبردار کر چکی ہوتی۔

[illegible]

حادثے میں مرنے والوں میں لیڈی ڈیانہ، ڈوڈی الفائید اور ہنری پال جبکہ انکا باڈی گارڈ شدید زخمی حالت میں پایا گیا۔

اس واقعے کے چند گھنٹے بعد موریس ایک پرواز کے ذریعے واپس تل ابیب پہنچ چکا تھا۔ اس پُراسرار حادثے نے چند ایسے سوالات جنم دیئے جسکا جواب شائد کبھی نہیں مل سکے گا۔ کیا موریس کا ہنری پال پر شدید دباؤ اس حادثہ کا اصل محرک تھا۔ یا ہنری پال نے خود کو موساد کے پنجے سے چھڑانے کیلئے جان بوجھ کر مرسڈیز کو ستون پردے مارا تھا؟ یا یہ اس ہائی لیول سکون آور دوا کی مقدار کا اثر تھا جو اسکے خون میں پائی گئی؟ کیا وہ اکیلا اس روڈ ایکسڈنٹ کا ذمہ دار نہیں تھا؟ لیکن وہ تو خود ایک بے رحم انٹیلی جنس سروس کا شکار ہو چکا تھا۔

ڈوڈی الفائید کے والد محمد الفائید کو یقین تھا کہ اسکا بیٹا اور ڈیانہ حادثے میں نہیں مرے۔ بلکہ پوری منصوبہ بندی کیساتھ مروائے گئے ہیں۔ فروری ۱۹۹۸ء میں اس نے کھلم کھلا ایک بیان دیتے ہوئے کہا یہ ہرگز حادثہ نہیں تھا۔ سچ کبھی چھپ نہیں سکتا۔ میڈیا مختلف قیاس آرائیاں کر رہا تھا۔ کوئی اس واقع میں فرنچ انٹیلی جنس سروس کو ملوث کر رہا تھا تو کوئی سی۔ آئی۔ اے اور برطانوی سیکرٹ سروس کا نام لے رہا تھا۔ اسی سال جولائی میں

گیا۔ اُسی روز لندن سے محمد الفائید نے ہنری پال کو فون پر ہدایت دیتے ہوئے کہا تم نے بہت احتیاط کے ساتھ گاڑی چلانا ہے اور یہ نہ بھولنا کہ تمہارے ذمہ مستقبل کے شاہ برطانیہ کی ماں کی زندگی ہے اور میرا پیارا بیٹا بھی اس کے ہمراہ ہے۔

ہنری پال نے جوڑے کو پاپا ریزوں کی زد سے بچانے کیلئے دو اور گاڑیوں کا انتظام کیا تھا جو بظاہر شہزادی کو بچا رہے ہوں گے۔ ان گاڑیوں کے نکلتے ہی وہ آرام سے اپنی مرسڈیز میں انہیں لیکر نکلے گا۔

اتوار ۳۰ اگست۔ ہنری پال نے ہوٹل کی لابی سے اپنے موبائل فون پر ان دو گاڑیوں کو تیزی سے روانہ ہونے کا حکم دیا۔

19 AM 00۔ ہوٹل سے دو رینج روور Range Rovers غراتے ہوئے تیزی سے نکلے۔ باہر منتظر پاپا ریزی (فوٹو گرافر) سمجھے لیڈی ڈیانا اور ڈوڈی ان گاڑیوں میں روانہ ہو گئے ہیں لہٰذہ وہ اپنی موٹر سائیکلوں پر ان کے تعاقب میں چل پڑے۔

20 AM 00۔ ہوٹل کی پچھلی طرف پال مرسڈیز لیکر پہنچا عینی شاہدوں کے مطابق اس کے چہرے پر شدید تناؤ کے اثرات صاف دکھائی دے رہے تھے۔

21 AM . 00۔ لیڈی ڈیانا اور ڈوڈی اور اس کا باڈی گارڈ کار میں بیٹھے تو پال تیزی سے ہوٹل کی حدود سے باہر کھلی شاہراہ پر نکل آیا۔ ان کے نکلتے ہی ایک نامعلوم سفید رنگ کی فیٹ کار بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔ اس کار میں فرانسیسی سیکرٹ سروس ڈی۔ ایس۔ ٹی کے دو افسر سوار تھے۔ ڈی۔ ایس۔ ٹی فرانس کی سب سے بڑی اور طاقتور خفیہ سروس ہے۔ اس کے کئی ہزار کارندے ہیں جو اندرون ملک اور فرانس سے باہر سرگرم عمل رہتے ہیں۔

22 AM 00۔ وہ سفید فیٹ راستے میں مرسڈیز کو اوور ٹیک کرتی ہوئی ذرا آگے نکل گئی۔

22 AM . 00۔ مرسڈیز انتہائی ہائی سپیڈ میں اُس زیر زمین گذرگاہ میں پہنچی۔ چند ہی سیکنڈ بعد ایک خوفناک تصادم سے وہاں ایک گونج پیدا ہوئی اور مرسڈیز مڑے تڑے دھات کا ڈھیر بن چکی تھی۔ ہنری پال اور ڈوڈی مر چکے تھے اور ڈیانا کی آخری سانسیں تھیں۔

حادثے کے چند لمحوں بعد وہ فیٹ کار شاہراہ سے اتر کر ایک گلی میں داخل ہوئی جہاں ایک میٹل کرشر ٹرک پہلے سے کھڑا تھا۔ وہ کار ٹرک کے کرین نے اٹھا کر مشین میں ڈال دی۔ چند منٹوں بعد فیٹ کار کا قیمہ بن چکا تھا۔

کہتے ہیں کہ جائے حادثہ کے قریب فیٹ کار سے ایک لیزر شعاع نکلی تھی جس سے ہنری پال کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں اور یوں اس کی گاڑی ٹنل کے پلر سے جا ٹکرائی تھی۔

بہرحال اصل حقائق کیا تھے۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا مگر یہ طے ہے کہ اس جوڑے کو برطانوی خفیہ ادارے نے دوست ملکوں کی خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ ملکر موت کی نیند سلایا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

تابوت میں جاسوس

یہ اٹھارہ نومبر ۱۹۷۴ء کی ایک سرد شام کا ذکر ہے۔ روم کے فیومی سینو (Fiumicino) ائرپورٹ کے رن وے ۔۱ پر مصری ائرلائن کا مسافر بردار جیٹ پرواز کیلئے تیار کھڑا تھا۔ کچھ اطالوی کسٹم کے اہلکار طیارے کے قریب کھڑے تھے۔ اتنے میں ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی جس سے سردی کی لہر میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ کسٹم والے فوراً طیارے کے پر (Wing) کے نیچے ہوگئے۔ انہیں کوفت ہو رہی تھی کیونکہ مصری ائرلائن دو گھنٹے لیٹ ہوگئی تھی۔

اچانک ائرلائن کی ایک ویگن رن وے پر فل سپیڈ میں دوڑتی ہوئی جہاز کے قریب آ کر رک گئی۔ ویگن کی بریکیں اس قدر سخت لگیں کہ ٹائروں کی چیخیں نکل گئیں۔ فرنٹ سیٹ سے دو مصری اچھل کر باہر نکلے۔ انہوں نے ویگن کا پچھلا دروازہ کھولا جہاں سے انہوں نے ایک لمبا سٹیل ٹرنک نکالا۔ ٹرنک پر فرانسیسی، انگریزی اور عربی زبان میں "Diplomatic Luggage" لکھا ہوا تھا۔

ٹرنک کافی بھاری معلوم ہو رہا تھا ایک مصری نے اطالوی کسٹم والوں کو مدد کیلئے کہا۔

پلیز جلدی کریں۔ جہاز بہت لیٹ ہو چکا ہے۔

خیال رہے ٹرنک نیچے نہ گرنے پائے ایک مصری اپنے ساتھیوں کو چیخ کر کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے عربی میں اپنے ساتھی کو کہا۔

ٹرنک جانوروں کے سیکشن میں جائے گا مصری کو پتہ نہیں تھا کہ ایک کسٹم آفیسر روانی سے عربی بولتا تھا لیکن اس نے مصریوں کو یہ تاثر دیا کہ وہ عربی نہیں سمجھ سکتا لیکن وہ شک میں ضرور پڑ گیا کہ آخر ایک لمبا سٹیل ٹرنک جس پر Diplomatic Luggage لکھا ہوا ہے۔ جانوروں کے خانے میں لوڈ ہو رہا ہے اسے عام سیکشن میں کیوں نہیں رکھا جا سکتا۔

مصری ابھی اس ٹرنک کو جہاز پر چڑھا رہے تھے۔ کہ عربی جاننے والا اطالوی کسٹم آفیسر ٹہلتا ہوا انکے قریب چلا گیا اس نے ٹرنک پر ایک اور عبارت بھی پڑھی۔

"Ministry of foreign affiars, Cairo, property of U.A.R Ambassador, Rome"

اصولاً اسے کسٹم والے چیک کرنیکا حق نہیں رکھتے تھے ماسوائے مصری سفیر یا اس کے نمائندے کی موجودگی میں۔ دوسری طرف سفارتی سازوسامان کیلئے وی آنا کنونشن کے مطابق قانون یہ تھا کہ ایسے سامان میں صرف سرکاری دستاویزات یا سفارت خانے میں استعمال ہونے والا میٹریل ہوسکتا ہے لیکن یہاں تو معاملہ آٹھ فٹ لمبے آہنی ٹرنک کا تھا۔ اتنے لمبے اور بھاری صندوق کو کم از کم کاغذات اور فائیلوں کیلئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔

آخر نہایت خوش اخلاقی کیساتھ اس کسٹم آفیسر نے پوچھا جناب اس ٹرنک میں کیا ہے؟ اس میں موسیقی کے آلات ہیں اور ہمارے سفیر

صاحب اسے قاہرہ بھیج رہے ہیں۔ ایک مصری نے لاپرواہی سے جواب دیا پھر اس نے عربی میں چلا کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ جلدی کرو اس مخصوص چیز کو جہاز پر چڑھاؤ مصری واضح طور حواس باختہ نظر آ رہے تھے۔ بارش ختم ہو چکی تھی۔

اطالوی کسٹم والے ان کے چہروں پر اس سرد موسم میں بھی پسینہ دیکھ رہے تھے۔ آخر عربی جاننے والا کسٹم آفیسر آگے بڑھا۔ اس نے ٹرنک کو ہاتھ سے ٹھوکا۔ ایک مصری نے فوراً اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا "دیکھتے نہیں ہو۔ سفارتی سامان ہے۔ اسے تم چیک نہیں کر سکتے" لیکن کسٹم والا شائستگی کے دائرے میں رہتے ہوئے بضد تھا کہ وہ ٹرنک کھولنا چاہتا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ ٹرنک سے کوئی عجیب سی آواز آ رہی ہے۔ آخر اس نے غصے میں مصریوں سے کہا "ہٹ جاؤ اسے ہم ضرور چیک کریں گے۔ اس نے ٹرنک کیساتھ اپنا کان لگایا تو اب آوازیں اور بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ٹرنک سے کوئی فرانسیسی، اطالوی اور انگریزی میں مدد کے لئے چلا رہا تھا:

"مدد! مدد! بچاؤ بچاؤ! یہ قاتل ہیں"

اس کے بعد کسٹم انچارج نے کنٹرول ٹاور کو اپنے وائرلس سے اطلاع دی کہ مصری ائرلائن کے سامان میں کچھ گڑبڑ ہے لہٰذا اس جہاز کو پرواز کی اجازت بھی نہ دیں۔ پھر اس نے ذرا فاصلے پر کھڑے اپنے ساتھیوں کو آوازیں دی کہ اس نے ٹرنک میں عجیب میوزیکل چیز دریافت کی ہے۔ ابھی وہ یہ بات کر رہا تھا کہ ایک مصری نے تیزی سے ٹرنک دوبارہ پاس کھڑی وین میں ڈالا اور انتہائی سپیڈ میں ائرپورٹ کے بیرونی گیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کسٹم کے آدمیوں کا ردعمل بھی تیز تھا۔ انہوں نے ایک پیدل بھاگنے والے مصری کو زمین پر گرا کر گرفتار کر لیا۔ پھر وہ اپنی سرخ الفا رومیو جیپ میں مصری وین کے تعاقب میں پوری قوت کیساتھ روانہ ہوئے۔

یہ کوئی کار ریس مقابلہ نہیں تھا۔ الفا رومیو فوراً اس وین کو جا پہنچی۔ وین کو روکنے پر مجبور کیا گیا۔ وہ لوگ ہائی وے پر پہنچ چکے تھے۔

پولیس سٹیشن میں انہوں نے جونہی وہ ٹرنک کھولا تو اندر سے کلوروفارم اور انسانی بدبو کا ایک غبار برآمد ہوا۔ ٹرنک کے اندر ایک شخص رسیوں میں جکڑا ہوا بیٹھا تھا۔ اسے جب باہر نکالا گیا تو انتہائی کمزوری اور نشہ آور دوا کے اثر کی وجہ سے وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پا رہا تھا۔ سے فوراً طبی امداد کیلئے ہسپتال بھیج دیا گیا۔

اڑتالیس گھنٹے بعد "قیدی" مکمل ہوش و حواس میں آیا تو اسے روم کے پولیس ہیڈ کوارٹر لایا گیا جہاں اس نے اپنے متعلق تفصیل بتاتے ہوئے کہا "میرا نام جوزف دہان ہے اور ۱۹۳۲ء میں مراکش میں پیدا ہوا ہوں لیکن اب اسرائیلی شہری ہوں"۔ اس کی جیب سے مراکشی پاسپورٹ برآمد ہوا جو ۱۹۶۱ء میں جاری ہوا تھا۔

"میں چند دن پہلے روم پہنچا تھا" دہان نے کہا "میں ایک دن کیفے ڈی پیرس گیا جہاں میری چند مصری سفارت کاروں سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ وہ مجھے اس وقت سے جانتے ہیں جب میں مصری سفارت خانے میں بطور ترجمان کام کرتا تھا۔ انہوں نے میرے ساتھ کافی دیر گپ شپ لگائی اور ساتھ ہی مجھے کافی مقدار میں شراب بھی پلا دی جس سے میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ پھر سب کے سامنے وہ مجھے سہارا دیکر ایک کار کی طرف لے گئے۔ جس میں بیٹھا کر وہ مجھے شہر سے باہر ایک بڑے سے مکان میں لے گئے۔ پھر انہوں نے مجھے کوئی نشہ آور دوا پلائی اور تین

مرتبہ کوئی انجکشن لگائے۔ مجھے جب ہوش آیا تو میں اس ٹرنک میں مصری ممی کی طرح بند تھا۔

انہوں نے میرے منہ میں کپڑے کا گولہ ٹھونس رکھا تھا جو میں نے کسی طرح نکال دیا تھا اس کے بعد ائرپورٹ میں میں مدد کیلئے چیخنے لگا اور یوں آپ لوگوں کو پتہ چل گیا۔

یہ ساری داستان سنانے کے باوجود اطالوی پولیس کو اس پر شک تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے یا کم از کم کچھ چھپا رہا ہے۔

پولیس نے اس سے پوچھا "آخر تمہیں وہ کیوں اغوا کر کے لے جا رہے تھے"۔ اس کی ملازمت کے دوران شائد میں ان کے فوجی رازکچھ زیادہ ہی جان گیا تھا۔ ان کو خدشہ تھا کہ یہ سب کچھ میں اسرائیلیوں کو افشا کردوں گا"

پولیس نے ایک اور سوال کرتے ہوئے کہا "ایک عام ترجمان اتنی ساری معلومات کیسے حاصل کرسکتا ہے؟" اس پر جوزف دہان خاموش ہوگیا۔ اس کے بیانات میں بھی تضاد تھا۔ پہلے اس نے بتایا کہ وہ فرنکفرٹ سے روم پہنچا تھا پھر کہنے لگا کہ نہیں وہ نیپلز سے آیا تھا۔ آنے کا مقصد روم میں ایک شخص سے اپنا قرض واپس لینا تھا۔ لیکن وہ اس شخص کا نام بتانے سے بھی گریز کر رہا تھا۔ پولیس کیلئے یہ شخص معمہ بن گیا تھا۔

پولیس سٹیشن سے باہر ایک اور مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ مراکش اور اسرائیل کے سفارت خانوں نے بیانات جاری کردیے کہ وہ اس شخص کو بالکل نہیں جانتے ہیں اور نہ ہی وہ ان کے ملک کا باقاعدہ شہری ہے۔ ادھر دنیا بھر کے اخبارات نے بھی عجیب وغریب کہانیاں شائع کیں۔ کسی نے لکھا کہ تابوت میں جاسوس دراصل ڈبل ایجنٹ تھا۔ ایک اخبار نے لکھا نہیں وہ ٹرپل ایجنٹ تھا وہ مراکش، مصر اور اسرائیل کے لئے بیک وقت جاسوسی کررہا تھا۔

ان دو مصری سفارت کاروں کے نام، جو ائرپورٹ میں گرفتار ہوئے تھے، اخباروں میں شائع ہوئے۔ ایک کا نام معتصم اور دوسرے کا سلیم عثمان السید تھا۔ انہیں فوراً ملک سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔

مصری سفیر ان الزامات سے اس قدر دل برداشتہ ہوگیا تھا کہ تنگ آ کر اس نے ایک بیان میں کہا

" The trunk now in the hands of the Police is not ours, we have never seen it befo
It was planted on our two senior diplomats by the Italians at the air-port Our tru
contained harmless material. The Italian authorities placed the dangerous Israili
Joseph Dohan in the false coffin for their own obscure reasons."

مصری سفیر کے ان ریمارکس پر اطالوی گورنمنٹ بے حد برہم ہوئی اسے وزارت خارجہ طلب کر کے وضاحت کرنے کو کہا گیا کہ اس نے کس بنیاد پر اطالوی حکومت پر اس قدر غلط الزامات عائد کئے ہیں۔

ادھر اطالوی محکمہ سراغ رسانی کے پاس اس پراسرار شخص کے متعلق کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ اس کے ایک ترجمان نے پریس کو صرف اتنا کہا کہ

"The only certainity about Joseph Dohan is that he is not Joseph Dohan "

جوزف دہان کی سٹوری اب بین الاقوامی اخبارات اور جرائد میں اس کی تصاویر کیساتھ شائع ہورہی تھی۔ چونکہ تل ابیب کے قریب ایک

بستی میں ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ یہ شخص جوزف دہان نہیں ہے۔ اس کا نام Louk ہے اور اس کا شوہر ہے جو اسے بچوں سمیت چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ وہ عورت پریس والوں سے کہہ رہی تھی کہ مجھے فوراً اس سے ملایا جائے میں نے اس کے ساتھ بات کرنی ہے۔

تاہم اطالوی محکمہ سراغ رسانی کے ہیڈکوارٹر میں لوک Louk کی شخصیت اب پراسرار نہیں رہی تھی۔ ان کا موساد کیساتھ سب قریبی رابطہ تھا۔ لیکن فی الحال وہ اسے صیغہ راز میں رکھنا چاہتے تھے۔

موساد سب کچھ جانتی تھی۔ لوک ۱۹۴۹ء میں مراکش سے ہجرت کر کے اسرائیل آیا تھا۔ یہاں اس نے ایک سال فوج کی ملازمت کی تھی۔ وہ ایک بار راہزنی کے جرم میں جیل کی سزا کاٹ چکا تھا۔ وہ اسرائیل میں زندگی سے اکتا چکا تھا۔ آخر تنگ آ کر ۱۹۶۱ء میں وہ سرحد عبور کر کے مصر میں داخل ہو جہاں اس نے سیاسی پناہ کیلئے درخواست کی۔ مصریوں نے اسے جاسوس سمجھ کر جیل میں ڈال دیا۔

جیل میں اس نے دو دفعہ اپنی کلائی کی رگ کھول کر خودکشی کی کوشش کی مگر بروقت اسے بچالیا گیا۔

ایک دن مصری سیکرٹ سروس نے اسے پیشکش کی کہ اگر وہ ان کیلئے ''کام'' کرنے کیلئے راضی ہو تو اسے اچھا خاصا معاوضہ دیا جائے گا۔ لووک نے فوراً ہی حامی بھرلی۔

اس کے بعد اگلے چھ مہینے اس نے جاسوسی کی تربیت اور ٹیسٹ میں گزارے۔ اس کی وفاداری پرکھنے کیلئے مصریوں نے اس کو پنے ریڈیو کی عبرانی سروس سے اسرائیل کے خلاف پروپیگنڈہ کرایا۔ وہ بیک وقت انگریزی، فرنچ، ہسپانوی اور عربی زبانیں روانی کیساتھ بولتا تھا۔

۱۹۶۲ء میں اسے مکمل تربیت دیکر مغربی یورپ روانہ کیا گیا۔ اسکے کام کا دائرہ سوئٹزر لینڈ، جرمنی اور اٹلی تک پھیلا ہوا تھا۔

اسے ہدایات دی گئی کہ وہ موساد کے کارندوں کی شناخت کر کے ان کے نام، پتے اور خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں معلومات فراہم کرے۔ اس کی ماہانہ تنخواہ 150 ڈالر رکھی گئی۔

اسے مصری پاسپورٹ فراہم کیا گیا جس میں اسکا نام محمد مصری جبل درج تھا۔ اس کے سیاہ بالوں کو براؤن رنگ دیا گیا۔ اس نے اپنے جاسوسی کیریئر کا پہلا سفر دمشق کا کیا۔ وہاں اسے مصری انٹیلی جنس والوں نے مراکشی پاسپورٹ بھی دیا جس میں اسکا نام جوزف دہان تھا۔

لیکن مصری سیکرٹ سروس کو پتہ نہیں تھا کہ وہ جس شخص کو فیلڈ میں بھیج رہا ہے۔ اسکے ہر قدم اور ہر حرکت کو موساد نوٹ کر رہی ہے۔ بلکہ وہ اس دن سے موساد کی نظر میں تھا جس روز وہ اسرائیل سے فرار ہو کر مصر میں داخل ہوا تھا۔ مغربی یورپ کے کسی بھی ملک میں اسے موساد پکڑ سکتی تھی مگر جیل کے بجائے وہ اسے فیلڈ میں زیادہ فائدہ مند سمجھ رہے تھی۔

تین سال تک وہ یورپ کے مختلف ملکوں میں زیرزمین سرگرمیوں میں مصروف رہا۔ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء کے درمیان وہ زیادہ تر زیورخ، میونخ اور فرنکفرٹ میں رہا۔ ۱۹۶۳ء میں اسے میلان ٹرانسفر کیا گیا۔ یہاں اس نے اپنے مالکوں کیلئے مسائل پیدا کرنا شروع کئے۔ اس کی ایک وجہ تو اس کی انتہائی قلیل تنخواہ تھی۔ اپنی مالی حیثیت مستحکم کرنے کیلئے اس نے بطور ٹورگائیڈ کام شروع کیا۔ آخر ایک دن اس نے اپنے سپروائزر کیساتھ ملاقات میں واضح کردیا کہ اس کی تنخواہ بڑھادی جائے ورنہ وہ کام کرنا چھوڑ دے گا اور اسکے علاوہ وہ جو کچھ اس نے کہا وہ دھمکی کی شکل میں تھا۔ یعنی ''مجھے

تمہارے نیٹ ورک کا پورا علم ہو چکا ہے۔ میں یہ راز با آسانی مارکیٹ میں فروخت کر سکتا ہوں۔ اس کا خریدار آپ لوگ جانتے ہیں کہ کون ہوگا۔ مصری افسر نے اس کی ساری باتیں بڑے تحمل سے سنی۔ اسے اب اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک غیر مطمئن جاسوس بڑے مسائل بھی پیدا کر سکتا ہے۔

آخر اس نے لووک کو کہا کہ وہ روم میں مصری سفارت خانے آئے تا کہ وہاں تفصیل سے اس کی تکالیف پر بحث کی جا سکے۔ لیکن لووک بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا۔ اسے اچھی طرح پتہ تھا کہ مصری سفارت خانے میں قدم رکھنا مصری سرزمین پر قدم رکھنے کے مترادف تھا اور اگر وہ یک بار وہاں چلا گیا تو اس کی خیر نہیں ہوگی۔ لہٰذا اس نے صاف انکار کر دیا۔ آخر مصریوں نے روم کے فیشن ایبل ریسٹوران، ڈی پیرس کی تجویز پیش کی۔ یہاں روم کی اعلیٰ سوسائٹی کے افراد کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ لووک کو یہ جگہ محفوظ اور مناسب لگی۔ اس نے حامی بھر لی۔

کیفے ڈی پیرس میں مصری انٹیلی جنس کے تین آدمی اسکے استقبال کیلئے موجود تھے۔ جبکہ تین آدمی کیفے کے باہر یک کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے میٹنگ میں اسے بتایا کہ تمہاری فراہم کردہ معلومات ہمیشہ کیلئے کم درجے کی رہی ہیں۔ اس حساب سے اس کی تنخواہ مناسب ہے۔ اسے انفارمیشن کی کوالٹی بڑھانے کو کہا گیا۔ ان باتوں کے دوران اسے شراب کے کئی گلاس پلائے گئے جس سے وہ ڈرنک ہو گیا۔ اس کے بعد چند آدمیوں نے اسے سہارا دے کر سے ایک کار میں بٹھا کر سیدھا مصری سفات خانے پہنچایا جہاں اُسے بیہوشی کی حالت میں ایک تابوت میں بند کر دیا گیا۔

مصریوں کی اس کاروائی پر شروع سے لیکر آخر تک موساد کے ایجنٹ نظر رکھے ہوئے تھے۔ کیفے سے نکلنے کے بعد وہ لووک کو مصرا ایمبیسی لے جا رہے تھے تو موساد کے ایجنٹوں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ انہوں نے اسی وقت تل ابیب میں اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کیا۔ وہاں سے انہیں حکم ملا کہ لووک کو مصر اغواہ ہونے سے بچایا جائے۔

انہوں نے فوراً مقامی محکمہ سراغ رسانی کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ پھر ان کے ساتھ ملکر مصری سفارت خانے کی نگرانی شروع کر دی۔ روم کے انٹرنیشنل ائرپورٹ حکام کو خبردار کر دیا گیا کہ مصری سفارت خانے کے لوگ ایک شخص کو اغواہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ اطالوی کسٹم والے الرٹ کھڑے تھے۔

میری جان بچائی۔ میں اپنے ملک، بیوی اور بچوں سے معافی چاہتا ہوں میں نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا ہے۔ میں ہر قسم کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔ میں اپنی فیملی کیساتھ پرنئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ وہ مجھے معاف کردیں۔ میں اصل میں پیشے کے لحاظ سے ایک ترکھان ہوں اور آج کے بعد میں یہی کام شروع کرنے والا ہوں۔

یوں جارنو مبر کو لووک، سرائیل ائرلائن ELAL کے فرسٹ کلاس سیکشن میں تل ابیب روانہ ہوا۔ سرائیل پہنچتے ہی اس پر ایک عدالت نے مقدمہ شروع کیا اور اُسے جرم ثابت ہونے پر تیرہ سال کی قید سنائی۔

جیل سے رہائی کے بعد وہ اب اسرئیل میں اپنی بیوی بچوں کیساتھ رہتا ہے اور وعدے کے مطابق اب صرف بڑھئی کا کام کرتا ہے۔ اس کا جاسوسی کیرئیر ہمیشہ کیلئے ختم ہو چکا ہے۔

کاغذی قیامت

ہماری دنیا میں ایک ایسا کاغذ بھی موجود ہے جس کے گرد اس وقت پوری دنیا گھوم رہی ہے۔ اس کاغذ نے پوری دنیا کو پاگل بنا رکھا ہے۔ دیوانہ کر رکھا ہے۔ اس کاغذ کے لئے قتل ہوتے ہیں۔ عزتیں نیلام ہوتی ہیں۔ معصوم بچے دودھ کی ایک ایک بوند کو ترستے ہیں۔ اور یہ کاغذ ہے کرنسی نوٹ یہ ایسا کاغذ ہے جس پر حکومت کے اعتماد کی مہر لگی ہے۔ لیکن اگر یہ اعتماد ختم ہو جائے یا کر دیا جائے تو پھر کیا ہوگا؟ اس کاغذ کی اہمیت یکلخت ختم ہو جائے گی اور یقین کیجئے پھر کاغذی قیامت برپا ہو جائے گی۔ جی ہاں ' کاغذی قیامت

اور اس بار مجرموں نے اس اعتماد کو ختم کرنے کا مشن اپنا لیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کاغذی قیامت پوری دنیا پر برپا ہو گئی۔ اس قیامت نے کیا کیا رخ اختیار کیا۔ پوری دنیا کی حکومتوں اور افراد کا کیا حشر ہوا؟ اسے روکنے کے لئے کیا کیا حربے اختیار کیے گئے۔ کیا مجرم اپنے اس خوفناک مشن میں کامیاب ہو گئے یا ؟

اس کہانی کی ہر ہر سطر میں خوفناک ایکشن اور اس کے لفظ لفظ میں اعصاب شکن سسپنس موجود ہے۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جو یقیناً اس سے پہلے صفحہ قرطاس پر نہیں ابھری۔ اس کہانی کا پلاٹ اس قدر منفرد ہے کہ پہلے دنیا بھر کے جاسوسی ادب میں کہیں نظر نہیں آیا۔ عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس نے اس کہانی میں کیا کردار ادا کیا ہے جہاں دنیا بھر کی حکومتیں اور سیکرٹ سروسز خوف و دہشت سے کانپ رہی ہوں جہاں موت کے بھیانک جبڑوں نے دنیا میں بسنے والے ہر فرد کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہو وہاں عمران اور سیکرٹ سروس کے جیالوں نے کیا رنگ دکھائے۔ یہ عمران کی زندگی کا وہ مافوقی اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے کہ جس پر آج بھی عمران کو فخر ہے اور کیوں نہ ہو یہ کارنامہ ہے ہی ایسا۔

کاغذی قیامت کتاب گھر کے **جاسوسی ناول سیکشن** میں دیکھا جا سکتا ہے۔

آپریشن یورینیم شپ

Operation Urinium Ship

اسرائیل نے 1950ء کی دہائی میں ایٹمی ہتھیار بنانے کیلئے تگ و دو شروع کی تھی۔ اس مقصد کیلئے اُس نے نیوکلیئر ری ایکٹرز اور یورینیم کے حصول کیلئے فرانس سے رابطے شروع کئے۔ لیکن یہاں ایک مسئلہ یہ تھا کہ فرانس نیوکلیئر کلب کا مستقل رکن تھا جس میں اس کے علاوہ امریکہ، سوویت یونین برطانیہ اور چین شامل تھے کلب کے قانون کے مطابق یہ ٹیکنالوجی اُن کے علاوہ دنیا کے کسی ملک کو منتقل نہیں کی جا سکتی تھی کیونکہ اس سے ایٹمی ہتھیاروں کی بے لگام دوڑ شروع ہونے کا خطرہ تھا۔

اسرائیلی وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان نے ایک مرتبہ ایک اخباری پریس کانفرنس میں کہا تھا اسرائیل کو اپنی دفاع اور بقا کیلئے ایٹم بم کی اشد ضرورت ہے کیونکہ ہم نہیں چاہتے ہیں کہ یہودی نسل ایک بار پھر بھیڑ بکریوں کی طرح قصائیوں کے ہتھے چڑھ جائے۔ کچھ عرصے بعد اسرائیل نے اپنے صحرا نگیو Negeve میں ڈیمونا (Dimona) نیوکلیئر پلانٹ کی بنیاد رکھ دی۔ سرکاری سطح پر تشہیر کی گئی کہ یہ پلانٹ زرعی ریسرچ کیلئے تعمیر ہو رہا ہے۔ ڈیوڈ برگ مین جو سابقہ جرمن یہودی سائنسدان تھا، اُس نے آٹھ دس ذہین ترین یہودی ماہرین کو ساتھ ملا کر اس پروجیکٹ پر کام شروع کیا۔

ڈیوڈ برگ مین مشہور عالم سائنسدان البرٹ آئن سٹائن کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ اس کے بعد اسرائیل نے ایک مرتبہ پھر در پردہ فرانس کیساتھ ایٹمی ری ایکٹر کیلئے گفت و شنید شروع کی۔ بالآخر 1956ء میں فرانس نے اسرائیل کو چوبیس میگاواٹ کا طاقتور ری ایکٹر مع وافر مقدار میں یورینیم اور ماہرین فراہم کر دیا۔

یہ منصوبہ انتہائی رازداری میں شروع ہوا۔ موساد اور شین بتھ (shin Beth) نے پلانٹ کے ارد گرد علاقے میں سخت حفاظتی انتظامات کا بندوبست کیا۔ اس کے ارد گرد جگہ جگہ اینٹی ائیرکرافٹ گنیں نصب کی گئیں۔ اسرائیل آرمی پلانٹ کی حفاظت کیلئے اس قدر حساس تھی کہ ایک مرتبہ تو اس نے اپنی ہی ائیرفورس کے ایک میراج لڑاکا طیارے کو مار گرایا تھا۔ یہ طیارہ اپنے کسی مشن سے واپسی پر غلطی سے پلانٹ کی فضائی حدود میں نکل آیا تھا۔ آرمی والے سمجھے کہ شاید یہ دشمن طیارہ ہے۔ اور پلانٹ پر حملہ کرنے آیا ہے۔

اسرائیل نے اس پراجیکٹ کو صیغہ راز میں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن امریکہ اور سوویت یونین کو اس کا پتہ چل چکا تھا۔ 1960ء میں ایک امریکی جاسوس طیارے (U-2) نے انتہائی بلندی سے ان تنصیبات کی فوٹوگرافی کی تھی۔ امریکی احتجاج پر اسرائیل نے موقف اختیار کیا کہ صحرا میں زیر تعمیر عمارت ایک ٹیکسٹائل مل کی ہے۔ جب کہ کچھ دن پہلے وزیراعظم نے اپنی پارلیمنٹ کو خطاب کے دوران کہا تھا یہ نیوکلیئر پلانٹ بن رہا ہے جو صرف اور صرف ریسرچ کے مقاصد میں استعمال ہوگا۔

پلانٹ کیلئے مزید یورینیم کی سپلائی کیلئے موساد کے اُس وقت کے ہیڈ اسر ہیرل نے نیوکلیئر ایکسپرٹ برگ مین سے ملاقات کی اُنہوں نے ایک خفیہ پلان پر اتفاق رائے کیا۔ ایک صیہونی یہودی ریسرچ کیمسٹ ڈاکٹر زلمان شپیرو (Zlaman Shapiro) جس نے پہلے مریکی ایٹم بم کی تیاری میں امریکی اور برطانوی سائنسدانوں کی ایک ٹیم کیساتھ کام کیا تھا اُسے 1957ء میں دوبارہ امریکی نیوکلیئر ریسرچ پروجیکٹ میں ملازمت مل گئی تھی۔ اُس نے وہاں ایک فرم Numec (nuclear material & equipment corporation) کے نام سے قائم کی جو اسرائیلی حکومت کی سرمایہ کاری سے چل رہی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد سی آئی اے کو شک ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر زمان جو اکثر اسرائیل آتا جاتا تھا، اپنے ساتھ کچھ حساس انفارمیشن بھی سمگل کر رہا تھا۔ امریکی اٹامک انرجی کمیشن نے بھی تفتیش کے بعد پتہ چلایا کہ واقعی ڈاکٹر زمان کچھ اس قسم کی سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ اس کے علاوہ پلانٹ سے 206 پاؤنڈ افزودہ یورینیم (Enriched Urinium) بھی غائب ہو چکی تھی۔ آخر امریکی حکومت نے اس فرم کو فوراً بند کرانے کے احکامات جاری کئے سی آئی اے کے اندازے کے مطابق نرچ یورینیم کے علاوہ عام یورینیم بھی 200 پاؤنڈ کے قریب فرم سے چوری کر کے اسرائیل پہنچائی گئی تھی۔ ایک امریکی عدالت نے فرم پر ان بے قاعدگیوں کے جرم میں دس لاکھ ڈالر جرمانہ عائد کیا۔

1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد امریکہ نے یورینیم کی سپلائی کے متعلق اپنے قوانین اور بھی سخت کر دیے دوسری طرف فرانس جو کسی زمانے میں اسرائیل کا زبردست حامی اور مددگار رہا تھا، کی پالیسی میں بھی یک لخت تبدیلی آ گئی۔ فرانس کے صدر جنرل ڈیگال نے اسرائیل کے ساتھ اپنے تمام عسکری ساز وسامان کے معاہدے کالعدم قرار دے دیے۔ یوں اسرائیل کیلئے اپنے نیوکلیئر پروگرام کیلئے ناکارہ مواد کا حصول مزید مشکل ہو گیا۔ اسی سال موساد کا سربراہ اسر ہیرب اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو گیا تو اُس کی جگہ میر امیت نے چارج سنبھالا۔ نئے سربراہ نے وزیراعظم کو یقین دہانی کرائی کہ وہ اتنی یورینیم کا بندوبست کر کے دکھائے گا کہ وہ کم از کم 20 ایٹم بموں کیلئے کافی ہوگا۔ موساد نے اس مقصد کیلئے اپنے تمام ایکسپرٹ ذرائع بروئے کار لائے۔ ایک امریکی جریدے Rolling Stone کے مطابق موساد نے یورینیم کے حصول کیلئے ایک خصوصی ٹیم تشکیل دی جس نے دنیا کے مختلف ممالک میں بڑی دوڑ دھوپ کی۔ ان کے کچھ اہلکاروں نے جن کے پاس آنسو گیس کے کنستر تھے فرانس میں چند ٹرکوں کو اغوا کر لیا تھا جو یورینیم کے کریٹ کسی دوسرے شہر لے جا رہے تھے۔ موساد نے مغربی جرمنی میں ایک ڈمی کمپنی قائم کی جسے ایک سابقہ جرمن ائیر فورس پائیلٹ ہربرٹ شلزن کے حوالے کیا گیا۔ اُس نے یورینیم کی باقاعدہ قانونی طور خریداری کیلئے اس فرم کو استعمال کیا۔ موساد نے اس کے بدلے اُسے اچھی خاصی رقم ادا کی۔

مارچ 1988ء میں شلزن نے بیلجئیم کی ایک کمپنی جس کے پاس افریقہ سے درآمد شدہ یورینیم آکسائیڈ کا اچھا خاصا سٹاک تھا، کے ساتھ رابطہ کیا۔ اُس نے کمپنی کے ڈپٹی ہیڈ کو جو یورینیم ڈویژن کا انچارج تھا کہا کہ اُسے یہ مواد اپنی فرم میں پیٹرو کیمیکل کی تیاری کیلئے درکار ہے، اور وہ اُسے کاسابلانکا (مراکش) بھجوانا چاہتا ہے۔ کچھ دنوں کی بات چیت کے بعد بالآخر ان کے درمیان سودا طے ہو گیا۔ شلزن نے مذکورہ کمپنی کو پچاس لاکھ ڈچ مارک کی ادائیگی کر دی۔ یہ رقم ایک سوئس بینک کے ذریعے ادا کی گئی۔

اِس مرحلے پر موساد کو اچانک ایک غلطی کا احساس ہوا۔ وہ یہ کہ یورپین اٹامک انرجی کمیشن کی باقاعدہ اجازت کے بغیر وہ یہ مواد بین الاقوامی بحری روٹ پر مراکش منتقل نہیں کر سکتے تھے۔ آخر ایک نیا پلان بڑی عجلت میں تیار کیا گیا۔ جس کے مطابق یورینیم کی اس کھیپ کو اٹلی شفٹ کر کے وہاں ایک کیمیکل فیکٹری کے حوالے کرنا تھا، حالانکہ اس فیکٹری نے اس سے قبل کبھی یورینیم خریدا تھا اور نہ اُسے اس کی ضرورت تھی۔ بہر حال یہ تو موساد اور فیکٹری کے ہیڈ کے درمیان خفیہ ڈیل تھی۔ پلان کے مطابق کچھ خام مواد بیلجیئم سے اٹلی منتقل کر کے وہاں اُسے پروسس (Process) کرنا تھا۔ یہ نقل و حمل بلکل قانون کے عین مطابق تھا۔ بس موساد کو ایک خدشہ تھا کہ اُن کے مال بردار بحری جہاز کو اٹامک کنٹرول اتھارٹی کے انسپکٹر کہیں چیک نہ کر لے۔ خوش قسمتی سے ایسا کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا۔ اس مقصد کیلئے اُنہوں نے ہیمبرگ (مغربی جرمنی) میں ایک مابیرین رجسٹرڈ مال بردار بحری جہاز ڈیڑھ لاکھ پاؤنڈ کے عوض خریدا۔ اُسے خریدنے والا ایک ترک نژاد باشندہ تھا۔ اکتوبر کے مہینے میں موساد نے آپریشن یورینیم شپ کا آغاز کیا۔ یورینیم کے 560 بیرل جن پر لفظ Plombat پینٹ کیا گیا تھا اُس بحری جہاز پر لادے گئے۔

پندرہ نومبر کو یہ جہاز اینٹ ورپ کی بندرگاہ سے بلغ ہر اٹلی کیلئے روانہ ہوا۔ لیکن وہ اطالوی ساحل کے بجائے بحیرہ روم میں مشرق کی طرف مڑ گیا۔ دو ہفتے کے سفر کے بعد وہ جہاز قبرص کی سمندری حدود میں ایک اسرائیلی ٹینکر سے جا ملا۔ ٹینکر کے عملے نے یورینیم کے تمام بیرل اپنے جہاز میں منتقل کر دیے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹینکر اسرائیلی بندرگاہ حیفہ کیلئے تیزی سے روانہ ہوا۔ یوں موساد نے اسرائیلی کابینہ کے فیصلے کے مطابق چودہ مہینے کے عرصے میں ایٹم بم بنانے کیلئے یورینیم کی ایک بڑی کھیپ غیر قانونی ذرائع سے حاصل کر کے ڈیمونا (Dimona) نیوکلیئر پلانٹ پہنچائی۔

اسی سال دسمبر میں موساد کا وہ بحری جہاز ترک بندرگاہ سکندرون میں نظر آیا۔ جہاز کے رجسٹر میں اُن دو ہفتوں کے سفر کا ذکر درج نہیں تھا جس میں یورینیم سمگل کی گئی تھی۔ جہاز کا پہلے والا کپتان اپنے عملے سمیت غائب تھا۔ یوریٹم (یورپین اٹامک کنٹرول آرگنائزیشن) نے سات ماہ کی تحقیقات کے بعد بیان جاری کیا کہ مذکورہ جہاز میں لادا گیا یورینیم کہیں غائب کر دیا گیا تھا۔ پولیس انکوائری بھی ہوئی لیکن وہ سب یہ معلوم کرنے میں ناکام ہوئے کہ آخر وہ 560 بیرل کہاں گئے۔ اس واقعے میں ملوث بیلجیئم کی کمپنی نے اس پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ آخر تھک ہار کر یوریٹم نے اس تفتیش کو داخل دفتر کر دیا۔

موساد کے سینئر اپنے آپریشن یورینیم شپ کی زبردست کامیابی سے بے حد خوش تھے۔ اُنہوں نے آپریشن کے کرتا دھرتا ایجنٹ ڈان آرنبل کو ترقی دیکر ناروے بھیج دیا۔ یہ شخص 1971ء میں موساد کی ایک ہٹ ٹیم میں بھی شریک ہوا جو میونخ اولمپک میں اسرائیلی کھلاڑیوں کے قتل میں ملوث فلسطینی مجاہد علی حسن سلامے کی تلاش میں ناروے پہنچی تھی۔ موساد کا یہ آپریشن سخت ناکامی کا شکار ہوا جب ہٹ ٹیم نے سلامے کے بجائے ایک مراکشی ویٹر کو غلطی سے مار ڈالا۔ پولیس نے ڈان آرنبل کو موقع ہی پر حراست میں لے لیا تھا۔ پوچھ گچھ کے دوران ڈان آرنبل نے حیران کن حد تک نارویجین پولیس کے ساتھ تعاون کیا۔ اُس نے نہ صرف موساد کے اس آپریشن کی تفصیلات بتائی بلکہ یورینیم والے واقعے کا بھی تہلکہ خیز انکشاف کیا۔ دنیا بھر کے اخبارات نے یہ خبر ہیڈ لائنز میں شائع کی۔ اُدھر اسرائیلی نیوکلیئر سائنسدانوں نے موساد کی مدد سے وافر مقدار میں ایٹم بم تخلیق کیے، لیکن ہر اسرائیلی حکومت کی پالیسی رہی ہے کہ وہ دنیا کے سامنے اپنے ایٹمی اسلحے کی موجودگی کی تردید کرتے رہے ہیں، لیکن 1969ء میں جب

وزیراعظم مسز گولڈا میئر واشنگٹن گئی تو وہاں صدر نکسن نے جب اُس سے پوچھا کہ کیا اسرائیل کے پاس کوئی خطرناک کھلونا تو نہیں ہے تو گولڈا میئر نے مسکراتے ہوئے کہا ہاں بالکل ہمارے پاس ہے۔

گولڈا میئر کے اُس اعتراف کی تصدیق بعد میں موشے دایان نے 1973ء کی جنگ میں بھی کردی تھی جب مصر اور شام نے مشترکہ طور اسرائیل پر بھرپور حملہ کر دیا تھا۔ وہ حملہ اس قدر شدید اور اچانک تھا کہ اسرائیلی فوج کو مجبوراً فرنٹ لائن سے کافی پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس موقع پر اسرائیلی وزیر دفاع موشے دیان نے دھمکی دی کہ وہ اپنی بقاء کیلئے ایٹم بم استعمال کرنے والا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسرائیل نے تیرہ کے قریب بم جو صحرا نگیو (Negeve) میں واقع تنلوں میں پڑے ہوئے تھے ایکشن کے لیئے تیار کر دیے تھے۔ اسرائیلی کابینہ کا اس دوران ایک اجلاس طلب کیا گیا، جہاں چوبیس گھنٹے تک اس سنگین قدام کے بارے میں صلاح ومشورے ہوئے۔ اجلاس ابھی جاری تھا لیکن دوسری طرف ائرفورس کا عملہ اپنے فینٹم اور کیفر (Kfir) جیٹ طیاروں میں ایٹم بم لوڈ کر رہے تھے۔ امریکہ اور سوویت یونین کو بھی اسرائیل کے عزائم کا پتہ چل گیا تھا۔

ساز و سامان وافر مقدار میں موجود ہے۔

اسرائیل نے اپنی سرحدوں پر میڈیم رینج (medium range) بیلسٹک میزائل بمع نیوکلیئر وار ہیڈز نصب کر رکھے ہیں۔ 1988ء اور 1990ء کے درمیان اس نے خلاء میں ایک اور میزائل داغا جو ایک ہزار وزنی وار ہیڈ لیکر دو ہزار میل کے فاصلے تک مار کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وننو کے انکشافات نے اسرائیل کی حکومت میں کھلبلی مچا دی تھی۔ ادھر لندن میں ماہرین وننو سے باقاعدہ جرح کر رہے تھے کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا۔ امریکی وزارت دفاع میں ایٹمی ہتھیاروں کے شعبے کے انچارج نے بھی وننو کی دستاویزات اور تصاویر کا بغور معائنہ کیا۔ اُس کے مطابق اسرائیل سالانہ دس ایٹم بم بنانے کی صلاحیت حاصل کر چکا تھا۔ وننو یہ قیمتی راز لیکر سب سے پہلے آسٹریلیا پہنچا تھا، جب اُس نے عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ آسٹریلیا میں قیام کے دوران اُسے ایک جرنلسٹ ملا جسے اُس نے ڈیمونا نیوکلیئر سنٹر کے متعلق تمام باتیں سنائیں۔ اُس جرنلسٹ نے وننو کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی سٹوری سنڈے ٹائمز کو فروخت کر سکتا ہے۔ اسی دوران میں یہ بات کسی طرح آسٹریلین سیکرٹ سروس کو معلوم ہوگئی تو اسکے ہیڈ نے موساد کو ارسٹ کر دیا تھا۔ وننو جس وقت لندن پہنچا تو موساد کے ایجنٹ اُس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ سنڈے ٹائمز میں جب یہ کہانی شائع ہوئی تو اس کے چند ہی دنوں بعد وننو اچانک لندن سے غائب ہوگیا۔ اُس سے اخبار کو بھی سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ وننو کو ہر قسم کے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی۔

اُدھر اسرائیل میں شین بیتھ (سکیورٹی سروس) پر زبردست تنقید کی گئی کیونکہ مذکورہ پلانٹ کی حفاظت اس کی ذمہ داری میں آتا تھا۔ ایک معمولی ٹیکنیشن ہاتھ میں کیمرہ لئے حساس تنصیبات کی تصاویر اتار کر نہایت سہولت کیساتھ ملک سے فرار ہوگیا اور اُسے پتہ تک نہیں چلا۔ وننو نے مختلف جگہوں کی 57 تصاویر لکانے کے علاوہ انتہائی خفیہ کتابچوں سے ڈایا گرامز بھی نقل کئے تھے۔ شین بیتھ کیلئے یہ بات ایک معمہ بن چکی تھی کہ آخر کیسے اتنی سخت سکیورٹی کے باوجود وہ یہ حرکت کر گیا۔ ڈیمونا نیوکلیئر سنٹر میں تو حفاظتی اقدامات میں تو چلو کسی طرح خامی رہ گئی ہوگی لیکن تل ابیب ائرپورٹ پر سکیورٹی والے کہاں سوگئے تھے جن کے متعلق مشہور ہے کہ کبھی بھی ان کی تلاشی کے بغیر ملک سے باہر نہیں نکل سکتی۔ شین بیتھ والوں نے تو موساد پر الزام لگایا کہ یہ سارا ڈرامہ اُس نے خود ہی رچایا ہے تاکہ اردگرد کے عربوں کو ڈرایا جائے کہ اسرائیل کے پاس خوفناک ایٹمی اسلحہ ہے۔ وننو لندن میں ماؤنٹ بٹیں ہوٹل میں قیام کے دوران غائب ہوا تھا۔ برطانوی پولیس اور سکیورٹی سروس (MI-5) کیلئے یہ بات بے حد پُراسرار حیثیت اختیار کر گئی تھی۔

آخر کچھ روز بعد امریکی جریدے نیوز ویک (news week) میں سٹوری شائع ہوئی کہ اسرائیلی وزیراعظم شمعون پیریز نے موساد کو حکم دیا تھا کہ اُسے اغوا کر کے تل ابیب لایا جائے۔ اس خبر پر اسرائیلی حکومت کا ردِعمل بالکل حسب توقع تھا یعنی فوراً تردید کرنا۔ ہمیں اس واقعے کا بالکل علم نہیں ہے پرائم منسٹر کے ترجمان نے پریس کو بیان دیا۔ درحقیقت اسرائیل میں ہر کسی کو پتہ تھا کہ وننو کو کسی نامعلوم مقام پر زیر حراست رکھا گیا ہے۔

برطانوی گورنمنٹ نے اپنی سرزمین پر اس اغوا کی سخت مذمت کرتے ہوئے اسرائیل سے سفارتی سطح پر احتجاج کیا تو کچھ روز اسرائیل نے جواباً خاموشی ہی اختیار کی۔ آخر کچھ دنوں بعد یروشلم میں برطانوی سفیر کو تسلی دی گئی کہ وننو کو گرفتار کرنے کے دوران برطانوی قانون کی ہرگز

خلاف ورزی نہیں کی گئی ہے۔ حالانکہ اسرائیل نے اس بات کی سرکاری طور پر مزید وضاحت ہی نہیں کی کہ اگر برطانوی قانون نہیں توڑا گیا تو ونونو کو کیسے اسرائیل پہنچایا گیا تھا۔

نیوز ویک کے مطابق حقیقت یہ تھی کہ اسرائیلی گورنمنٹ ونونو کے خلاف ایکشن کا فیصلہ کر چکی تھی۔ موساد کو با قاعدہ احکامات مل چکے تھے کہ اس یہودی جاسوس کو لندن سے کچھ اس طرح سے اُٹھایا جائے کہ برطانوی حکومت کو زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا نہ پڑے کیونکہ اسرائیل مسز تھیچر کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا جس نے کچھ ہی عرصہ قبل شام کیساتھ صرف اس بات پر سفارتی تعلق توڑ دیا تھا کہ اس کا ایک باشندہ اسرائیلی ائر لائن ELAL کی ایک پرواز جو تل ابیب سے لندن جانے والی تھی پر بم نصب کرتے ہوئے گرفتار ہوا تھا۔ ونونو جب سنڈے ٹائمنر کی دعوت پر لندن پہنچا تو موساد کا طویل بازو اُس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

موساد نے اُسے کچھ روز لندن کی گلیوں میں خوب گھومنے پھرنے کا موقع دیا۔ ایک دن اتفاق سے اُس کی ملاقات ایک خوبرو خاتون سنڈی (cindy) سے ہوئی۔ وہ موساد کی بھیجی ہوئی ایجنٹ تھی۔ چند روز کی ملاقاتوں کے بعد وہ ونونو کو ورغلا کر روم (اٹلی) لے گئی۔ یوں اسرائیل کیلئے جو زبھی بن گیا کہ ونونو کو کم از کم برطانوی سرزمین سے نہیں اغوا کیا گیا تھا۔ روم پہنچتے ہی سنڈی نے اسرائیلی سفارت خانے کو فوراً اطلاع دی کہ شکار پہنچ چکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد موساد کے چند کمانڈوز نے اُسے ایک ہوٹل کے کمرے میں شراب کے نشے کی حالت میں گرفتار کر لیا۔ اُسے ایک دو دن اسرائیلی سفارت خانے میں چھپائے رکھنے کے بعد ایک اسرائیلی بحری جہاز میں بے ہوشی کی حالت میں اسرائیل سمگل کر دیا گیا۔ اُس کی اغوا کی یہ کہانی شاید کبھی دنیا کو پتہ نہیں چلتی اگر ونونو یروشلم ڈسٹرکٹ کورٹ کے باہر منتظر صحافیوں کو خود نہ بتاتا۔ ہوا یوں کہ جب اُسے عدالت میں پیشی کیلئے ایک دن میں لایا گیا تو اُس نے صحافیوں کو وین کی کھڑکی سے اپنی ہتھیلی دیکھائی جس پر انگریزی کے تین جملے جلی حروف میں لکھے ہوئے تھے۔

Vanunu M was Hijack in Rome Itly 30.9.21.00 came to Rome by B.A fly 504.

جس کا مطلب تھا کہ اُسے 30 ستمبر 1986 کو رات نو بجے اغوا کیا گیا تھا اور وہ برٹش ائرویز کی پرواز نمبر 504 کے ذریعے لندن سے روم پہنچا تھا۔ ونونو کے ہاتھ کی تصویر دنیا بھر کے اخبارات نے شائع کی لیکن ملٹری سنسر شپ نے اُسے اسرائیلی پریس میں چھپنے نہیں دیا لیکن ونونو کے اشارے سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اُسے روم سے اسرائیل کیسے لایا گیا تھا۔ اُس کے بعد اُس پر بند کمرہ عدالت میں مقدمہ شروع ہوا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب اُسے قید کی سزا سنا دی گئی تھی تو اُس کا بھائی اُسے ملنے جیل گیا۔ ونونو نے اپنے بھائی کو اپنے اغوا کی اصل حقیقت بتائی کہ سنڈی اُسے روم کے ایک ہوٹل لیکر گئی تھی جہاں ایک کمرے میں اُس پر موساد کے دو آدمیوں نے حملہ کیا اور اُسے فرش پر گرا کر بے بس کر دیا۔ تب سنڈی نے اُسے بے ہوشی کا ایک انجکشن لگایا اُس کے بعد اُسے ایک سٹریچر پر ڈالا گیا۔ دو دن بعد ایک اسرائیلی مال بردار بحری جہاز میں اُسے رسیوں میں جکڑ کر سوار کیا گیا جو اسرائیل روانہ ہونے والا تھا۔

روگ آپریشن

Rogue Operation

نومبر 1984ء کی ایک شام جوناتھن پولارڈ اپنی سبز رنگ کی مسٹانگ کار میں اچانک واشنگٹن میں واقع اسرائیلی سفارت خانے پہنچا۔ اُس کے ہمراہ اُس کی بیوی اور ایک پالتو بلی Dusty بھی تھی۔ سفارت خانے کے باہر ایک کار میں بیٹھے ایف۔ بی۔ آئی (FBI) کے چند ایجنٹ جو دراصل اُس کی نگرانی پر معمور تھے، اُسکی دیدہ دلیری پر سخت حیران ہو گئے۔ اُس نے گاڑی روک کر تیزی سے شیشہ نیچے اتارتے ہوئے سیکورٹی گارڈ کو چیخ کر کہا I am an Israeli Spy (میں ایک اسرائیلی جاسوس ہوں)۔

جیسے کہ پچھلے یک باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ موساد کی جاسوسی سرگرمیاں عربوں کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں بھی جاری رہتی ہیں۔ امریکہ میں تو کئی بار اُس کے کارندے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہیں مگر یہاں کی مضبوط یہودی لابی انہیں کسی نہ کسی طریقے سے چھڑا لیتی ہے۔ لیکن جوناتھن پولارڈ کا واقعہ ایسا تھا کہ اس نے امریکہ اسرائیل تعلقات کی جڑیں ہلا دیں تھی پولارڈ ایک رضا کار جاسوس یا جاسوسی اصطلاح کے مطابق walk -in ایجنٹ تھا۔ وہ امریکی یہودی تھا اور اکثر اپنے دوستوں کے سامنے ڈینگیں مارتا تھا کہ وہ موساد کا ایک اہم عہدیدار ہے۔ وہ امریکی نیول انٹیلی جنس ایجنسی میں کام کر چکا تھا۔ 1979ء میں وہ واشنگٹن میں اسی ایجنسی کے دفتر میں بطور analyst کام کر رہا تھا۔ پولارڈ کی اسرائیل کیساتھ جذباتی وابستگی تھی۔ وہ اس صیہونی ریاست کی کسی نہ کسی طریقے سے خدمت کرنا چاہتا تھا۔

ایک دن نیویارک میں اُس کے ایک بااثر رشتہ دار نے اُسے کہا کہ اُس کی جان پہچان اسرائیل کے ایک زندہ ہیرو کیساتھ ہے۔ اُس کا نام کرنل ایوئم سیلا (Aviem Sellà) تھا۔ وہ اسرائیلی ائرفورس میں پائیلٹ رہ چکا تھا۔ اُس نے 1981ء میں آپریشن بے بیلون میں حصہ لیا تھا جس میں انہوں نے بغداد میں عراقی نیوکلیئر ری ایکٹر کو تباہ کر دیا تھا۔ کرنل سیلا ان دنوں ایک یہودی تنظیم کیلئے عطیات اکٹھے کرنے امریکہ آیا ہوا تھا۔ پولارڈ اس شخص سے پہلی ملاقات میں ہی سخت متاثر ہوا۔ کرنل سیلا نے اُسے بڑے فخر سے بتایا کہ لبنان پر ہوائی حملوں میں بھی اُس نے شرکت کی تھی۔ جس میں اسرائیلی لڑاکا طیاروں نے شام کے مگ فائٹر سکواڈرن کا مکمل صفایا کر دیا تھا۔

پولارڈ نے کرنل سیلا سے وعدہ کیا کہ وہ اُسے چند ایسی فائلیں فراہم کرے گا جو اسرائیل کیلئے انتہائی اہمیت کی حامل ہوں گی۔ کرنل سیلا لڑاکا ہوا باز تھا، اُس کا جاسوسی کاروائیوں سے واسطہ یا تجربہ نہیں تھا لہٰذا اُس نے پولارڈ کی اس پیشکش کی اطلاع فوراً موساد کو کر دی۔ موساد پہلے ہی سے اس امریکی یہودی کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی۔ لیکن موساد کو اسکی شخصیت پر شک تھا کیونکہ وہ اکثر ڈینگیں مارتا تھا۔ اُس کی آفر پر اسی لیئے وہ ذرا ہچکچا رہے تھے۔ ویسے بھی موساد رضا کاروں پر اتنا اندھا اعتماد نہیں کرتی اور خصوصاً اس کیس میں تو وہ سی آئی اے کی کوئی چال محسوس کر رہے تھے۔

لیکن موساد کی ایک دوسری برانچ Lekem اس آفر کو بڑا سنجیدہ سمجھ رہی تھی۔ یہ ادارہ منسٹری آف ڈیفنس کو سائنٹیفک مواد مہیا کرتی تھی۔ اس کے کارندے نیو یارک، بوسٹن اور لاس اینجلز میں واقع اسرائیلی قونصل خانوں میں موجود تھے۔ اس کا ایک فرد جوزف یاگر (Josef yagur) نیو یارک قونصلیٹ میں سائنٹیفک اتاشی تھا۔ اُس نے پولارڈ کے متعلق ایک تفصیلی رپورٹ تل ابیب روانہ کی۔ Lekem کے سربراہ نے کرنل سیلا کو یہ پروجیکٹ مزید آگے بڑھانے کا حکم دیا۔ دوسری مرتبہ جب پولارڈ اور کرنل سیلا ایک ریستوران میں ملے تو اُس نے پولارڈ کو کچھ ہدایات دیں کہ آئندہ اُسکے ساتھ رابطہ کیلئے وہ پبلک ٹیلیفون پر عبرانی حروف تہجی کے مخصوص حرف بطور کوڈ استعمال کرے۔

نیو یارک قونصلیٹ میں جوزف یاگر اُس کا کیس آفیسر تھا جو اُسکے مالی معاملات کا بھی انچارج تھا۔ لیکن Lekem کا سربراہ رافیل بذات خود اس شخص سے ملنا چاہتا تھا۔ لہٰذا 1984ء میں پولارڈ اپنی بیوی کے ہمراہ پہلی مرتبہ یورپ گیا جہاں پیرس میں ایک اسرائیلی ٹیم نے اُس کے ساتھ تفصیلی ملاقات کی [illegible]

Lekem کی ایک پوری ٹیم ان کاغذات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد انہیں اپنی مخصوص خفیہ زبان میں ترجمہ کر کے تل ابیب روانہ کر تی تھی۔ یوں کافی عرصہ دُہ امریکی انٹیلی جنس کے ثمرات موساد کو بہم پہنچاتا رہا۔ لیکن کچھ عرصے بعد وُہ آہستہ آہستہ رازوں کی چوری میں بے احتیاطی برتنے لگا۔ اُس کے ساتھ کام کرنے والے ساتھیوں کی توجہ بھی اُس کی طرف مبذول ہوگئی کیونکہ وُہ بڑی دیدہ دلیری کیساتھ ٹاپ سیکرٹ Communication Documents آفس کی حدود سے باہر لیجاتا تھا۔

اُس کا اپنا باس جیری بھی اس کی پُر اسرار حرکات سے واقف ہو چکا تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ پولارڈ وافر مقدار میں ایسی فائیلیں اُڑا چکا ہے جو عربوں کی عسکری صلاحیتوں اور سویت دفاعی سسٹم (weapon systems) کے متعلق تھیں اور ان فائیلوں سے سرکاری طور پر اس کا واسطہ بھی نہیں تھا، اُس نے فوراً ایف بی آئی (FBI) کو پوری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ ایف بی آئی نے اُس کی نقل وحرکت پر کڑی نگرانی کیلئے اُس کے دفتر میں خفیہ ویڈیو کیمرے نصب کر دیے۔

آخر چند روز بعد ایف بی آئی والے اُس کے آفس میں اچانک آ گھسے، وُہ ایک دراز سے کچھ دستاویزات نکال رہا تھا۔ پولیس کے ہیڈ نے اُسے حکم دیا کہ وُہ اپنی بیوی کو فون پر اطلاع دے کہ وُہ آج ذرا دیر سے گھر آئے گا۔ پولارڈ نے اُن کے کہنے پر بیوی کو فون کیا۔ دوران گفتگو اُس نے بیوی کو ایک لفظ Cactus کہا یہ دراصل پہلے سے طے شدہ کوڈ تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وُہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ اسی دن شام کو پولارڈ نے بیوی کے ہمراہ کرنل سیلا کیساتھ ایک ریستوران میں ڈنر کھانا تھا۔ این (Anne) نے شوہر سے باتیں کرنے کے بعد فوراً کرنل سیلا کو ٹیلیفون پر اس واقعے کی اطلاع دی۔ یہ سن کر کرنل بے حد گھبرا گیا کیونکہ وہ خود بھی کسی بھی لمحے گرفتار ہوسکتا تھا۔ اُس کے پاس اب ایک ہی صورت تھی، کہ فوراً امریکہ سے فرار ہو جائے، اُس دن واشنگٹن سے بیرون ملک کوئی پرواز نہیں تھی۔ لہٰذا کرنل اپنی بیوی کے ہمراہ ایک ٹیکسی میں نیویارک پہنچا جہاں سے انہوں نے صبح سویرے لندن کی فلائٹ پکڑی۔ اُن دونوں نے جعلی پاسپورٹ پر برطانیہ تک سفر کیا۔ جہاں سے وُہ ایک دوسری پرواز کے ذریعے اسرائیل پہنچ گئے۔

موساد نے نیویارک قونصیلٹ میں اپنے آدمی جوزف یاگر کو بھی الرٹ کر دیا تھا۔ ویسے پیشہ ورانہ طور پر موساد کے پاس ہر لمحہ ایمرجنسی پلان ہوتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت اپنے کارندوں کو گرفتاری سے بچایا جا سکے۔ لیکن یہ آپریشن Lekem چلا رہی تھی جو عملی طور پر اپنے آدمیوں کو تحفظ دینے میں ناکام ہو چکی تھی۔ جوناتھن پولارڈ کو اسرائیلیوں نے اس سے قبل یقین دہانی کرائی تھی کہ خطرے کے وقت وُہ اُس کی مکمل مدد کریں گے۔ پوچھ گچھ کے دوران اُس نے ایف بی آئی کو صاف کہہ دیا کہ اُس نے امریکہ یا امریکی مفاد کے خلاف کوئی جاسوسی نہیں کی ہے، ورنہ وُہ امریکہ کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ گرفتاری سے قبل ایف بی آئی (FBI) نے کئی دنوں تک اُسکی خفیہ نگرانی کی۔ وُہ اُسے بغیر ٹھوس ثبوت کے پکڑنا نہیں چاہتے تھے۔

اُس دن جب پولارڈ کو مکمل یقین ہوگیا کہ اُس کی حرکات کا ایف بی آئی کو علم ہو چکا ہے تو اُس نے بڑی عجلت میں اپنا ضروری سامان چند بیگوں میں ٹھونس کر اپنی بیوی اور پالتو بلی کو لیکر کار میں سوار ہوا اور ایک زگ زیگ راستے سے اسرائیلی سفارت خانے کی طرف روانہ ہو۔ تھوڑی ہی

دیر میں وُہ سفارت خانے پہنچا جس کی چھت پر نیلے ستارے والا اسرائیلی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اُس نے اندر گھستے ہی ایک سفارتی گاڑی کے عین پیچھے زوردار بریک لگائی۔ اُس نے ڈیوٹی پر متعین سیکورٹی گارڈ سے کہا کہ وُہ اسرائیلی سفیر سے ملنا چاہتا ہے۔ لیکن سیکورٹی گارڈ کو اوپر سے سخت احکامات تھے کہ پولارڈ کو کسی صورت میں بھی سفیر کے قریب پھٹکنے نہ دیا جائے۔ اسرائیلی حکومت ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ ایک زیرِحراست جاسوس بھاگ کر اُس کے سفارت خانے میں پناہ لے۔

لہٰذا پولارڈ کو مجبوراً واپس نکلنا پڑا۔ اُس نے کار جونہی سفارت خانے سے باہر نکالی تو ایف بی آئی کے درجن بھر ایجنٹوں نے اُسے روک کر گرفتار کر لیا۔ پولارڈ نے بعد میں اعتراف کیا کہ اُس نے اپنے اسرائیلی آقاؤں کو ہائی گریڈ انٹیلی جنس میٹریل (High-grade Intelligence material) فراہم کیا جس میں آٹھ سو کے قریب (classified publications) اور ایک ہزار خفیہ پیغامات شامل تھے۔ پولارڈ کو ایک امریکی عدالت نے عمر قید اور اُس کی بیوی کو اعانت جرم کی پاداش میں پانچ سال کی قید سنائی۔

خواتین کا مقبول ترین ناول

ماہی ماہی کوکدی میں

- معاشرے کے سب سے اونچے سنگھاسن پر بیٹھے زورآوروں کی کہانی۔
- ان مقدس دوشیزاؤں کی کہانی جن کا تقدس ان کے لیے عذاب بن گیا تھا۔
- اس باپ کا قصہ جسے اپنی عزت، آن اور زمین اپنی اولاد سے زیادہ عزیز تھی۔
- صدیوں سے غیرت کے نام پر سولی پر لٹکائی جانے والی عورت کی کہانی۔
- عظمت کے ساتویں آسمان پر بیٹھی عورت پاتال کی گہرائی میں کیوں گرتی ہے۔
- اپنی اپنی خواہشوں کے بھنور میں پھنسے لوگوں کی داستان۔
- خاندانی روایات کے باغی ایک بلند ہمت نوجوان کی کہانی۔

دو حصے
ہما کوکب بخاری
قیمت صرف 350 روپے

اپنے قریبی بکسٹال یا ہاکر سے طلب فرمائیں

براہِ راست منگوانے کا پتہ

ناشر
علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔
Ph: 7247414

اسٹاکسٹ
علی بکسٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور۔

موساد اور را(RAW):

ٹارگٹ پاکستان

اسرائیل اپنی سرحدوں سے باہر پوری دنیا کو بالعموم اور مسلم ممالک کو بالخصوص اپنا ٹارگٹ سمجھتی ہے لیکن اب اس کی خصوصی توجہ سلام کے قلعے یعنی پاکستان پر مرکوز ہے۔

اس بات کا اندازہ پہلے اسرائیلی وزیراعظم ڈیوڈ بن گورین کے ان الفاظ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

"It is essential that we . . . Strike and Crush Pakistanis, enemies of Jews and Zion by all disguised and secret plans"

''یہ انتہائی اہم بات ہے کہ ہم اپنے خفیہ منصوبوں کو بروئے کار لاتے ہوئے پاکستانیوں پر کاری ضرب لگا کر انہیں کچل دیں جو کہ یہودیوں اور صیہونیت کے دشمن ہیں۔''

جینز انفارمیشن گروپ(Janes information group) اٹیلی جنس معلومات کے سلسلے میں دنیا کا قابل اعتماد ادارہ ہے۔ اس کا انٹرنیٹ پر باقاعدہ ویب سائٹ بھی ہے۔ اس کی جولائی 2001ء کی رپورٹ کے مطابق ''ہندوستانی جاسوس ادارے راء (Raw) اور موساد نے باہمی اشتراک سے چار نئے گروپ بنائے ہیں جن کا کام پاکستان میں سرایت کر کے وہاں اہم مذہبی' فوجی شخصیات' صحافیوں' وکیلوں' ججوں اور بیوروکریٹس کو نشانہ بنانا ہے۔ اس کے علاوہ ریلوے اسٹیشنوں' ریل گاڑیوں' لاری اڈوں' بکوں' سینما گھروں ہوٹلوں میں دھماکے کرانا اور مختلف مذہبی فرقوں کی مساجد میں بلاسٹ کرنا تاکہ فرقہ ورانہ فسادات بھڑک اٹھیں' ان ایجنسیوں کے ہتھکنڈے میں شامل ہے۔

پاکستانی خفیہ داروں کی رپورٹ کے مطابق را نے ایک اور پلاٹ بھی بنایا ہے جس کے مطابق پاکستان میں ہندوستانی سفارت خانوں نے نوجوان لڑکوں کو جن کی عمریں 20 اور 30 سال کے درمیان ہیں ہندوستان کی سیر کے بہانے مفت ویزوں کی پیشکش کرتا ہے بعد میں ان لڑکوں کو انڈین سرحد کے اندر ''دہشت گردی اور جعلی کرنسی'' کے جھوٹے موٹے کیسوں میں گرفتار کرتا اور پھر انہیں رہائی کے عوض پاکستان کے خلاف جاسوسی پر آمادہ کرتا ہے۔

یہود و ہنود کا یہ پھندہ بہت پہلے تیار ہو چکا ہے جو آہستہ آہستہ پاکستان' افغانستان اور وسطی ایشیاء کے ممالک کے گلوں پر تائٹ ہوتا جا رہا ہے۔

موساد اور را مل کر کشمیریوں کی جنگ آزادی کو ناکام بنا کر پاکستان کے استحکام کو بگاڑنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔

ہندوستانی اخبار پائینیر (Pioneer) نے اپنے تین مارچ 2001ء کے شمارے میں لکھا" پاک ہند سرحد پر خاردار باڑھ لگانا کافی نہیں

ہے۔ سرحد پار دہشت گردی کو روکنے کیلئے اسرائیلی فوجی ماہرین نے تجویز پیش کی ہے کہ کشمیر کی لائن آف کنٹرول اور پنجاب کی سرحد پر جدید ترین حساس راڈار Thermal Imaging Devices لگائی جائیں۔ اب انڈیا نے اسرائیل سے سرحدوں پر نظر رکھنے کیلئے خصوصی جاسوسی طیارے خریدے ہیں۔

لندن میں پاکستانی سابقہ سفارت کار قطب الدین عزیز نے ایک عمدہ آرٹیکل Dangerous Nexus between Israil and India'' لکھا تھا جو اپریل 2001ء میں ایک ممتاز پاکستانی اخبار میں شائع ہوا۔ انہوں نے لکھا ''جون 2000ء میں ہندوستانی ہوم منسٹر ایل۔ کے ایڈوانی نے اپنے سرائیل کے دورے میں وہاں کی انٹیلی جنس کیمونٹی کے اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ خفیہ ملاقاتیں کیں اور موساد اور راء کے اشتراک سے مسلم دنیا کے خلاف منظم طریقے سے خفیہ آپریشن شروع کرنے پر اتفاق کیا۔ اس دورے کے بعد بھارتی حکومت نے پنے ملک میں موساد کو ایک وسیع جاسوسی جال پھیلانے کی سہولیات فراہم کیں جو کشمیری حریت پسندوں کی نقل و حرکت کو نوٹ کرنے کیلئے نصب ہو چکا ہے۔

یروشلم پوسٹ اور دیگر اسرائیلی اخبارات میں اس نے کھلم کھلا اسرائیلی شہریوں کو ملازمت کی دعوت دی۔ اس کا اشتہار کچھ یوں تھا:

"If you are Sencitive, creative and Charming, Mossad wants you Mossad h Opened its gates. Not to every body not to many but may be to you You need to daring, Charismatic and must Come with a Sense of Personal and national missi

اس اشتہار کا مقصد "کیس آفیسرز" بھرتی کرنا تھا کیس آفیسرز کسی بھی انٹیلی جنس نیٹ ورک کے اہم ترین افراد ہوتے ہیں۔ ان کا کام بیرون ملک ایجنٹ اور مخبر بھرتی کرنا ہوتا ہے۔ اس اشتہار کے پس پردہ جو اہم بات تھی وہ تو اخبارات نے شائع نہیں کی کہ ان تازہ کیس افسروں کو وسطی ایشیہ، پاکستان، افغانستان اور ایران میں تعینات ہونا تھا۔

1968ء میں جب بھارت کا جاسوسی ادارہ را (Raw) وجود میں آیا تو اندرا گاندھی نے اس کے ڈائریکٹر میشور ناتھ کاؤ کو حکم دیا تھا کہ

بھارت اور اسرائیل نے 1983ء کے دوران میں مشترکہ طور پر کہوٹہ پر ہوائی حملے کا پلان بنایا تھا' لیکن آپریشن کے عین ابتدائی لمحات میں انہیں پیچھے ہٹنا پڑا کیونکہ سی آئی اے نے اچانک ضیاء الحق کو یہ راز منکشف کر دیا تھا۔ یہ انکشاف' حال ہی میں مارکیٹ میں آنے والی ایک کتاب:

Deception: Pakistan, the united states and the Global weapon Conspiracy.

میں ہوا ہے۔ یہ کتاب دو تفتیشی صحافیوں Catherine Scott-clark/Adrian Levy نے مل کر لکھی ہے۔

وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: فروری 1983ء میں بھارت اور اسرائیل کا ابھی باقاعدہ سفارتی تعلق بھی قائم نہیں ہوا تھا' لیکن ان کا کہوٹہ ریسرچ لیبارٹری پر ہوائی حملے کا پلان ایڈوانس سٹیج پر تھا۔ بھارتی ملٹری افسروں نے خفیہ طور پر تل ابیب کا دورہ کیا۔ انہوں نے کہوٹہ کے ایئر ڈیفنس سسٹم کو ناکارہ بنانے کیلئے جدید الیکٹرانک آلات کی خریداری کی۔ نئی دہلی کو اپنا پلان ایک اور وجہ سے بھی منسوخ کرنا پڑا جب 1983ء میں بھابھا اٹامک ریسرچ سنٹر (انڈیا) کے ڈائریکٹر راجہ رمانا کو پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے منیر احمد خان نے ویانا میں دھمکی دی کہ اگر بھارت نے کوئی حرکت کی تو پاکستان اُن کی ایٹمی تنصیبات کو نشانہ بنائے گا۔

پلان کے مطابق اسرائیلی ایئر فورس کے ایف۔16 اور ایف۔15 جیٹ جہازوں نے ہندوستانی ریاست گجرات کے شہر جام نگر میں ایک ہوائی اڈے سے آپریشن کا آغاز کرنا تھا۔ ان طیاروں کی ری فیولنگ کے لئے شمالی ہند کے ایک دوسرے ایئر فورس بیس کو منتخب کیا گیا تھا۔

مارچ 1984ء میں مسز اندرا گاندھی نے اس حملے کے پلان پر دستخط کر کے برصغیر کو ایٹمی تباہ کاری کے دھانے پر پہنچا دیا تھا۔ مذکورہ کتاب کے مطابق امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے بھارت کو باقاعدہ وارننگ دی کہ اگر انہوں نے یہ حملہ کیا تو امریکہ اُن کے خلاف کارروائی کرے گا۔

اندرا گاندھی نے جب اس آپریشن کو منسوخ کرنے کا حکم دیا تو بھارتی اور اسرائیلی افواج کے اعلیٰ حکام نے اس کا بے حد بُرا منایا' کیونکہ کئی سالوں کی سوچ بچار اور پلاننگ یک دم رائیگاں ہو گئی۔

امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی حال ہی میں ایک دستاویز سے پتہ چلا ہے کہ اسرائیلی حملے کا پلان صدر جمی کارٹر کے دور حکومت میں ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ ڈی کلاسیفائڈ (Declassified) ڈاکومنٹ نیشنل سکیورٹی آرکائیوز نامی ایک غیر سرکاری تنظیم نے آزادی صحافت ایکٹ کے تحت شائع کیا تھا۔ اس ادارے کے ایک سینئر اہلکار نے کہا کہ یو۔ ایس سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے اسے ریلیز کرنے سے پہلے اس کے بعض حساس حصوں کو سنسر کر دیا تھا یا دوسرے لفظوں میں اسرائیلی آپریشن کی مکمل تفصیلات کو حذف کر دیا تھا' اب یہ ادارہ بقیہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

آسٹریلین انسٹیٹیوٹ فار سٹریٹیجک سٹڈیز (Australion Institute for Studies) کی ایک رپورٹ کے مطابق 1980ء کی دہائی میں اسرائیل نے امریکی سی آئی اے کی فراہم کردہ معلومات اور سیاروں کی مدد سے لی گئی تصاویر کی مدد سے بالکل عراقی ری ایکٹر آپریشن کی طرز پر کہوٹہ پر حملہ کرنے کا پلان بنایا تھا۔ یہ پلان آج بھی اسرائیلی ایئر فورس کے ہیڈ کوارٹرز میں اپ۔ ٹو۔ ڈیٹ ہوتا رہتا ہے۔ ایئر فورس کے ایف۔16 اور ایف۔15 سکواڈرن کے پائلٹوں کو وقتاً فوقتاً خصوصی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس مقصد کیلئے اسرائیل کے جنوبی صحرائے نگیو میں کہوٹہ کا پورا ماڈل بنایا گیا ہے جہاں اسرائیلی ایئر فورس کے مذکورہ طیارے حملے کی مشق کے دوران غوطے لگاتے رہتے ہیں۔

پاکستانی ایٹمی تنصیبات پر حملے کیلئے ان ہوابازوں کو چنا گیا تھا جنہوں نے آپریشن بے بیلون میں حصہ لیا تھا۔

اسرائیل نے اس آپریشن کیلئے دو تجاویز اپنے سامنے رکھی تھیں۔

(1) بھارتی ہوائی اڈوں کا استعمال یا

(2) اسرائیل سے نان۔سٹاپ براہ راست کہوٹہ۔ پرواز کے دوران ان طیاروں کو فضا میں دوبارہ ایندھن مہیا کرنے کیلئے ایک ہوائی ٹینکر مختص کیا گیا۔ اس کے علاوہ پاکستانی ایئر ڈیفنس سسٹم کو ناکارہ بنانے کیلئے اسرائیلی اواکس (Awacs) طیارے کو مشن میں شامل کیا گیا۔

بھارت اس سلسلے میں اسرائیل کی بڑی خوشامد کرتا رہا کہ وہ جلد از جلد اس منصوبے کو عملی جامہ پہنائے لیکن ساتھ ہی وہ اپنے ہوائی اڈوں کو استعمال کرنے سے کترا رہا تھا کیونکہ اُسے پتہ تھا کہ اس صورت میں اُس کے اپنے ایٹمی تنصیبات پاکستان ایئر فورس کے نشانے سے بچ نہیں سکیں گے۔

ریگن ایڈمنسٹریشن نے بھی دونوں ممالک کو وارننگ دے دی تھی۔ اس سلسلے میں امریکی دلچسپی کی بنیادی وجہ افغانستان میں روس کے خلاف جنگ تھی اور پاکستان اس کا ان کوششوں میں اہم فریق تھا۔

اس دوران پاکستان نے اسرائیل کو صاف کہلوا دیا کہ اگر انہوں نے پاکستان میں کسی مہم جوئی کی کوشش کی تو یاد رکھنا کہ اُس کا مقابلہ عراقی ایئر فورس سے نہیں بلکہ پاکستان ایئر فورس سے ہوگا۔ ایک دوسرے ذریعے سے اسلام آباد نے انہیں یہ بھی باور کرایا کہ اُن کے ممکنہ آپریشن کی صورت میں پی اے ایف (PAF) صحرائے نگیو میں واقع ڈیمونا نیوکلیئر ریسرچ سنٹر کو نشانہ بنائے گا۔

1981ء میں اسرائیلی آپریشن بے بیلون کی کامیابی کے بعد جنرل ضیاء الحق نے پی اے ایف ہیڈکوارٹرز کو اپنا دفاعی نظام انتہائی چوکس کرنے کا اور پاکستان پر حملے کی صورت میں جوابی کارروائی کیلئے تیاری کا حکم دیا۔ اس پر ایئر ہیڈ کوارٹر چکلالہ میں سپیشل آپریشن روم قائم کیا گیا۔ میراج-3 کے ایک سکواڈرن کو اسرائیلی ایٹمی تنصیبات پر حملے کیلئے ریڈ الرٹ کر دیا گیا۔

15 جنوری 1983ء کو پاکستان نے امریکہ سے ایف-16 طیارے خریدے۔ پی اے ایف نے ان جدید لڑاکا جہازوں کو بھی اپنے ہنگامی آپریشن میں شامل کر لیا۔

13 مئی 1998ء کو بھارت نے جب ایٹمی دھماکہ کیا تو پاکستانی نیوکلیئر تنصیبات پر اسرائیل اور بھارتی ایئر فورسز (Air Forces) کے مشترکہ حملے کا امکان انتہائی بڑھ چکا تھا۔ ان نازک حالات میں پی اے ایف (PAF) نے مملکت خداداد کی حفاظت اس قدر مؤثر انداز میں کی کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ چاغی میں ایٹمی سائنسدان ٹیسٹ میں مصروف تھے اور پاکستان کے عین اوپر ہزاروں فٹ کی بلندیوں پر آسمان پاکستان ایئر فورس کے جیٹ لڑاکا طیاروں سے بھرا ہوا تھا۔ کسی بھی دشمن طیارے کیلئے پاکستانی فضاؤں میں داخل ہونا ناممکن ہو چکا تھا۔ دوسری طرف زمین پر اینٹی ایئر کرافٹ گنز اور ریڈار سسٹم انتہائی چوکس حالت میں تھے۔

کہتے ہیں کہ دھماکے سے ایک روز قبل پاکستان ایئر فورس کا ایک ایف-16 چاغی کے علاقے میں انتہائی نیچی پرواز کرتا ہوا اچانک گزرا تو

نیچے پاکستانی ایئر ڈیفنس سسٹم والوں نے سمجھا کہ شاید کوئی اسرائیلی جیٹ حملہ کرنے آ گیا ہے۔ اسی غلط فہمی میں واشنگٹن میں پاکستانی سفیر نے اسرائیلی سفارت خانے سے زبردست احتجاج کیا لیکن انہوں نے اس واقعے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

اقوام متحدہ میں پاکستانی سفیر احمد کمال نے سی این این کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

''ہمارے پاس ٹھوس ثبوت ہیں کہ بھارت ہماری ایٹمی تنصیبات پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر اس نے ایسی ویسی کوئی حرکت کی تو پاکستان کی جوابی کارروائی اس سے زیادہ تباہ کن ہوگی۔''

مئی 1998ء میں پی اے ایف نے پورے پاکستان کی حفاظت کا جو زبردست آپریشن شروع کیا تھا اُسے آپریشن بدر کا نام دیا گیا تھا۔ یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد آپریشن تھا جس میں پی اے ایف کے چاروں کمانڈ سیکٹر ہیڈ کوارٹرز نے بھرپور حصہ لیا تھا یعنی پشاور، سمنگلی (کوئٹہ) فیصل (کراچی) اور سرگودھا۔

انٹیلی جنس اطلاعات کے مطابق بھارت اسرائیل کا مشترکہ حملہ نہ صرف پاکستانی ایٹمی تنصیبات پر بلکہ کھاران اور راس کوہ کے نیوکلیئر ٹیسٹ سائٹس پر بھی ہو سکتا تھا۔

کہتے ہیں کہ بھارتی اور امریکی جاسوس اداروں کو کھاران ڈیزرٹ سائٹس کا بالکل علم نہیں تھا۔ مغرب یا جنوب مغرب کی طرف سے کسی بھی ممکنہ ہوائی حملے سے بچنے کیلئے پاکستان نے کوئٹہ میں 1982ء سے TPS-43G ہائی لیول ریڈار سسٹم نصب کیا ہوا تھا۔

مئی 1998ء میں پاکستان کے دو مقامات نے دنیا بھر میں زبردست شہرت اختیار کی یعنی چاغی کے پہاڑوں اور دالبندین ایئر فیلڈ نے۔ دالبندین (Dalbandin) چاغی سے انیس کلومیٹر جنوب مشرق میں ریت کے ٹیلوں میں واقع ہے اس کے قریب ہی پاک افغان سرحد ہے۔

دالبندین ایئر فیلڈ 1935ء میں تعمیر ہوا تھا۔ یہ سمنگلی ایئر بیس کے متبادل کے طور پر بنایا گیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اسے رائل انڈین ایئر فورس نے افغانستان یا ایران کے راستے ممکنہ روسی حملے سے نپٹنے کیلئے استعمال کیا۔ 1970ء کی دہائی میں یہ ایئر فیلڈ پی اے ایف کے استعمال میں نہیں رہا۔ یہ ہوائی پٹی انتہائی بلندی سے صاف دکھائی دیتی ہے لیکن پائلٹ جب اس پر لینڈنگ کی کوشش کرتے ہیں تو یہ آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے کیونکہ پٹی پر پھیلی ہوئی ریت اور اردگرد کے ریتلے ٹیلے انسانی بصارت کو دھوکہ دیتی ہیں۔ یہ قدرتی طور پر کیموفلاج جگہ ہے۔ یہاں ریت کے طوفان بسا اوقات چلتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے جہازوں کیلئے لینڈنگ اور ٹیک آف میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ 1985ء میں سول ایوی ایشن (Civil Aviation) نے اس کی بڑے پیمانے پر مرمت کی اور یہاں ایئر ٹریفک کنٹرول اور دیگر جدید سہولیات کا انتظام کیا۔

1998ء میں چاغی اور دالبندین کے درمیان جہازوں کی آمد و رفت بڑے زور و شور سے شروع ہوئی۔ ٹیسٹ سے چند دن پہلے پی اے ایف کے دو دیو ہیکل سی 130 ٹرانسپورٹ طیاروں میں نیوکلیئر آلات الگ الگ حصوں میں چکلالہ سے دالبندین ایئر فیلڈ پہنچائے گئے۔ ان طیاروں کی حفاظت کیلئے ایف-16 جیٹ لڑاکا طیارے اس کے اردگرد اوپر نیچے پرواز کرتے رہے۔ دوران سفر ان حفاظتی جہازوں کے ریڈیو مکمل آف رکھے گئے تھے تا کہ انہیں کسی جعلی حکم سے گمراہ نہ کیا جا سکے۔

29 مئی 1998ء کو پاکستان نے چھ ایٹمی دھماکہ کر کے دنیا کو انگشت بدنداں کر دیا۔ چاغی کا پہاڑ سفید راکھ کا ڈھیر بن گیا لیکن اسرائیل اور بھارت کا پاکستان کے خلاف مہم جوئی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان ایئر فورس کا آپریشن بدر اپنے انجام کو پہنچا۔ اللہ نے پاکستان کی حفاظت کی بالکل اُسی طرح جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت بے سروسامانی کی حالت میں مشرکین کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ ٹکرائی اللہ نے مسلمانوں کی حفاظت کیلئے تین ہزار فرشتے اتارے۔

مئی 1998ء میں مذکورہ حملے کا امکان کتنے فیصد تھا اس کا جواب شاید ہم کبھی نہیں دے سکیں گے لیکن خطرات کچھ اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ انہیں نہ تو Over-estimate کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی Under-estimate۔ البتہ Over-estimation سے تو چلو زیادہ سے زیادہ سفارتی پریشانی کا ہی سامنا ہو سکتا ہے لیکن Under-estimation کی صورت میں پاکستان ایک خوفناک تباہی سے دوچار ہو سکتا تھا لیکن اس موقع پر پاکستان نے حملے کے امکان کو Over-estimate کر کے اعلیٰ ذہانت کا ثبوت دیا۔

اسرائیل اپنے اردگرد تمام مسلم ممالک کے دفاعی سسٹم پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ پاکستان کے بعد وہ سب سے زیادہ ایران کے نیوکلیئر پروگرام سے خوف زدہ ہے۔ ابھی 18 جون 2008ء کو نیٹ پر موساد کے ایک سابقہ ڈائریکٹر کا بیان نظر آیا۔ اُس نے متنبہ کیا ہے کہ اسرائیل کے پاس ایرانی ایٹمی تنصیبات تباہ کرنے کیلئے اب صرف بارہ ماہ رہ گئے ہیں ورنہ وہ خود ہی نیوکلیئر حملے کا شکار ہو جائے گا۔ اُس نے کہا ہے کہ امریکی انتخابات میں بارک اوباما کی جیت سے پہلے اسرائیل کو یہ حملہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔

4 مئی 2008ء کو برطانوی انٹیلی جنس سروس ایم۔آئی۔6 کے چیف نے ایرانی نیوکلیئر خطرے کے پیش نظر تل ابیب میں موساد کے ہیڈ کوارٹر کا دورہ کیا۔

دونوں ملکوں کے جاسوسی اداروں کے باہمی اشتراک سے ایک منظم نیٹ ورک پورے مڈل ایسٹ میں پھیلا ہوا ہے۔

ایک امریکی انٹیلی جنس کمپنی کہتی ہے کہ اسرائیل اپنی پوری کوشش کر رہا ہے کہ ایران ایٹمی اسلحہ بنانے میں کامیاب نہ ہو۔ ابھی چند ماہ قبل ایران کا ایک ذہین ترین نیوکلیئر سائنسدان اردشیر حسن پور انتہائی پُر اسرار حالت میں موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔

وہ شیراز یونیورسٹی میں نیوکلیئر فزکس پڑھاتا تھا۔ چوالیس سالہ اردشیر حسن پور اصفہان کے ایٹمی ری ایکٹر میں بھی کام کر چکا تھا۔ اس جگہ یورینیم ہیگزا فلورائیڈ گیس پیدا ہوتی ہے جو یورینیم کی افزودگی (Enrichment) میں استعمال ہوتی ہے۔ اسرائیل اسی چیز سے ڈر رہا ہے کیونکہ یہ گیس ایٹمی ہتھیار کی تیاری میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ اردشیر کی موت میں ایرانی ایجنسیوں کے مطابق موساد کا ہاتھ ہے۔

(ختم شد)

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com